باتیں ان کی یاد رہیں گی

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم (کراچی پاکستان)
کے ارشادات و معلومات کا قیمتی مجموعہ

مرتّب

[illegible] محمد رضوان القاسمی

ز[illegible]م بکڈپو دیوبند یوپی

باتیں ان کی یاد رہیں گی

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم (کراچی، پاکستان)

کے ارشادات و ملفوظات کا قیمتی مجموعہ

مرتب

مولانا محمد رضوان القاسمی

زمزم بکڈپو دیوبند

تفصیلات

نام کتاب :- باتیں ان کی یاد رہیں گی

صاحب ملفوظات :- حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

مرتب :- مولانا محمد رضوان القاسمی

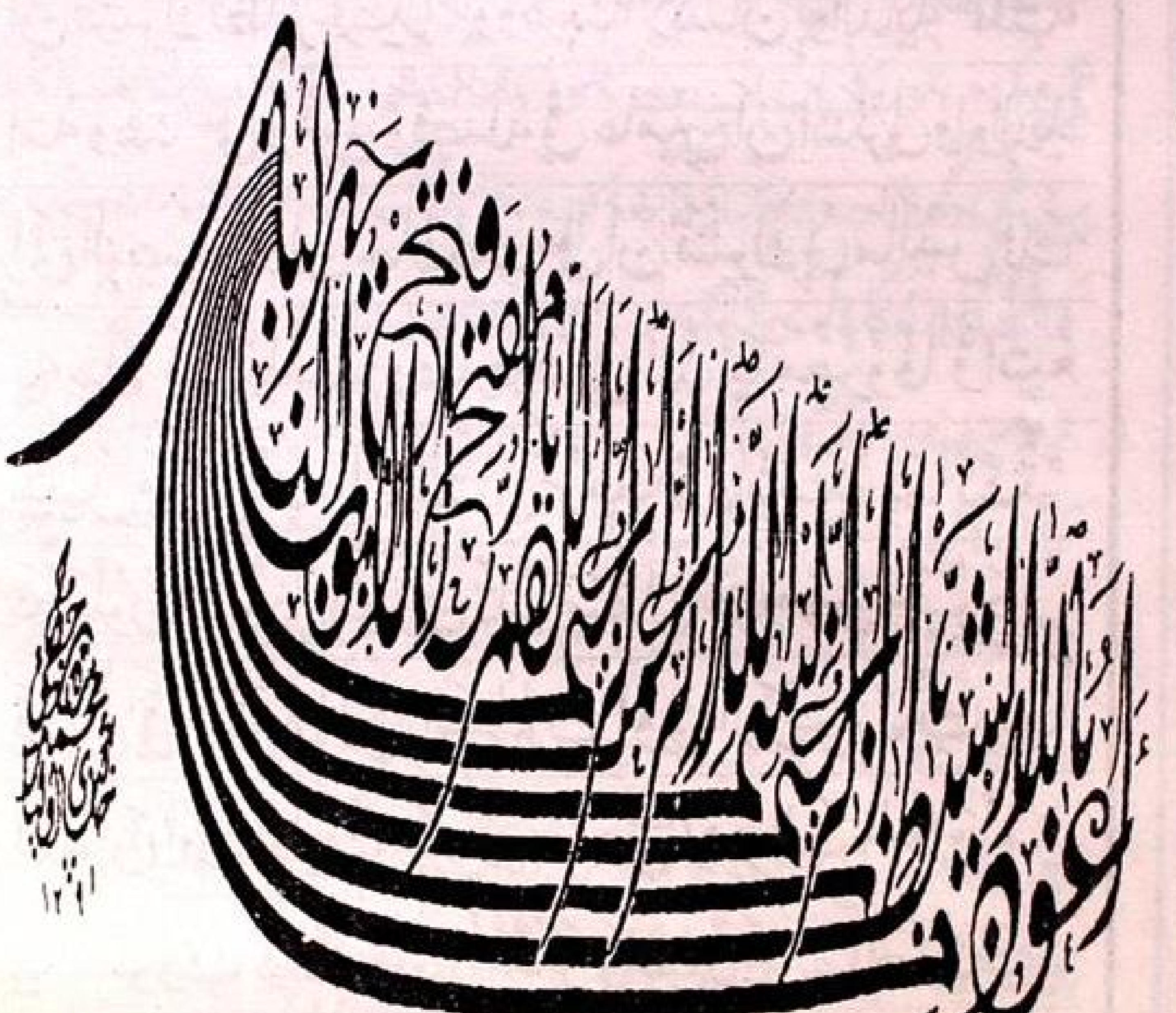
باہتمام :- اسعد واجدی

سن طباعت :- ستمبر ۱۹۹۹ء

ایم ایس پرنٹرس 1853، لال دروازہ، ہمدرد مارگ، دہلی

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند



وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ
اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ
اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ
سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا
اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا
تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾
وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

سورۂ لقمٰن : آیت : ۱۳ تا ۱۹

ترجمہ:

اور اس وقت کا ذکر کیجئے جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹا اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے، اور ہم نے انسان کو تاکید کی، اس کے ماں باپ سے متعلق، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر میری ہی طرف واپسی ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو تو اس کا کہا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کئے جانا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کئے ہو، پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمہیں سب جتلادوں گا، اے بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کی برابر ہو پھر کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ رب العزت اسے لے ہی آئے گا، بے شک اللہ بڑا باریک بین ہے بڑا باخبر ہے، اے میرے بیٹے نماز کو قائم رکھ اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کام سے منع کیا کر، اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے، اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بے شک اللہ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا، اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے ﴿﴾ (سورۂ لقمٰن، آیت: ۱۳ تا ۱۹)

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ انہ حدثہ انہ رکب
خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال لہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا غلام: انی معلمک
کلمات احفظ اللہ یحفظک، احفظ اللہ تجدہ
تجاھک، واذا سألت فلتسأل اللہ واذا استعنت
فاستعن باللہ، واعلم ان الامۃ لو اجتمعوا علی
ان ینفعوک لم ینفعوک الا بشیٔ قد کتبہ اللہ
لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک لم یضروک الا
بشیٔ قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت
الصحف۔ (مسند احمد ۱/۲۹۳)

ترجمہ :

"حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ ایک دن (سفر کے دوران) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے مخاطب کر کے) فرمایا، لڑکے! میں تم کو چند باتیں سکھا رہا ہوں، وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام (امر و نہی) کا خیال رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا خیال رکھے گا، اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال رکھو گے تو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ پاؤ گے۔ جب تم سوال کا ارادہ کرو تو صرف اللہ تعالیٰ کے آگے دستِ سوال دراز کرو، جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، اور یہ جان لو کہ اگر تمام مخلوق مل کر بھی تمہیں نفع پہونچانا چاہیں تو ہرگز تمہیں نفع نہیں پہونچا سکیں گے، علاوہ صرف اس چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے، اور اگر دنیا کے تمام لوگ مل کر بھی تمہیں کسی طرح کا کوئی نقصان و ضرر پہونچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہونچا سکتے ہیں، علاوہ صرف اس چیز کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقدّر میں لکھ دیا ہے، قلم اٹھا کر رکھ دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔"

(مسند احمد ۱/۲۹۳)

قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها أذى والله غني حليم

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر:

١٤۔ صبر و شکر:

تعارف

ایک مُسلمان سے متعلق دوسرے مُسلمان پر سب سے بڑا حق "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا ہے۔ نیکی کی دعوت دنیا اور بُرائی سے بچانا یہ اس امت کا اصل مقصد وجود ہے، پھر دینی اعتبار سے جو جتنا زیادہ ذمہ دارانہ حیثیت کا حامل ہو اس کی ذمہ داری بھی اسی قدر ہے، انبیاء کی زندگی سراپا دعوتِ خیر ہے۔ اس کے بعد علماء صالحین اور مشائخ عارفین کا درجہ ہے، پھر عام مسلمان ہیں اگر معاشرہ کسی خیر سے محروم ہو جائے، یا کسی بُرائی میں مستقل طور پر مبتلا ہو جائے تو اسی نسبت سے عند اللہ جوابدہی بھی ہوگی اور بازپرس سے بھی گذرنا ہوگا،

خیر کی طرف بلانے کے مختلف ذرائع ہیں۔ اجتماعات ہیں خطبات ہیں۔ رسائل و مکتوبات ہیں، کتابیں اور تحریریں ہیں، انہیں میں ایک باہمی تبادلۂ خیال کی مجالس ہیں، یہ مجالس ، بعض اعتبار سے سب سے زیادہ موثر ہوتی ہیں، ان میں بات کرنے والا انفرادی اور شخصی طور پر مخاطب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ گفتگو تکلفات اور حجابات سے خالی ہوتی ہے، ان میں ہر طرح کی بات کی جا سکتی ہے، نرم بھی گرم بھی، شیریں بھی، تلخ بھی، گاہے سنجیدہ مسائل گاہے موعظت و تذکیر کبھی شعر و سخن کبھی لطائف و ظرائف، اکثر اوقات ان کی تاثیر عام خطبات و مواعظ سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب یہ گفتگو سینہ سے سفینہ میں منتقل ہوتی ہے تو اس میں بھی ایک خاص لطف محسوس ہوتا ہے، پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ خود اس

مجلس میں موجود ہے، پھر مضامین کا تنوع بھی اکتاہٹ سے بچاتا ہے۔

اسی لئے بزرگوں کے یہاں اس قسم کی مجالس کا معمول رہا ہے اور اہلِ ذوق ان مجلسوں میں عام مسلمانوں کو معنوی طور پر شریک کرنے کی غرض سے ان کو مرتب کرتے رہے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی ابتداء خود سید الانبیاء واکرم رسل پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہوئی ہے، حدیثیں جو اس وقت مرتب صورت میں موجود ہیں وہ زیادہ تر آپؐ کی مجالس ہی سے عبارت ہیں، خطبات تو چند ہی منقول ہیں، مکتوبات شاید ان سے بھی کم ہیں۔ احکام شریعت پر مرتب کرائے ہوئے رسائل (جو آپؐ نے بنفس نفیس املاء کرائے تھے) ایک آدھ ہی ہیں، اس کے علاوہ حضورؐ کے جو کچھ فرمودات ہیں۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی مبارک مجلسوں کے مبارک "ملفوظات" ہیں، یہ مجلسیں ہر صبح و شام آراستہ ہوتی تھیں، مسجد نبوی ان مجالس کا مرکز تھی، اگر کبھی بیماری کی وجہ سے مسجد تشریف نہ لا پاتے تو کسب فیض کے لئے جاں نثار خود درِ اقدس پر حاضر ہو جاتے، کسب معاش کے مسائل اگر ہر روز حاضری میں مانع ہوتے تو بعض صحابہ دوسرے کے ساتھ اپنی جوڑی بنا لیتے، ایک دن یہ صبح سے شب تک دربار نبوی میں حاضر رہتے، دوسرے دن وہ اور اپنے ساتھی کی کاروبار سے واپسی کے بعد دن بھر ان مجلسوں کا حال سنتے، سناتے، بعض ایسے عشاق تھے کہ شب و روز آپؐ کی چوکھٹ پر پڑے رہتے تھے اور آپؐ کی ایک ایک بات کی حفاظت کے لئے فاقہ مستیوں کی سنّت بھی ادا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

بعد کے ادوار میں بھی اس قسم کی مجالس کو مرتب کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ہندوستان جو صدیوں سے مشائخ و عارفین کا مرکز رہا ہے اور جہاں ایک زمانہ میں شہر شہر قریہ قریہ، خانقاہیں آباد رہا کی ہیں۔ اور مسلم سماج میں ان کو ایسی مقبولیت اور محبوبیت حاصل رہی ہے۔ گویا یہ مسلم سماج کے لئے ایک طرح کا مرکز ثقل تھا، جو عوام و خواص اور فقراء و سلاطین کی چشم عقیدت و احترام کا سرمہ تھیں، وہاں ایسی مجالس کا رواج بھی زیادہ تھا اور لوگوں کو اس سے دلچسپی بھی زیادہ تھی، اس سے بڑی اصلاح ہوتی تھی،

———— خاص طور پر "نہی عن المنکر" کا اس سے زیادہ کوئی مؤثر ذریعہ نہیں تھا،

ماضی قریب کے علماء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی مجالس کا خاص شہرہ تھا، ان مجلسوں نے کتنی ہی مٹی کو پارس اور پتھر کو موم بنایا ہے، کیا علماء اور کیا عوام، کیا امراء اور نوابان اور کیا رعایا کیا شعراء وسخن وراں اور کیا فقہاء ومفتیان؟ ہر طبقہ کے لوگ آپ کے اسیرانِ محبت میں تھے، ان بافیض مجلسوں کو مرتب کیا گیا اور آج وہ اہلِ دل اور اہلِ طلب کے لئے خضر طریق ہیں۔

اسی میکدۂ تھانوی کے بادہ خواروں میں حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ابرار الحق حقی دامت برکاتہم ہیں، اور ان دونوں بزرگوں کے فیض یافتگان میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ (کراچی، پاکستان) ہیں، جو تھانوی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، شعر وسخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں، خوب کہتے ہیں اور خوب انتخاب کرتے ہیں، اپنے سامعین ومستفیدین کو بادۂ محبت پلاتے ہیں اور مست مئے عشقِ حقیقی کرتے ہیں، مثنوی مولانا روم کے شارح خاص ہیں اور مثنوی کے اشعار کی ایک شرح بھی آپ کے قلم فیض رقم کا اثر ہے، پیر رومی نے کس کس کو مرید نہیں کیا؟ صاحبِ دل کو بھی، صاحبِ دماغ کو بھی، صوفی کو بھی فلسفی کو بھی بارگاہِ رومی کی ارادت بھی ایک تمغۂ امتیاز ہے، حکیم صاحب بھی اس بارگاہ کے عارفین بلکہ عاشقین میں ہیں۔

یہ انہیں کے ملفوظات بابرکات کا مجموعہ ہے، جو ورق ورق روشن ہے، جس میں قرآن ہے، حدیث ہے، فقہ ہے، تصوف ہے، سوز وگداز ہے۔ تربیت واصلاح ہے، تذکیر وموعظت ہے، علمی نکات ہیں، عارفانہ نکتے پنہاں ہیں۔ دل کو چھوتے ہوئے اشعار ہیں، اور دماغ پر نقش چھوڑ جانے والی باتیں ہیں۔ ملفوظات کی ترتیب بھی اس سلیقہ سے کی گئی ہے کہ ملفوظات کو موضوع وار الگ کردیا گیا ہے۔ ہر ملفوظ پر ذیلی عنوانات لگائے گئے ہیں۔ اور عنوان بھی دلچسپ ہے۔

بعض جگہ عنوان کے لئے ایسے مصرعہ کا انتخاب کیا گیا ہے کہ گویا شاعر نے اسی موقع خاص کے لئے اسکو کہا تھا۔ کتاب کا نام بھی اتنا حسین وخوبصورت ہے کہ خواہ مخواہ پڑھنے کو جی چاہے! کہیں کہیں مرتب نے اپنے مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ اور اس نے ملفوظات کی افادیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔

اس مجموعہ کے استناد وافادیت کیلئے یہی کافی ہے کہ صاحب ملفوظات حضرت مولانا حکیم اختر صاحب مدظلہ، جیسے علم ومعرفت کے اختر شناس ہیں اور مرتب حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب جیسے علم وادب کے غواص، مولانا قاسمی کو اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہت صلاحیت عطا فرمائی ہے، انتظام وانصرام، خطابت وقیادت، مگر آپ کا اصل میدان "علم اور قلم" ہے۔ متانت کے ساتھ تیکھاپن اور خوشگوار وخوش اطوار شوخی آپ کا خاص رنگ ہے، نہ ایسی شوخی کہ متانت ہاتھ سے جاتی رہے، نہ ایسی متانت کہ جس کی سرحدیں خشکی اور خشونت سے جاملیں، امید ہے کہ مولانا کا یہ رنگ اس مجموعہ میں بھی نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکے گا۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ امت پر ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے اور اس مجموعہ کے نفع کو عام وتام فرمائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

یکم رجب ۱۴۱۸ھ
۲ نومبر ۱۹۹۷ء

عرضِ مرتب

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ میکدۂ تھانوی کے قدح خواروں میں ہیں، ضلع پرتاب گڈھ یوپی آپ کا آبائی وطن ہے اور اب ایک عرصہ سے کراچی (پاکستان) میں مقیم ہیں۔ ابتداءً جماعت ہفتم تک عصری تعلیم حاصل کی، پھر والد صاحب کے اصرار پر طبیہ کالج الٰہ آباد سے فن طب کی تکمیل فرمائی، تاہم عصری تعلیم کا یہ راستہ آپ نے والد ماجد کے اصرار پر اختیار کیا، لیکن آپ کا اپنا طبعی رجحان شروع سے علوم اسلامی کی طرف تھا، چنانچہ اس تعلیم کے درمیان ہی فارسی زبان کی تعلیم بھی حاصل کرلی، علماء حق کے مواعظ میں شرکت کا اہتمام کرتے، طبیعت میں شروع سے جذب کا غلبہ تھا، دنیا اور خلائق سے بے رغبتی اور خلوت پسندی نیز خلوت میں رونا اور آہ وبکا کرنا بچپن ہی سے فطرت میں تھا۔

اسی دردِ دل نے مثنوی مولانا روم تک پہنچایا نابالغی ہی میں مثنوی کے اشعار سے ایک ذوق سا پیدا ہوگیا تھا، جو مسلسل ارتقاء پذیر رہا۔ اسی اضطراب وبے چینی کے درمیان حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا وعظ "راحت القلوب" ہاتھ آیا، اس نے اور دل سوختہ اور وارفتہ بنادیا، اِدھر طب کی تعلیم مکمل ہوئی اور اُدھر والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اِرادہ حضرت تھانوی سے بیعت کا تھا، اور اس بابت مراسلت بھی شروع کی، لیکن آپ کی وفات ہوگئی، اب حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ کی طرف رجوع کیا، اور پہلے خط

کے سرنامہ پر جو شعر لکھا، وہ یوں تھا: ؎

جان و دل اے شاہ قربانت کنم
دل ہدف را تیز مژگانت کنم

مولانا پھولپوری رحؒ نے درخواست بیعت قبول فرمائی اور بیعت سے مشرف کیا، پھر تو عشق وجذب نے ایسا بے چین کیا کہ عین بقرعید کے دن نماز عیدالاضحیٰ سے ایک گھنٹہ قبل مولانا پھولپوری رحؒ کی خدمت میں قدم بوس ہوئے، مولانا ہی کے مدرسہ "بیت العلم" میں عربی درسیات کی تعلیم حاصل کی۔ اور بخاری شریف کے چند پارے خود مولانا سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا، مولانا پھولپوری کے وصال کے بعد انہیں کے حسب ہدایت حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے رجوع ہوئے، اور ۱۳۸۷ھ میں خلافت واجازت سے سرفراز کئے گئے،

عشق ومحبت اور جذب وتڑپ مولانا کی فطرت اور طبیعت میں ہے، حکیم صاحب نے اس وقت کہ مونچھ کے سبزہ زار بھی نہیں آئے تھے یہ شعر کہا، اور یہ ان کی زندگی کا پہلا شعر ہے: ؎

درد فرقت سے میرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں ایک ماہی بے آب ہے

حکیم صاحب بچپن ہی میں مولانا روم کے ان اشعار کو بار بار اور درد سے پڑھا کرتے: ؎

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح از درد اشتیاق
ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص وعیب کلی پاک شد

حکیم صاحب کے مواعظ وملفوظات میں ہر جگہ عشق حقیقی اور محبت خداوندی کا یہ رنگ غالب ہے کہ سننے والا اور پڑھنے والا بھی اس کی حرارت محسوس کرتا ہے۔

حکیم صاحب کے اشعار میں بھی ایک خاص قسم کی اثر انگیزی پائی جاتی ہے اور درد و سوز چھلکتا ہے، چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرم غم ہے ۔۔۔ پھر اس کو اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے
ہزار خونِ تمنا ہزار ہا غم ہے ۔۔۔ دل تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

اک غمزدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے ۔۔۔ شب ہائے غم پہ سایۂ لطف سحر بھی ہے

وہ مرے لمحات جو گذرے خدا کی یاد میں ۔۔۔ بس وہی لمحات میری زیست کا حاصل رہے

مایوس نہ ہوں اہل زمیں اپنی خطا سے ۔۔۔ تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دُعا سے

میں نے پیا ہے چند دن اپنے جگر کا خون ۔۔۔ اپنے جگر میں ان کو بھی میں دیکھ رہا ہوں

نیم جاں عشق نے کیا لیکن ۔۔۔ ہاتھ میں قرب لازوال ہے آج

اپنی غفلت کی تلافی مجھ سے تو ممکن نہیں ۔۔۔ ہاں مگر تیری نگاہ لطف کو مشکل نہیں

کچھ تو جینے کا سہارا چاہیئے ۔۔۔ غم تمہارا دِل ہمارا چاہیئے
بحر الفت کا کنارا چاہیئے ۔۔۔ درِ تمہارا سر ہمارا چاہیئے

حکیم صاحب نے مولانا پھولپوری کی سولہ سالہ رفاقت میں جو علوم و معارف اور حاصل کئے، ان کو مختلف کتابوں کی صورت میں مرتب کیا۔ اور ان کو "معرفت الہیہ" معیت الہیہ، صراط مستقیم" اور "براھین قاطعہ" کے نام سے شائع فرمایا، اس کے علاوہ علم و معرفت اور تزکیہ و تصوف کے موضوع پر" محبت الہیہ، نوائے غیب، دستور تزکیۂ نفس"

اور "تکمیل الاجر بتحصیل الصبر" مرتب فرمائی، آپ کا سب سے بڑا کام بلکہ کارنامہ "مثنوی مولانا روم" کی تشریح ہے، جو آٹھ سو صفحات پر معارف مثنوی کے نام سے طبع ہو چکی ہے، اس کے علاوہ خود حکیم صاحب کی "مثنوی اختر" بھی اہلِ دل کے لئے ایک گنجینۂ معرفت کا درجہ رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوریؒ کے وصال کے بعد حضرت پھولپوریؒ کی زندگی میں تلقین اور ترغیب کے بموجب حضرت حکیم صاحب نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقّی دامت برکاتہم (خلیفہ و مجاز بیعت حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ) سے قائم فرمایا۔ بعد میں "دربار ابراری" سے حضرت حکیم صاحب کو بیعت و تلقین کی اجازت بھی دی گئی، اس طرح آپ حضرت شاہ صاحب کے خلیفہ اور مجاز بیعت بھی قرار پائے، حضرت حکیم صاحب کو حضرت شاہ صاحب سے والہانہ لگاؤ تعلق اور غیر معمولی انس و محبت ہے، جس کا اظہار آپ کے مواعظ ملفوظات کے مطالعہ سے ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحب سے تعلق خاطر ہی کی بات ہے کہ محترم حکیم صاحب نے "مجالس ابرار" کے نام سے ایک کتاب (۵۹۲ صفحات پر مشتمل مرتب فرمائی ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب کے مواعظ و ملفوظات کا عظیم اور قیمتی حصہ آگیا ہے۔

مولانا پھولپوریؒ اور مولانا ہردوئی (حضرت شاہ ابرار الحق صاحب) کی صحبتوں اور دیگر اکابر و اسلاف سے عقیدت و محبت کا اثر ہے کہ حضرت حکیم صاحب کی مجالس بڑی پرکیف اور معلومات افزا ہوتی ہیں، اور ملفوظات میں علم و موعظت اور عبرت و نصیحت کی ایسی روشنی ہوتی ہے کہ حکیم صاحب کے نام کی مناسبت سے بے تکلف زبان پر یہ مصرع آتا ہے: ؎

کچھ زمین پر بھی چاند تارے ہیں

ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ میں حکیم صاحب حیدر آباد دکن تشریف لائے اور پہلی دفعہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ "دید"

نے "شنید" سے بڑھ کر پایا۔ اس موقع سے حکیم صاحب کے مواعظ بھی ہوئے اور مجالس بھی ہوئیں۔ انہی مواعظ و مجالس کے افادات کو راقم الحروف قیدِ تحریر میں لایا، جسکا کچھ حصہ روزنامہ "نوید دکن" میں شائع ہوا، اور کتب خانہ مظہری کراچی (پاکستان) نے ان افادات کو "مذاکراتِ دکن" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی حضرت حکیم صاحب حیدر آباد تشریف لاتے رہے، اور مجھے ان کے مواعظ اور مجالس میں شرکت کی سعادت ملتی رہی مواعظ اور مجالس کے نوٹس بھی لیتا رہا، ایک توسط سے ہر دوئی کے مواعظ اور مجالس کے بعض حصے مجھے دستیاب ہوئے۔ اِن سب کو راقم الحروف نے ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل دے دی ہے۔ مضامین کی مناسبت سے راقم الحروف نے حضرت حکیم صاحب کی بعض مطبوعات سے بھی استفادہ کیا ہے، میرے لئے یہ بات اطمینان کی ہے کہ حضرت حکیم صاحب کی نظر سے پورا مسودہ گذر چکا ہے۔ مطالعہ کے بعد انہوں نے جہاں جہاں حذف و اضافہ اور ترمیم و اصلاح فرمائی تھی اس کے مطابق بحمد اللہ عمل کیا گیا

کتاب کے نام "باتیں ان کی یاد رہیں گی" کو بھی حضرت حکیم صاحب نے پسند کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ محترم حکیم صاحب کے ملفوظات کی برکت سے بعض باتیں جو مرتب کتاب کی ذہن میں آئیں انہیں کتاب میں "مرتب عرض کرتا ہے" کہ جملہ سے اضافہ کیا گیا ہے۔ اور جہاں یہ باتیں ختم ہو گئی ہیں وہاں "معروضات مرتب ختم" کا جملہ درج کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے ترتیب اور کتابت کے مرحلہ سے گزرے ہوئے ایک عرصہ ہوا مگر توفیق الٰہی سے اب طباعت کی باری آئی ہے۔ ان تمام مراحل میں جن رفقاء اور عزیزوں نے میرا تعاون کیا ہے، اور ہاتھ بٹایا ہے وہ سب شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مجھے امید ہے کہ یہ ملفوظات راہِ حق کے طلب گاروں کے لئے منزل کی نشاندہی کرنے والے اختر و انجم ثابت ہوں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تادیر "صاحبِ ملفوظات" کا سایہ امت پر قائم رکھے اور اس مجموعہ کو ان کے لئے بھی اور جامع و مرتب کے لئے بھی ذخیرۂ آخرت کرے،

وَاللّٰہُ المستعان

محمد رضوان القاسمی

(ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد)

۱۹ر رجب ۱۴۱۸ھ م ۲۰ر نومبر ۱۹۹۷ء روز جمعرات

آداب و اخلاق

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری
مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ
ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

(اکبر الٰہ آبادیؒ)

ادب ہی سے انسان انسان ہے

فرمایا: زندگی گزارنے کے کچھ آداب ہیں۔ ان آداب کی رعایت ہی ایک انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے: اگر یہ نہ ہو تو ظاہری ڈھانچے اور شکل وصورت کے سوا انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہ رہے۔ اس حقیقت کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے شعر تو سادہ ہے مگر وضاحت بڑی بلیغ ہے ؎

ادب ہی سے انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

انسانی زندگی کے جتنے شعبے ہیں، ہر شعبہ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلی طور پر آداب بیان کر دیئے ہیں۔ آپ ان آداب سے واقفیت حاصل کیجئے جبھی آپ انسان بنیں گے۔ آپ کے اندر انسانی صفات آئیں گی۔ اخلاق کی بلندی اور کردار کی پختگی پیدا ہوگی۔

اسلامی آداب کی رعایت سے زندگی، بندگی بنتی ہے

فرمایا: ادب کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس وسعت میں مکان کا ادب بھی ہے، کتاب کا ادب بھی ہے اور شخصیت کا ادب بھی۔ مکان کا ادب یہ کہ انسان جس جگہ ہو اس جگہ کے بارے میں اسلامی احکام کو پیش نظر رکھے۔ مثلاً مسجد میں ہو تو مسجد کے احکام کا استحضار رہے، وہاں دنیوی باتیں نہ ہوں۔ کتاب کا ادب یہ کہ اسے اپنا استاذ جانے اور ایک استاذ کی

جو توقیر و تعظیم ہوتی ہے اسے بجالائے۔ شخصیت کا ادب یہ ہے کہ اس سے رشتہ اور تعلق کی جو بھی نوعیت ہے اس کے پیش نظر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں معاملہ کرے۔ مثلاً باپ کو باپ کا مقام دے، اُستاذ اور پیر سے اس کے رتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سلوک کرے۔ بیٹا، بیوی، بھائی بہن، احباب، اعزہ، پڑوسی ہر ایک سے تعلق میں اس کی حیثیت کا خیال رکھے۔ عبادات، لین دین، رہن سہن اور کھانے پینے کے بھی کچھ اسلامی آداب ہیں۔ ان آداب کی رعایت ہی سے زندگی بندگی بنتی ہے وگرنہ یہ زندگی شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

بزرگوں کے پاس جانے کے آداب

فرمایا: بزرگوں، اللہ والوں اور ان کے غلاموں کے پاس جانے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ ان آداب کے پاس ولحاظ ہی سے وہاں جانا خاطر خواہ نفع کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بزرگوں کے پاس حاضری صدق دل کے ساتھ ہو، ان کے شایانِ شان احترام واکرام میں کسی کمی کو روا نہ رکھی جائے ان کے پاس آنے سے پہلے توبہ واستغفار کے ذریعہ قلب کو صاف کرلیا جائے۔ چونکہ ہدایت قلب کی نگاہ سے ملتی ہے اس لئے جب یہ نگاہ صاف ہوگی تو ہدایت تک پہنچ بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ ہوگی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جس کی آنکھوں پر عینک ہوتی ہے اور وہ اپنی کسی دلپسند یا عزیز ترین چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو کس طرح وہ دیکھنے سے پہلے اپنی عینک کو اُتار کر اس کے شیشے کو کسی صاف اور نرم کپڑے سے صاف کرلیتا ہے، پھر اسے دیکھتا ہے تاکہ وہ اس چیز کو پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ دیکھ سکے اور عینک کے شیشے پر چڑھے ہوئے گرد وغبار اس کے دیکھنے میں حارج اور مانع نہ ہوں۔ اسی طرح جب آپ کسی اللہ والے کی مجلس میں جاکر ان کو دیکھنا چاہتے ہیں اور ان کی باتوں سے اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو پہلے دل کی عینک کو توبہ واستغفار کے کپڑے سے صاف کرلیجئے۔ اس کے بعد جب آپ ان کو دیکھیں گے اور ان کی مجلس میں حاضری دیں گے تو آپ کے دل پر بغیر کسی رکاوٹ کے ہدایت کے انوار وبرکات کا نزول ہوگا اور آپ کی بیمار روح شفا پائے گی۔

دینی مجالس میں بیٹھنے اور سننے کے آداب

فرمایا: دینی مجالس میں بیٹھنے اور سننے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ آپ جب ان مجالس میں پہنچیں تو نہایت نشاط و انبساط کے ساتھ ہشاش بشاش دل میں کسی چیز کا تکدّر اور انقباض نہ ہو، ذہن میں کوئی گرانی اور بار نہ ہو۔ نیند اور اُونگھ کا غلبہ نہ ہو۔ ایسے ماحول میں اگر آپ دین کی باتیں سنیں گے تو وہ باتیں یاد رہیں گی۔ ذہن و دماغ پر ان کا اثر ہوگا۔

میں کہا کرتا ہوں کہ جو لوگ آنکھیں بند کر کے سنتے ہیں وہ میرے سامنے نہ بیٹھیں، جن پر نیند اور اونگھ کا غلبہ ہو وہ بھی سامنے نہ بیٹھیں۔ ایسے لوگوں کو دیکھ کر بیان کرنے والوں کے مضامین کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ خیالات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں بھی نہ کریں۔ اس سے بھی ذہن منتشر ہو جاتا ہے۔ مجمع میں بار بار اُٹھنے سے بھی ذہنی انتشار ہوتا ہے۔ وعظ اور دینی مذاکرہ کی مجلس کے قریب ٹیلیفون بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی گھنٹی سے بھی مجمع کی توجہ بٹتی ہے اور سلسلۂ بیان میں خلل پڑتا ہے۔ جس کسی پر نیند کا خمار اور غلبہ ہو اور وہ اس بارے میں مجبور ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ پیچھے بیٹھ جائے یا ایک گوشہ میں، تاکہ بیان کرنے والے کی نظر اس پر نہ پڑے اور مضامین کی آمد بند نہ ہو۔

حضرت جیلانیؒ کا ارشاد

مرتب عرض کرتا ہے: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ دینی مجالس اور بزرگوں کی خدمت میں جانے سے پہلے وہاں کے آداب معلوم کر لو۔ اس صورت میں تمہیں خاطر خواہ نفع ہوگا اور وہاں جا کر جو آداب معلوم ہوں ان پر سختی سے عمل پیرا رہو۔ اصلاحِ حال میں کافی مدد ملے گی۔

علم کی منزلیں

مرتب عرض کرتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے دینی اور علمی مجالس میں حاضر ہونے والوں کو پانچ نصیحتیں فرمائی ہیں۔ یہ نصیحتیں دراصل علم کی پانچ منزلیں ہیں۔ ان منزلوں سے گزر کر ہی

ایک انسان گوہرِ مقصود کو پاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

(۱) اَلسَّمْعُ :۔ پہلی چیز سننا ہے۔ یعنی دین کی باتوں کو سننے کے لئے موقع نکالنا اور اس کو اپنی ضرورت سمجھنا۔

(۲) ثُمَّ الْاِنْصَاتُ : دوسری چیز خاموش رہنا ہے یعنی جب سننے کا موقع نکل آئے اور کسی علمی یا دینی مجلس میں حاضری کی سعادت مل ہوئی ہو تو اس کو غنیمت سمجھ کر دینی اور علمی باتوں کو پوری توجہ اور گوشِ دل کے ساتھ سننا، خاموش رہنا، باتیں نہیں کرنا۔ حضرات صحابہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تو وہ ایسے ساکت وصامت رہتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں کہ ذرا سی حرکت سے وہ اڑ جائیں گے۔

(۳) ثُمَّ الْحِفْظُ : پھر تیسرے نمبر پر یاد رکھنا ہے۔ یعنی جو باتیں سنی جائیں تو وہ فوری طور پر فضا میں تحلیل نہ کردی جائیں، بلکہ یاد بھی رکھی جائیں۔

یاد رکھنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ ذہن و حافظہ میں محفوظ رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں حافظہ کو جتنا استعمال کیا جائے گا وہ اتنا ہی مضبوط اور قوی ہوگا۔ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کا بھی عجب حال ہے، انھیں کان پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں، آنکھ پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں۔ ہاتھ پر اعتماد ہے اور اسے استعمال کرتے ہیں۔ آخر انسان کے اندر حافظہ بھی تو ہے آخر اس پر کیوں نہیں اعتماد کرتے ہیں اور کیوں نہیں اسے استعمال کرتے ہیں، استعمال ہی سے تو کوئی چیز نکھرتی اور جلا پاتی ہے۔ عام طور پر لوگ حافظہ کا استعمال نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے کانوں میں پڑی ہوئی باتیں بہت جلد ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

حافظہ کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسے جس طرح کی باتوں کو یاد رکھنے کے لئے استعمال کیا جائے گا، اسی طرح کی باتیں یاد رہیں گی۔ مولانا تھانویؒ ایک آدمی کے نام کو بار بار پوچھتے تھے اور بھول جاتے تھے۔ ایک صاحب نے عرض کیا، حضرت! آپ کا حافظہ تو بہت قوی ہے، نہ جانے دین کی کتنی باتیں، کتنے فقہی مسائل، کتنے تفسیری نکات، کتنے

واقعات آپ کے حافظہ میں ہیں اور زبان وقلم جب بیان پر آتے ہیں تو حافظہ کی مدد سے دفتر کا دفتر لگا دیتے ہیں۔ پھر آپ لوگوں کا نام پوچھ کر اس قدر جلد کیوں بھول جاتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا "بھائی تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے چونکہ اپنا حافظہ دینی اور علمی باتوں کے یاد رکھنے میں استعمال کیا ہے اس لئے حافظہ کو اس طرح کی باتوں سے مناسبت ہوگئی ہے اور بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح کی باتوں کو وہ محفوظ رکھتا ہے اور نام کو یاد رکھنے سے حافظہ کو مناسبت نہیں اور اس کی میں نے کوشش نہیں کی ہے اس لئے لوگوں کے نام مجھے جلد یاد نہیں ہوتے۔"

تجربہ اور مشاہدہ اور بزرگوں کے ارشادات سے یہ بھی واضح ہے کہ جو لوگ گناہ اور معصیت سے بچتے ہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے کو اختیار کرتے ہیں ان لوگوں کی قوتِ حافظہ زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور جو لوگ بدکاریوں اور گناہوں میں زیادہ ملوث رہتے ہیں، ان کا حافظہ اتنا ہی زیادہ خراب ہوتا ہے اور اسی قدر وہ بھولتے ہیں۔

یاد رکھنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ سنی ہوئی باتیں ضبطِ تحریر میں لے آئی جائیں اور ان باتوں کو وقفہ وقفہ سے دیکھتے رہنا چاہئے تاکہ ذہن میں تازہ رہیں ــ آج کل ہم دنیا کی معمولی معمولی سی بات کے لئے رجسٹر اور نوٹ بک رکھتے ہیں لیکن مطالعہ میں آئی ہوئی یا تقریر اور وعظ میں سنی ہوئی باتوں کے نوٹ کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ دینی نوٹ بک بھی ضروری ہے تاکہ اس میں دین کی اہم اور ضروری باتیں نوٹ کرلی جائیں۔

کسی بات کو یاد رکھنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں اس کا اعادہ اور تکرار ہو۔ اور سب سے آسان اور سہل نسخہ یہ ہے کہ ایسی باتیں جو زندگی میں برتنے کی ہیں ان کے مطالعہ میں آنے یا سننے کے بعد اسی وقت سے ان پر عمل شروع کردیا جائے۔ اس سے بڑھ کر یاد رکھنے کا کوئی موثر طریقہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً سونے جاگنے، کھانے پینے، وضو کرنے اور قرآن پڑھنے وغیرہ کے بارے میں اسلامی آداب اور نبوی طریقے معلوم ہوں تو بلا تاخیر و توقف ان پر عمل شروع کردیا جائے۔ اس سے علم بھی تازہ رہتا ہے اور عمل میں بھی شادابی رہتی ہے۔

(۴) ثُمَّ العَمَلُ: چوتھی چیز عمل ہے یعنی دینی باتوں کو سننے کے بعد ان پر عمل ضروری ہے۔ حضرت امام رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ "تم علم کی چاشنی کو لے لو، اور عمل کی تلخی کو چھوڑ دو۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۸) ترجمہ: اللہ سے ڈرتے تو بس وہی بندے ہیں جو علم والے ہیں۔

(۲) جو عالم علم حاصل کر کے دوسروں کو نہ سکھائے، اس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرہ: ۱۵۹) ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت میں سے نازل کر چکے ہیں، بعد اس کے کہ ہم اسے لوگوں کے لئے کتاب (الٰہی) میں کھول چکے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

(۳) جو عالم علم حاصل کر کے دوسروں کو سکھاتا ہے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اِنْ ھُمْ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (الفرقان: ۴۴) (ترجمہ: یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

عِلْم اور ایمان کے بعد عمل اور راہِ عمل میں صبر و برداشت کی کس قدر اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ مفسّرِ قرآن مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی اس مختصر مگر نہایت جامع عبارت سے لگایا جا سکتا ہے، جسے انہوں نے "سورۃ العصر" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے،

اوّل خدا اور رسول پر ایمان لائے، اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے، دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب و دماغ تک محدود نہ رہے بلکہ جوارح میں ظاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی، اس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ ہو تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے، بلکہ قوم و ملّت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھے، جب دو مسلمان ملیں، ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچّے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں، چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت و وصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں، یا خلافِ طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستے پر ڈگمگانے نہ پائے، جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفحاتِ دہر پر زندۂ جاوید رہے گا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیاتِ صالحات ہمیشہ اُن کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔"

(۵) ثُمَّ النَّشْرُ : پھر پھیلانا ہے۔ یعنی مسلمانوں کا کام صرف "صلاح" نہیں ہے کہ اپنے کو سدھار لے، بلکہ اس کی ذمہ داری "اصلاح" کی بھی ہے۔ یعنی دوسروں کو سدھارنے کی فکر اور کوشش۔ دین کی جتنی باتیں معلوم ہیں ان کو پھیلانے اور نشر کرنے کی جہدِ مسلسل اور سعی پیہم۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی ان باتوں کا دینی و علمی مجالس میں استحضار رہے تو کافی نفع اور فائدہ ہوگا۔ (معروضاتِ مرتب ختم شد)

ادب کا غلبہ اور تعمیلِ حکم:

فرمایا: حضرت پھولپوری رحؒ نے قول مشائخ "الامر فوق الادب" پر کبھی غلبۂ حال کی وجہ سے بندہ عمل کرنے سے معذور ہو جاتا ہے اور اس کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے، چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَا ابابکر ما منعك ان تثبت اذا امرتك اے ابوبکر رضؓ تم کو کس چیز نے روک دیا عمل کرنے سے جب کہ میں نے نماز پڑھانے کے لئے تم کو حکم کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: مَا کان لابن ابی قحافۃ ان یّصلّی بَین یدی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علَیہِ وَسلّم یعنی ابو قحافہ کے بیٹے کے لائق یہ بات نہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے نماز پڑھائے، غلبۂ فنائیت اور عبدیت سے اپنا نام نہیں لیا، ابن ابی قحافہ سے تعبیر فرمایا، ابو قحافہ آپ کے والد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے اس قول پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ جس سے ثابت ہوا کہ اگر ادب کا حال غالب ہو جائے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر عظمت رسالت کے استحضار سے اس وقت ادب کا حال غالب ہو گیا تھا تو اس وقت بندہ تعمیلِ حکم سے معذور ہو جاتا ہے اور اسکی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفّار نے یہ شرط ٹھہرائی کہ ہم صلح نامہ پر دستخط اس شرط پر کریں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف نام ہو، نام کے ساتھ رسول نہ لکھا ہو کیوں کہ اگر ہم رسول ہی تصوّر کرلیں تو پھر یہ جنگ وغیرہ کیوں ہو، آپ نے حضرت علی رضؓ کو حکم فرمایا کہ امحہ، یعنی میرے نام سے لفظ رسول مٹادو تو حضرت علی رضؓ نے عرض کیا واللّٰہ لا امحوك خدا کی قسم میں آپ کو نہ مٹاؤں گا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں آپ کے نام کو نہ مٹاؤں گا، بلکہ یوں فرمایا کہ آپ کو نہ مٹاؤں گا۔ کس قدر ان حضرات میں ادب غالب تھا کہ اسم اور مسمّی میں فرق نہ کر سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی اس

قدر عظمت دل میں تھی جتنی کہ خود حضور کی ذاتِ پاک کی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے مٹایا اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ ان دونوں حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض وقت اور بعض موقع ایسا بھی ہوتا ہے "الامر فوق الادب" کے کلیہ پر وہاں عمل نہیں کیا جاتا اور اس وقت انسان پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔

کچھ مزید مجلسی آداب

فرمایا: دینی مجالس میں بیٹھنے کے یہ بھی آداب ہیں کہ مل جل کر بیٹھیں، درمیان میں خلا نہ رہے۔ آنحضرت صلعم کی مجلس میں حضرات صحابہؓ کے بیٹھنے کی یہ شان تھی کہ اگر ان کے اُوپر چادر ڈال دی جاتی تو درمیان میں کہیں سے جھول نہیں آتا، بعد میں آنے والوں کے لئے فراخدلی کے ساتھ بیٹھنے کی گنجائش پیدا کی جائے۔ کوئی شخص درمیان میں کسی ضرورت سے اُٹھا ہے تو اس جگہ پر بیٹھنے کا وہی شخص مستحق ہے۔ وعظ و تقریر جاری ہو تو بعد میں آنے والا اسلام نہ کرے بلکہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ وہ لوگ جو زیادہ فہیم و سلیم ہوں انھیں بیان کرنے والے کے قریب اور سامنے بیٹھنا چاہیے تاکہ وہ زیادہ استفادہ کریں اور بیان کرنے والے کو بھی شرح صدر ہو۔ سامعین کے اندر طلب اور توجہ ہو تو بیان کرنے والے پر مضامین کے دروازے کھلتے ہیں۔

عقائد وافکار

رضا گم اپنی کر اس کی رضا میں
نہ پڑ ہر گز خودی کی تو بلا میں
بس اب اللہ بس اللہ بس ہے
سوا حق کے جو ہے باقی ہوس ہے

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

اور اس کا دماغ روشن ہوگیا

فرمایا: ایک صاحب خدا کے قائل نہیں تھے۔ وہ کہا کرتے تھے، اس دنیا میں مقناطیسی نظام قائم ہے۔ اسی نظام نے دنیا کی ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر تھام رکھا ہے اور کارخانۂ عالم چل رہا ہے۔ جب انھوں نے اپنے اس نظریہ کا اظہار ایک بزرگ کے سامنے کیا، تو انھوں نے ایک لٹھ اُٹھا کر اس کے سر پر مارا۔ ملحد نے کہا۔ خدا اگر ہے تو اس کا ثبوت آپ کو دلائل سے دینا چاہیے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آپ مجھے مار بیٹھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

بزرگ نے فرمایا: "میں نے آپ کو کہاں مارا؟

ملحد نے کہا: آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ نے ہی مجھے مارا ہے۔

بزرگ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، میں نے نہیں مارا بلکہ یہ آپ کے دماغ کا مقناطیسی اثر ہے جس نے اس لاٹھی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چونکہ آپ کے دماغ میں مقناطیسی اثر کم ہے اس لئے لاٹھی ہلکے انداز سے کھینچی ہے، اس لئے آپ کو مار لگی، مگر ہلکی، ورنہ زیادہ ہونے کی صورت میں لاٹھی پوری قوت کے ساتھ کھینچتی اور آپ کو مار شدید پڑتی۔"

ملحد نے اپنی پہلی بات دہرائی، جس پر بزرگ نے فرمایا:

"جب ایک معمولی لاٹھی کسی کے اُٹھائے اور چلائے بغیر نہ اُٹھ سکتی ہے نہ کسی پر چل سکتی ہے، اور آپ کو یہاں کوئی مقناطیسی اثر نظر نہیں آرہا ہے تو یہ زمین و آسمان اور چاند ستارے، سورج کا اتنا بڑا اور ہمہ گیر نظام کسی کے چلائے بغیر کیونکر چل سکتا ہے؟ یہاں بھی تو کسی ذات کو

ماننا پڑے گا، جو عالم کے سارے نظام کو اپنے "قبضۂ قدرت" میں رکھ کر چلا رہی ہے۔ اور وہی خدا ہے۔"

بزرگ کی کہی ہوئی بات ملحد کے دل میں اُتر گئی۔ ایک لاٹھی نے اس کے دماغ کو روشن کر دیا اور تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع ہوا۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (مؤلف تعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ) خدا کے وجود پر اس واقعہ کو "دلیل لٹھ" فرمایا کرتے تھے اور میں اسے "لاٹھی دماغ روشن کرنے والی" کہا کرتا ہوں۔

آج مغربی نظامِ تعلیم اور عصری تہذیب و تمدن نے بہت سے نوجوانوں کو خدا سے دُور کر دیا ہے اور وہ تشکیک اور الحاد و دہریت کی وادیٔ نامراد میں سرگرداں ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس زبان و بیان میں انھیں سمجھا کر خدا سے قریب کیا جائے، جس زبان و بیان کو یہ سمجھنے کے عادی ہیں، ہر شخص کے مناسب حال گفتگو کرنا اور "علوم نبوت" سے اس کے دماغ کو روشن کر کے اسے "راہِ راست" پر لانے کی برموقع تدبیر اختیار کرنا ہی "حکمت" ہے اور یہ حکمت بزرگوں کی صحبت سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔

ایک لغو جملہ

فرمایا: جب کبھی کوئی پریشانی آئے، تکلیف آئے تو یہ نہ سمجھو کہ یہ اتفاق ہے بھائی! زمین اللہ کی ہے، آسمان اسی کا ہے، ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کے اختیار میں ہے یہاں ایک پتہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر نہیں ہلتا ہے تو پھر یہ تم نے "اتفاق" کا نام کہاں سے نکالا۔ یہ تو اتفاق سے ہو گیا، اتفاقاً ایسا ہو گیا، تو گویا یہاں زمین پر کسی کا راج ہی نہیں ہے ـــ اتفاقات سے کام ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اتفاق کے معنی کیا ہیں، جس میں کسی فاعل کا فعل شامل نہ ہو۔ یعنی ہم نے کچھ نہ کیا، اتفاق سے ایسا ہو گیا۔ اتفاق سے یہ پیالی گر گئی۔ "اتفاق سے" جو جملہ ہے یہ غیر اصولی جملہ ہے، اس کی طرف ہم لوگ دھیان نہیں دیتے ہیں، بالکل لغو جملہ ہے۔ یوں کہو کہ اللہ کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے ـــ کوئی اچھی چیز مل جاتی ہے تو لوگ یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ کی مہربانی سے

مل گئی، اس کی رحمت سے مل گئی۔ کہتے ہیں کہ صاحب "حسن اتفاق" سے ایسا ہوگیا سوئے اتفاق سے ایسا ہوگیا۔ یعنی بُرے اتفاق سے اس کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ سوچئے تو اس کا مطلب ہوا کہ خدا سے اس کا تعلق ہی ختم ہوگیا۔ حکومت دو چیزوں میں قائم ہوگئی :- حسن اتفاق اور سوئے اتفاق۔ اس طرح میرے بھائی شیطان ایسے لفظوں میں گھیر کر اللہ سے ہمیں دور کر دیتا ہے۔ حالانکہ ہمیں ہر چیز میں تصور کرنا چاہئے کہ جو بھی ہے سب اللہ کے حکم سے ہے۔

ترقی کا صحیح مفہوم

فرمایا: ترقی کی دو قسمیں ہیں : ظاہری ترقی اور حقیقی ترقی۔ اللہ سے غافل ہو کر جس ذریعہ اور جس طریقہ سے بھی ترقی کی جائے وہ ظاہری ترقی ہوگی، حقیقی اور اصلی ترقی وہ ہے جو اللہ سے تعلق قائم کرتے ہوئے کی جائے۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے :

ایک شخص مغزیات کا استعمال کرے، بادام اور میوے خوب کھائے۔ یقیناً اس سے اس کا جسم فربہ ہوگا اور صحت مند اور تندرست ہوگا۔ لیکن ایک شخص وہ ہے جس کا جسم مقویات کے استعمال سے نہیں بلکہ ضرب شدید یا کسی بیماری سے ورم کر جائے اب دیکھئے دونوں جگہ جسم کی ترقی ہے۔ مگر پہلی ترقی حقیقی ہے اور دوسری ترقی ہائے ہائے والی ہے۔

اسلام پہلی ترقی کی دعوت دیتا ہے جس میں اطمینان ہے، قرار ہے اور دلجمعی ہے۔ دوسری ترقی سے اس کا کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو ہمیشہ انسان کو مضطرب اور بے چین رکھتی ہے ننانوے کے پھیر سے اس کا قدم نکلتا نہیں اور سیر کبھی ہوتا نہیں۔ یہ ترقی انسان کو ہوا و ہوس اور حرص و لالچ کا غلام بنائے رکھتی ہے۔ قناعت اور صبر و سکون سے اس کا دامن خالی ہے

اس ترقی کے لئے یورپ اور امریکہ کی مثال آپ سامنے رکھ سکتے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ ترقی کے صحیح مفہوم سے واقف ہوں اور اسی ترقی کے دل و جان سے شیدا ہوں، اور ظاہری ترقی کی طمع میں نہ آئیں کہ یہ ترقی باعث پریشانی اور بے سکونی ہوتی ہے۔

ایک انگریز کا سوال اور مولانا عثمانیؒ کا جواب

فرمایا: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کسی انگریز نے کہا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تفکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ تو مولانا آپ لوگ کہاں اس پر عمل کرتے ہیں، اور کرتے بھی ہیں تو بس سرسری اور اجمالی طور پر۔ اور ہم لوگ رات دن تحقیقات میں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور چاند پر پہنچنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

مولانا نے جواب دیا کہ شاہی محل میں دو طرح کا داخلہ ہوتا ہے۔ ایک تو شاہی مہمان داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا مقصود شاہ کی ملاقات سمجھتا ہے اور شاہی محل کے نقش و نگار اور وہاں کے آرائش کے تمام متاعِ اسباب کو اجمالی اور سرسری نظر سے دیکھتا گزرتا شاہ تک پہنچ کر شاہ کا ہم نشین ہو کر شاہ سے مصافحہ اور ملاقات کا شرف اور اعزاز حاصل کرتا ہے۔ اور ایک داخلہ چور کا ہوتا ہے، تو چور جب داخل ہوتا ہے تو اس کا مقصد شاہ سے ملنا نہیں ہوتا بلکہ شاہ کے مال و متاع کو چرانا مقصود ہوتا ہے۔ اور اسی مقصد کے پیشِ نظر وہ شاہی محل کے ہر کمرہ میں گھستا ہے اور ہر چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

بھول بیٹھے اہلِ یورپ آسمانی باپ کو
اور سمجھے باپ اپنا برق کو اور بھاپ کو

پس مسلمان کا مقصد کائنات میں خالقِ کائنات کی رضا حاصل کرنا ہے۔ اس لئے وہ اجمالی نظر سے دیکھ کر عظمتِ الٰہیہ پر استدلال کرتا ہوا اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرتا ہے اور کفارِ یورپ کا دائرۂ فکر صرف مخلوقات تک ہے، خالقِ کائنات سے ان کا رشتہ کٹا ہوا ہے اور اللہ والے تمام کائنات سے صرفِ نظر کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہیں۔

اگر ہدایت مل جائے

فرمایا: حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک بار میں سہارنپور سے کانپور جانے کے لئے لکھنؤ جانے والی ریل پر سوار ہوا۔ اس ڈبے میں ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ بھی لکھنؤ جارہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا، میں تو میرٹھ جارہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ گاڑی تو میرٹھ جانے والی نہیں ہے آپ کو تو یہ لکھنؤ لے جائے گی۔ چونکہ ریل چل پڑی تھی اب وہ اتر بھی نہ سکتے تھے لیکن دوسرا اسٹیشن بھی قریب تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اتر کر ریل تبدیل کرسکتے تھے۔ مگر صحیح راہ پر نہ ہونے اور غلط راہ پر ہونے کے سبب انھیں اس قدر پریشانی تھی کہ میں نے ان سے کچھ گفتگو کرنی چاہی تو یہ کہہ کر انکار کردیا کہ تمہیں باتوں کی سوجھی ہے اور ہمارے دل کی پریشانی کا جو عالم ہے وہ ہم ہی جانتے ہیں۔

اس حکایت سے یہ بات نہایت واضح ہوجاتی ہے کہ ہدایت کی راہ پر لگ جانے ہی سے سکون شروع ہوجاتا ہے اور غلط راہ پر قدم پڑتے ہی بے اطمینانی اور پریشانی شروع ہوجاتی ہے۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کو ہم بالطف زندگی عطا کرتے ہیں اور جو ہماری یاد سے اعراض کرکے غفلت کی زندگی گزارتے ہیں ان کی زندگی کو ہم تلخ کردیتے ہیں۔

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

فرمایا: ایک بدوی سے کسی منکرِ خدا نے پوچھا کہ تو خدا کو بغیر دیکھے کس طرح پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ البعرۃ تدل علی البعیر اونٹ کی مینگنیاں گواہی دیتی ہیں کہ ابھی ادھر سے اُونٹ گیا ہے اور بغیر دیکھے اُونٹ پر یقین کرتے ہیں۔

فکیف ارض ذات فجاج و سماء ذات بروج لا تدل علی اللطیف الخبیر
پس زمین کشادہ راہوں والی اور آسمان برجوں والا اس لطیف و خبیر ذاتِ پاک پر کیونکر نہ گواہی دے گا ؎

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی
ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

میرا ایک شعر ہے ؎

ہر ایک ذرّہ میں اس کو ہی دیکھتا ہوں
دلیل صانع کی صنعت میں دیکھتا ہوں (اخترؔ)

محبت و اطاعت

ہمارا کام ان کی یاد اور ان کی اطاعت ہے
نہ بدنامی کا خطرہ اب نہ پروائے ملامت ہے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانہ پہ چھا گیا

فرمایا : قرآن مجید میں مومن کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ)	مومن اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں ۔

مومن کو ماں باپ سے بھی محبت ہوتی ہے، بیوی بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے، بھائی بہن سے بھی محبت ہوتی ہے ۔ اپنے کاروبار، اپنی دکان، اپنے مکان اور اپنی ہر چیز سے اسے محبت ہوتی ہے، مگر وہ ان تمام محبتوں پر اللہ کی محبت کو غالب رکھتا ہے اور جب اس کے دل پر خدا تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے تو وہ ہر جگہ غالب ہی رہتا ہے ۔ جگر مراد آبادی فرماتے ہیں ؎

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانہ پہ چھا گیا

جب بندۂ مومن اللہ سے عشق و محبت میں یہ مقام حاصل کر لیتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب اللہ کو رکھنے لگتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں اس شعر کی تعبیر و تفسیر ملتی ہے کہ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو ہم تیرا رنگِ محفل دیکھ لیتے ہیں

سیدنا عمرؓ کا ایک ارشاد

فرمایا: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "ماں باپ بیوی بچے، مال و دولت اور اپنی جان اور اپنی اس طرح کی دوسری چیزوں سے محبت "شدید" (سخت) ہو تو کوئی حرج نہیں البتہ اللہ کی محبت "اشد" (زیادہ سخت) ہونی چاہیے"۔

میرے بھائیو! کس سے محبت "شدید" ہے اور کس سے "اشد" اس کا اظہار مقابلہ کے وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف دل کی چاہت ہو، ماں باپ، بیوی بچے اور جان و مال کی محبت کا تقاضا ہو اور دوسری طرف اللہ کی محبت کا مطالبہ ہو، اس مقابلہ کے وقت جس جانب کو ترجیح دی جائے گی سمجھا جائے گا کہ اس سے محبت "اشد" ہے۔ لیکن اس مقابلہ یا امتحان میں آپ کی کامیابی اسی صورت میں ہے کہ آپ ہر حال میں خدائی احکام کو مقدم رکھیں

ایک شاعر کہتا ہے ؎

ان کی رضا کے سامنے اپنی خوشی کبھی نہ دیکھ
ثوابِ دائمی کما لذتِ عارضی نہ دیکھ

پیش کردہ: مرتب

حضورؐ کی دو دعائیں

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دراصل قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہیں۔ قرآن کی آیت وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ میں جو بات مقصود و مطلوب ہے اس کی وضاحت ان دو دعائیہ حدیثوں میں ملتی ہے۔ آپ کی ایک دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ۔	اے اللہ، آپ اپنی محبت اتنی دے دیں کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔

دوسری دعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ۔	اے اللہ، آپ اپنی محبت میرے دل میں تمام چیزوں کی محبت سے زیادہ ڈال دیجئے۔

ان دونوں دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن کے لئے دنیا کی کوئی محبوب و مرغوب چیز "حبیب" ہو تو اس کے مقابلہ میں اللہ اس کے لئے "احب" ہوں۔ اگر کوئی نازک اور اہم موقع آئے تو دنیا کا ہر تعلق توڑا جاسکتا ہے، کاٹا جاسکتا ہے مگر اس سے رشتۂ محبت کو کسی موقع پر اور کسی حال میں قطع نہیں کیا جاسکتا۔

ان دونوں دعاؤں کا ورد کثرت سے ہونا چاہیئے تاکہ اللہ کی محبت کی حقیقت ہم پر کھلے اور پھر یہ محبت ہم سے جن تقاضوں کی تکمیل کا مطالبہ کرتی ہو، اس میں ہم ذرہ برابر بھی غفلت، سستی اور مداہنت کو دخل نہ دیں اور محبت کی یہ گرمی ہمیں ہمیشہ خدا کی راہ میں سرگرم رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ نَسْئَلُکَ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمِنْ اَھْلِیْ وَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔	اے اللہ، میں آپ سے آپ کی محبت اپنی جان اپنے اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ مانگتا ہوں۔

میرے بھائی، دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دنیا اور دنیا کی چیزیں نہیں مانگی ہیں، بلکہ اپنی جان، اپنے اہل وعیال اور ٹھنڈا پانی (جو بہت اہم چیز ہوتی ہے) سے زیادہ "اللہ کی محبت" کی دعا مانگی ہے ـــــ ایک اور خاص بات اس دعا میں یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ کی محبت زیادہ مانگی گئی ہے۔ مگر اہل وعیال یا اپنی جان کی محبت کی نفی نہیں کی گئی ہے اسلام تجرد اور کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا ہے، بلکہ یہ بتاتا ہے کہ ہر چیز پر خدا کی محبت غالب رہے۔ بھائیو! یہی محبت روح کی غذا اور زندگی کا حاصل ہے۔ اسی کی طلب کیجئے، اسی کے لئے دعائیں مانگئے، روئیے، گڑگڑائیے ـــــ آہ! ہم سبھوں کو اللہ اپنی محبت سے نوازے ؎

دکھا جلوہ وہی غارتِ گرِ جانِ حزیں جلوہ
ترے جلووں کے آگے جان کو ہم کیا سمجھتے ہیں؟

اللہ اگر توفیق نہ دے

فرمایا: بھائیو! اصل چیز توفیق خداوندی ہی ہے۔ جب تک خدا کی توفیق شامل حال نہ ہو کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے خدا سے نیکی کے لئے توفیق کی دعا کرنی چاہئے:

(فرمایا) مولانا رومؒ نے ایک بڑا نصیحت آموز واقعہ لکھا ہے۔ آپ بھی سنئے:

ایک آقا اور غلام کا گزر مسجد کے پاس سے ہوا۔ نماز کا وقت ہوگیا، اذان دی جا چکی تھی غلام نے آقا سے کہا، تھوڑی دیر کے لئے اجازت دیں تو میں نماز ادا کرلوں۔ آقا جو دنیا کی دولت پاکر خدا کو فراموش کرچکا تھا بے رخی سے اجازت دے کر کہا، جاؤ جلدی سے نماز پڑھ کر آجاؤ، میں یہیں باہر انتظار کرتا ہوں۔ غلام، آقائے حقیقی کے دربار میں چلا گیا۔ نماز شروع کردی، نماز کی لذت سے وہ آشنا تھا۔ وہ اس لذت میں محو تھا ؎

ہر کہ دلبر دید کے ماند خموش
بلبل گل دید کے ماند خموش

لوگ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر چلے گئے۔ یہ غلام اور نمازیں پڑھتا رہا۔ جب کافی تاخیر ہوگئی تو آقا سے رہا نہ گیا۔ غصہ میں چلانے لگا۔ کم بخت سب نکل گئے، تم وہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا کسی نے پکڑ لیا ہے جو باہر نہیں آنے دے رہا ہے۔ کون ہے وہ جس نے پکڑ رکھا ہے؟ غلام نے اندر سے جواب دیا۔ جی ہاں آقا، ہم کو اسی نے پکڑ رکھا ہے اور باہر جانے نہیں دے رہا ہے جو آپ کو اندر آنے نہیں دے رہا ہے۔"

بھائیو، دیکھئے توفیق کی بات، اور خدا کی عنایت کا حال؛ ایک کو تو اپنی محبت کی وہ لذت دی کہ باہر نہیں آرہا ہے جیسے پکڑ لیا گیا ہو اور دوسرے کو توفیق نہیں دی کہ اندر جاکر نماز ادا کرے ـــ بھائیو، توفیق خداوندی کے لئے دعائیں کیا کرو ؎

اس کے الطاف تو عام ہیں سب پر شہیدی لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا۔

انھیں کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے

فرمایا: اللہ کی محبت کو حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے محبت کرنے والے ہیں اور اپنی اس محبت میں پختہ ہیں ان کی صحبت اور معیت اختیار کی جائے۔ مثل مشہور ہے کہ "خربوزہ سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے"۔ آپ اگر ایسے لوگوں کی صحبت میں رہیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ اللہ کی محبت کی گرمی سے گرم نہ ہو جائیں۔

ایسے اللہ والے اللہ تک پہنچنے اور اللہ کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنے کے لئے جو ہدایات دیں ان پر صدق دل کے ساتھ عمل کیجئے۔ فرض کیجئے انھوں نے اس سلسلہ میں آپ کو پانچ ہدایات دی ہوں اور آپ چار پر عمل کر رہے ہیں اور کسی وجہ سے ایک پر عمل نہ رہا ہو تو اپنے حالات کو ان سے نہ چھپائیے بلکہ اپنی اس کمزوری کا ان سے اظہار کیجئے تاکہ آپ کو وہ ایسی تدابیر بتائیں جن سے آپ کے لئے تمام ہدایات پر عمل کرنا اور خدا تک پہنچنا آسان ہو جائے ۔۔۔ مریض کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ اپنے معالج سے اپنی تمام کیفیات بیان کر دے تاکہ ٹھیک اور مکمل طریقہ پر اس کا علاج ہو سکے اور وہ جلد شفا پا سکے۔

اگر آپ کے اندر خدا طلبی کا مخلصانہ جذبہ ہے تو آپ کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ "اس زمین پر کسی اللہ کے عاشق کو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ ناکام ہوا ہو، اللہ ضرور ملتا ہے، صرف طلب صادق شرط ہے ۔۔۔ حضرتِ تھانویؒ کے خلیفہ عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ (پاکستان) کا یہ شعر اس موقع پر بڑا معنی خیز اور نظر افروز ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

انھیں کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے
وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ میرا محبت کرنا ایک طے شدہ امر ہے جو محض میری رضا و خوشنودی کی خاطر آپس میں میل محبت رکھتے ہیں محض میری رضا و خوشنودی کی خاطر اور میری حمد و ثنا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور محض میری رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنا مال خرچ کرتے ہیں یہ امام مالک کی روایت ہے۔

ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری عظمت و جلال کے سبب آپس میں محبت رکھتے ہیں ان کیلئے (آخرت میں) نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء (بھی) رشک کریں گے یعنی ان کے اجر و انعام پر خوشی و مسرت کا اظہار کریں گے یا یہ کہ اگر بفرض محال انبیاء و شہداء کو کسی رتبہ و مقام پر رشک کرنا ہوتا تو ان لوگوں کے رتبہ و مقام پر ہوتا) (مشکوٰۃ)

امرِ الٰہی کا احترام کرو

فرمایا: مسلمانو! امرِ الٰہی کا احترام کرو، خدا کے حکم کا لحاظ کرو۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں پر دینی معاملہ میں زیادہ مطالبہ ٹھیک نہیں، روک ٹوک کرنے سے نازک دل ٹوٹ جائے گا، نازک صورت ہے۔ اس پر احکام کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔ بیوی بچے نافرمانی کر رہے ہیں اور ہم آپ روکنے ٹوکنے سے ہچکچاتے ہیں کہ دل ٹوٹ جائے گا۔ انسان کا تو آپ خیال کرتے ہیں مگر حکمِ الٰہی کا خیال نہیں کرتے ہیں۔ امرِ الٰہی کیا ہے؟ اس کا احترام نہیں کرتے ہیں بلکہ عزیزوں، چاہنے والوں کے دل کا احترام و خیال ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امرِ الٰہی کا احترام ہو۔ اس کے امر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

ایک دفعہ سلطان محمود نے خزانہ کے سب سے بڑے اور قیمتی موتی کو طلب فرمایا، اور اہلِ دربار کو حکم دیا کہ اس موتی کو توڑ دو۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ توڑ دے۔ سوچتا ہے، نایاب اور بے مثال موتی ہے، اس کو بھلا کیسے توڑ دیا جائے۔ شاید بادشاہ اس طرح آزمانا

چاہتا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر اور طرح طرح کی خیالی تاویلیں کر کے رک جاتا ہے۔ آخر سلطان نے ایاز کو حکم دیا کہ تم توڑ دو۔ اس نے پتھر اٹھایا اور فوراً موتی کو توڑ دیا۔ لوگ گھبرا اٹھے کہ اب ایاز کی خیر نہیں ہے۔ اس نے زمانہ کا نایاب و نادر موتی توڑ دیا ہے۔ سلطان نے ایاز سے دریافت فرمایا "سب نے انکار کیا اور تم نے اس قیمتی موتی کو بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے کیوں توڑ دیا؟" ایاز نے جواب دیا "بادشاہ سلامت اس موتی سے زیادہ آپ کا حکم قیمتی ہے، آپ کے امر کے آگے اس موتی کی کیا حیثیت تھی؟ میں نے آپ کے امر کے احترام میں اس کو توڑ دیا ہے"۔ سلطان بہت خوش ہوا اور کہا "بے شک اصل چیز "امر" ہی ہے۔

خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے

فرمایا: جب ایک انسان پر نفس یا شیطان کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کبھی کسی نامحرم عورت کو دیکھنا چاہتا ہے، کبھی ناجائز اور باطل طریقہ پر مال کھانا چاہتا ہے، کبھی کسی کو فریب دیتا ہے، کسی کی غیبت کرتا ہے، کسی کا حق دبا لیتا ہے، کسی پر ظلم کرتا ہے۔ یہ سب، وہ اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے۔ مگر جب دل میں اللہ کی محبت "اشد" ہوتی ہے تو وہ نفس کی اس طرح کی ناجائز خوشیوں کے مقابلہ میں اللہ کی خوشی کو ترجیح دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ کی خوشی کے حصول میں وہ خوشی خوشی اپنی نفسانی خوشیوں کو آگ لگا دیتا ہے۔ اسی کو حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ؎

خوشی کو آگ لگادی خوشی خوشی ہم نے

پھول اور کانٹے

فرمایا: بھائیو، جس کی محبت ہوتی ہے اس سے وابستہ چیزوں سے بھی محبت ہونی چاہئے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ پھول کو حاصل کرنے کے لئے کانٹوں سے بھی الجھنا اور کبھی کبھی زخمی ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر بھینس کے دودھ سے محبت ہوتی ہے تو پیشاب اور گوبر کی زحمت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ ایک بھینس والے سے آپ پوچھیں کہ دودھ

حاصل کرنے کے لئے بھینس کی کتنی خدمت کرتا ہے، اس کی نجاستوں کو بھی کس طرح برداشت کرتا ہے، عاشق کی شان تو بس یہ ہے کہ ؎

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ملتی
اکیلے بیٹھے رہتے، یادان کی دلنشیں ہوتی

بھائیو! خدا سے محبت ہے تو اس کے محبوب سے محبت کرو، اس کی یاد میں لگے رہو گپ شپ اور دنیا داری میں وقت نہ گزارو۔

اور انھوں نے سلطنت چھوڑ دی

فرمایا: حضرت ابراہیم بن ادھم بلخیؒ کے دل میں جب خدا کی محبت سلگی تو انھوں نے ہر اس چیز سے کنارہ کر لیا جو خدا کی راہ میں آڑے آرہی تھی۔ بلخ کے بادشاہ تھے، سلطنت اور تخت و تاج چھوڑ کر خدا کی یاد میں لگ گئے۔ پھر کبھی دنیا کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

ایک شخص نے حضرت بلخیؒ سے اپنی پریشان حالی کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ حضرت خدا سے دُعا فرمائیے کہ وہ میرا فقر و فاقہ دُور کر دے اور عیش و خوشحالی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے جواب دیا، تم اُس سے دنیا کے لئے دعا کرانا چاہتے ہو جس نے فقیری کے لئے بلخ کی سلطنت چھوڑ دی؟

فرمایا: کسی کی بُرائی نہ کرو۔ جس طرح تم اپنی اولاد کی برائی برداشت نہیں کر سکتے ہو اسی طرح اللہ بھی اپنے بندوں کی بُرائی برداشت نہیں کرتا۔

جنّت کی دُعا کس لئے؟

فرمایا: ہر حال میں خدا سے دل لگائے رکھو اور اسی کو مقصود و مُدّعا بنائے رکھو۔ اس کی قربت چاہو۔ دوزخ سے اس لئے پناہ مانگو کہ وہاں اللہ سے جُدائی ہوگی۔ جنّت کی آسائش کے لئے جنّت کی لالچ نہ کرو، مقصود جنّت نہ ہو۔ جنّت کی دُعا اس لئے مانگو کہ وہاں خدا کا قرب ملے گا، وصالِ الٰہی سے نوازے جاؤ گے۔ تو بھائیو!

اصل چیز خدا طلبی ہے۔

جس نے کوئی جستجو کی اس نے مقصد پالیا

رمایا: یہ جسم وجاں، یہ سارا جہاں سب کچھ تو ان ہی کا ہے۔ اگر ہم جان تک قربان کردیں تو پھر بھی کچھ نہ کیا ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بھائیو! خدا کی محبت وچاہت ہی سب کچھ ہے۔ انسان اپنے لئے لذیذ سے لذیذ ترین چیز جس کو سمجھ سکتا ہے وہ بھی اس "محبت" کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے ؎

پیاسا چاہے جیسے آب سرد
تیری چاہ اس سے بھی بڑھ کر ہے مجھ کو

بھائیو! اس کی محبت کی کوشش کرو، محنت کرو، ذکر واشغال میں اپنے آپ کو استعمال کرو۔ اگر آپ کے اندر سچی تڑپ اور حقیقی طلب ہوگی اور اس کے لئے آپ روزانہ کوشش کریں گے تو ضرور ایک دن محبت کی منزل مل ہی جائے گی۔ شرط صرف محنت ومجاہدہ ہے۔ آپ کا ہمارا کام کوشش کرنا ہے، تلاش کرنا ہے، سرگرداں رہنا ہے۔ جب ہمارے اندر یہ تڑپ پائی جائے گی تو خدا خود اپنی محبت سے نوازیں گے ؎

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت بینی ازاں در ہم سرے (رومیؒ)

مولانا رومؒ نے اس شعر کے اندر کیسی حقیقت سمودی ہے کہ جب آپ کسی دروازہ کو بار بار کھٹکھٹائیں گے تو آخر کار کوئی نہ کوئی سر اس دروازہ سے ضرور باہر آئے گا۔ یہی حال خدا کی محبت کا ہے۔ آپ کی طرف سے بار بار دعاؤں کے ذریعہ دستک پڑے تو یقیناً ایک دن پُرسش ہوگی کہ کون ہے اور کیوں آواز دے رہا ہے — اس لئے آپ کوشش کرتے رہیے

شاعر کا شعر ہے :۔ گھر کے اندر بیٹھ کر اب تک کسی نے کیا لیا
جس نے کوئی جستجو کی اس نے مقصد پا لیا

خدا کو محبوب رکھنے والوں کی شان

فرمایا: بھائیو! خدا کی یاد میں مصروف رہو، اتنا یاد کرو کہ ان کے بغیر دل نہ لگے اللہ والے ہر وقت خدا کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو بھی دیکھتے ہیں۔ اس کی صورت میں منعم حقیقی کے احسانات وعنایات کو محسوس کرتے ہیں۔ اللہ ہی کی محبت میں اللہ کی دی ہوئی نعمت اور پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبت کرتے ہیں۔ خدا ہی نہیں بلکہ خدا کے بندوں سے بھی محبت کرو۔ یہی محبت کا دستور اور طریقہ بھی ہے کہ محبوب ہی نہیں بلکہ محبوب کے محبوب کو بھی چاہو، احترام کرو۔ مجنوں کو لیلیٰ سے محبت تھی تو اس نے لیلیٰ کی کتیا کو بھی گود میں اٹھا لیا تھا۔

فرمایا: جب تم خدا کی محبت میں دیوانہ وار مکہ جاؤ تو مکہ والوں کی برائی نہ کرو، وہ جیسے کچھ ہیں مگر خدا کے گھر کے پڑوسی تو ہیں۔ تم خدا کی محبت میں خدا کے لئے ان پر نکتہ چینی نہ کرو، اپنے پر نظر رکھو، اپنے ہی اندر برائیاں کچھ کم ہیں کہ دوسروں کے عیوب کی تلاش کریں۔ ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

نبیؐ سے نسبت کا تقاضہ

فرمایا: ایک شخص مدینہ طیبہ پہنچا، وہاں اس نے دہی خریدا مگر دہی کھٹا تھا۔ ناک بھوں چڑھایا اور کہنے لگا، میرے وطن کا دہی اچھا ہوتا ہے، مدینہ کا دہی تو بالکل کھٹا ہے۔ رات خواب میں حضورؐ کو اس نے دیکھا کہ آپ انتہائی برہمی کے ساتھ حکم دے رہے ہیں، کم بخت تم مدینہ سے نکل جاؤ۔ تم نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اس دہی کو مجھ سے نسبت تھی یعنی مدینہ کا

دہی ہے — بھائیو! غور سے سنو، دہی کو شہر سے اور شہر کو نبی سے نسبت تھی۔ اس نے دہی کی برائی بیان کر کے گویا حضورؐ کی برائی بیان کی تھی — اس لئے ضروری ہے کہ ہم محبوب کے ساتھ ان سے وابستہ لوگوں، چیزوں اور باتوں کو بھی چاہیں اور اس پر عمل کرنے کو سعادت سمجھیں۔

حضرت صدیقؓ کی تین پسندیدہ چیزیں

فرمایا: حضرت سیدنا صدیقؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں محبوب ہیں، ان سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی چیز نہیں ہے —:

(۱) اَلنَّظْرُ اِلَیْكَ — آپ کی طرف دیکھنا۔ بھائیو، غور کرو، عرض پرداز یارِ غار حضرت صدیقؓ ہیں، تنہائی کا موقعہ ہے، سامنے حضورؐ ہیں۔ اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو بیان کر رہے ہیں۔ کس ادب سے، اور جان نثاری کے ساتھ کہ آپ کی طرف دیکھنا مجھے پسند ہے، آپ کے مقابلہ میں دنیا کے سارے مناظر ہیچ ہیں۔

(۲) اَلْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْكَ۔ دوسری چیز جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے وہ ہے آپ کے سامنے بیٹھنا۔ سبحان اللہ، حضرت صدیقؓ کی اس محبت پر قربان ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ مرشد و رہبر کے سامنے بیٹھنا ہی پسند ہے۔

(۳) وَالْاِنْفَاقُ عَلَیْكَ۔ اور تیسری چیز جو مجھے پسند ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ پر خرچ کرنا۔

فرمایا: حضرت صدیقؓ کی درخواست اور اظہار محبت و جاں نثاری کا خلاصہ اور نچوڑ ہے — جب تک ایسی محبت نہ ہوگی صحیح طور پر مرشد سے فیض حاصل نہیں کر سکو گے۔

رسولؐ کا مقام

فرمایا: اللہ نے رسول کا مقام یہ فرمایا کہ:

مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۝	رسول تمہیں جو دین دے رہے ہیں انھیں مضبوطی سے پکڑ لو اور جن کاموں سے روکیں فوراً رک جاؤ۔

غور سے سُنئے۔ رسولؐ کا کیا مقام اور مرتبہ بتایا جا رہا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ بس حضورؐ بھیجے گئے ہیں برکت کے لئے اور درود شریف پڑھ کر بخشوانے کے لئے۔ اللہ نے اپنے نبی کا مقام بتایا کہ وہ جو دین دیں اس پر مضبوطی سے عمل کرو اور جس کام سے روکیں اس سے فوراً باز آجاؤ۔ اللہ نے رسولؐ کا یہ مقام و منصب بتایا ہے۔ اور آج ہمارے دلوں میں رسولؐ کا کیا مقام ہے۔ غور کر سکتے ہیں ۔۔۔ بخاری شریف میں اللہ کے رسول کی حدیث موجود ہے کہ تصویریں اپنے گھروں میں مت رکھو۔ مگر دیکھئے گھروں میں کیسی کیسی تصویریں لٹکتی ہیں۔ اخبار وغیرہ ہے اس میں تصویریں ہوں تو پڑھ کر لپیٹ کر رکھ دو۔ بلّی، کتّے، بچوں کے کھیلنے کے لئے اس قسم کی مختلف چیزیں ہیں آج کل مرغے بھی آگئے ہیں اس میں ایسی ایسی پلاسٹک فٹ ہے کہ دبائیے تو آواز بھی آتی ہے، کوئی منع کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ "بچے ہیں ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔" بچوں کے دل ٹوٹنے کا تو آپ کو اتنا خیال ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ٹوٹنے کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ فیصلہ کر لو اپنے ایمان کا۔

ہر مسلمان کے دل میں حضورؐ کی محبت غالب ہے

فرمایا: ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ "میرا ایمان خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اس لئے کہ میں اپنے دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ اپنے لڑکے کی محبت کو پاتا ہوں۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" اس لئے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میرا ایمان تو متاثر نہیں ہو گیا ہے۔"

حضرت تھانویؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ "یہ آپ کا وہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کی طرح آپ کے دل میں بھی حضورؐ کی محبت اولاد سے زیادہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہی لڑکا نعوذ باللہ حضورؐ کی شانِ مبارک میں گستاخی کر بیٹھے، خدانخواستہ برے الفاظ منہ سے نکال دے تو آپ آگ بگولہ ہو جائیں اور جی چاہے گا کہ تلوار اٹھا کر دو ٹکڑے کر دوں۔ دیکھئے جس لڑکے کی محبت کا دعویٰ ہے اور اس محبت کا خطرہ اتنا بڑھ گیا ہے،

کہ حضورؐ کی محبّت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ امتحان کے وقت کھل جائے گا

بھائیو! آپ نے سُنا کہ ہر دلِ مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت جاگزیں ہے۔ پس امتحان کے وقت اظہار ہوتا ہے۔ اس لے امتحان سے گھبرانا بھی نہیں چاہیئے۔

یہ ہے عشق کی کرامت

فرمایا: اگر عشق سچا ہو اور تڑپ صادق ہو تو منزل بھی مل جاتی ہے۔ محبت و تڑپ کی تپش بے کار نہیں جاتی ہے۔

حضرت سید احمد رفاعیؒ، حضورؐ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت تھی ان کے دل میں۔ دل مضطر لئے ہوئے ایک دفعہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ روضۂ نبوی کے پاس باادب حاضری دی اور عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ"۔ جواب آیا: "وعلیکم السلام یا ابنی"۔ پریشان و مضطر ہو کر پھر عرض کیا "یا حضورؐ میں دلِ بے قرار لے کر آج حاضر ہوا، مدتوں کی تمنا بر آئی ہے، صرف جواب سلام سے مجھے تسلی اور قرار نہیں آئے گا۔ مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے دستِ مبارک دراز فرمائیں تاکہ میں مصافحہ کرسکوں اور اپنے دل کو شاد کرسکوں۔ گویا اس شعر کا مکمل مصداق تھے ؎

سینے میں ہوں اک درد کا نشتر لئے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کئے ہوئے

علامہ جلال الدین سیوطیؒ جنھوں نے جلالین شریف لکھی ہے، جس کتاب کو پڑھے بغیر کوئی عالم نہیں ہوتا، ہر عالم اپنے مرتبہ درس میں اس کو پڑھتا ہے، ان کی روایت ہے کہ:

"اس بے قرارانہ درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک ظاہر ہوا۔ وہ ہاتھ کیا تھا، لگتا تھا، سورج زمین پر اُتر آیا ہے، اتنا روشن اور اتنا صاف و شفاف، سورج کی چمک ماند پڑ رہی تھی۔ علامہ رفاعیؒ نے مصافحہ کیا اور نو ہزار مسلمانوں نے دیکھا۔

مدینہ طیبہ میں اس وقت ایک اور بزرگ تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا، حضرت کیا آپ کو حضرت رفاعیؒ پر رشک نہیں آرہا ہے؟ بزرگ نے جواب دیا، ارے ظالمو، تم میرے

رشک کے متعلق پوچھتے ہو، اس کی قسمت پر ملائکہ حاملینِ عرشِ الٰہی رشک کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مصافحہ کرنے کی سعادت نصیب ہو، اس کی قسمت پر کس کو رشک نہیں آئے گا؟

عشق کی وادی یوں طے کی جاتی ہے

فرمایا: حضرت رفاعیؒ کے لئے یہ بہت بڑی سعادت اور اعزاز کی بات تھی مگر فوراً خیال آیا کہ کہیں نفس میں غرور نہ آجائے اور دیکھنے والوں کا احترام مغرور نہ کردے۔ بھائیو۔ اللہ والے اپنے نفس کا بھرپور اور بروقت جائزہ لیتے ہیں اور سختی سے سخت علاج کرتے ہیں ۔ حضرت رفاعیؒ نے فوراً اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا "شاید تو اپنے کو بہت بڑا سمجھنے لگا ہے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ تم مسجد کے دروازے پر لیٹ جاؤ اور لوگ تمہیں روندتے ہوئے گزر جائیں گے تاکہ تمہارے اندر جو بڑائی کا شائبہ بھی ہوسکتا ہے وہ لوگوں کے قدموں سے پامال ہوجائے۔ چنانچہ حضرت رفاعیؒ دروازے پر لیٹ گئے اور لوگوں سے فرمایا: "مجھے روندتے ہوئے گزرو۔ لوگ بھیڑ کی وجہ سے ان کا خیال کئے بغیر روندتے اور گزرتے رہے۔ مگر ایک بزرگ تھے، وہ بچ کر اور کتراکر نکل گئے۔ لوگوں نے پوچھا، آپ نے ایسا کیوں کیا، کترا کر کیوں نکلے؟ انھوں نے جواب دیا، میرے بھائی اگر میں ان کو روندتا تو خدا کے عذاب میں مبتلا ہوجاتا، میں ان کے مرتبہ سے واقف ہوں۔ انھوں نے تو صرف اپنے نفس کی اصلاح و علاج کے لئے اپنے کو گزرگاہ پر لٹا دیا ہے ورنہ ان کا مرتبہ تو بہت بلند ہے۔

بھائیو! دیکھئے، اللہ والے اپنے نفس پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں ذرا شائبہ بھی غلو کا ہوتا ہے وہیں گوشمالی کرتے ہیں اور فوراً پامال کر دیتے ہیں۔ اور یہی ان کی کامیابی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ وہ عشق و محبت کے راستے کو یوں طے کرتے ہیں۔ بقول جگر مرادآبادی ؎

یہ عشق نہیں ہے آساں بس اتنا سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

سُنّت پر استقامت، کرامت سے بڑھ کر ہے

فرمایا: آج کل لوگ بزرگ اُنہی کو سمجھتے ہیں جن سے کرامتوں کا ظہور ہو اور چونکا دینے والی بات ہو۔ اور جن سے ایسی کوئی بات صادر نہیں ہوتی ان کو دنیا دار سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بزرگ نہیں سمجھا جاتا ہے ــــ بھائیو! یہ بات اور سوچنے اور فیصلہ کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے بزرگی کا معیار سنّت نبوی کی پیروی ہے۔ جو سنت نبوی پر عمل پیرا ہے وہی بزرگ ہے اور اگر کوئی سنّت کو چھوڑ کر عجیب وغریب چیز کیوں نہ دکھا دے وہ بزرگ نہیں ہو سکتا ؎

گر ہوا پہ اُڑتا ہو وہ رات دن
ترک سنّت جو کرے شیطان گن

فرمایا: حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک مرید دُور سے آئے۔ مرید بغور جائزہ لیتا رہا اور توقع قائم کئے ہوئے تھا کہ کوئی کرامت ظاہر ہوگی۔ مگر کئی دنوں تک رہنے کے بعد بھی جب کسی کرامت کا ظہور نہیں ہوا تو مایوس ہو کر واپس جانے لگا ــــ حضرت جنید بغدادیؒ نے اس سے جانے کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں کسی کرامت کی اُمید پر آیا تھا مگر یہاں تو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ حضرت بغدادیؒ نے ان سے دریافت فرمایا، اچھا یہ بتاؤ اتنے عرصہ میں کوئی خلافِ سنّت اور خلافِ شریعت عمل کرتے ہوئے بھی تم نے دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا "نہیں"۔ آپ کا ہر عمل سنّت کے مطابق ہے ــــ پھر حضرت جنیدؒ نے فرمایا "اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ ــ" یعنی سنت پر استقامت اور پابندی یہ کرامت سے بڑھ کر ہے۔

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں

فرمایا: ایک شخص حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ حضرت کو بہت کچھ مال دے کر ایک سلسلہ میں لے اصولی کرالے۔ حضرت تھانویؒ اس کو بھانپ گئے۔ برجستہ اس کو ایسا جواب دیا کہ اس کے ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ حضرت نے فرمایا: "مجھے مت آزماؤ میں سلطان ابراہیم بن ادھمؒ کی اولاد ہوں جنھوں نے سلطنت چھوڑ دی اور

خدا کی محبت کے پھولوں میں تخت و تاج ان کے لئے کانٹے بن گئے ۔ کیا میں ایسے سلطان کی اولاد ہوتے ہوئے مال پر رال ٹپکا سکتا ہوں ۔ میرے نزدیک مال و دولت کی حقیقت مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ۔ تم نے مجھ سے ایسی توقع کیوں اور کس طرح باندھی، تمہیں شرم نہیں آئی۔"

یہ ہیں اللہ والے کہ مال و دولت اور عہدہ و منصب کے کسی دباؤ کو برداشت نہیں کیا اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا ۔ اور ہر حال میں وہی کیا جو اصول چاہتا تھا اور شریعت چاہتی تھی ۔۔۔ کسی حقیقت میں شاعر نے اپنے اس شعر میں کیسی حقیقت بیان کی ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکّل میں ہیں استغناء کی تلواریں

محبّت کے لئے معرفت ضروری ہے

فرمایا : فرض کیجئے، کسی کا باپ اس کے بچپن ہی میں باہر چلا گیا ہو، اب تیس سال بعد اس کو لوٹنے کی اطلاع ملی ہے ۔ دن تاریخ اور وقت مقرر ہے ۔ بیٹا، عرصۂ دراز کے بعد باپ کی آمد سے خوشی و مسرت سے سرشار ہے ۔ لیکن وہ اپنے باپ کو پہچانتا نہیں ۔ اسے خیال آتا ہے کہ ایسی صورت میں طیرانگاہ پر استقبال کے لئے جانے سے بھی کیا فائدہ ؟ دوسرے ہی لمحہ اس کے ذہن میں ایک بوڑھے اور کمزور آدمی کا نام آتا ہے جو اس کے باپ کا صورت آشنا ہے، بڑی منت و سماجت کے بعد طیران گاہ چلنے کے لئے اسے آمادہ کر لیتا ہے ۔ طیارہ آیا اور لوگ اُتر کر باہر آنے لگے ۔ بیٹا جس بوڑھے کو اپنے ہمراہ لایا تھا وہ ایک گوشہ میں بیٹھا ہے اتنے میں طیارہ سے اُتر کر ایک بوڑھا آدمی اس کے پاس آتا ہے جو اپنے باپ کو لینے آیا ہوا تھا ۔ بوڑھا مسافر اس سے خواہش کرتا ہے " میں نہایت کمزور ہوں، کئی روز کے سفر سے چکنا چور ہوں للہ آپ تھوڑی دیر کے لئے میرے اس سامان کو سنبھالئے اور کسی طرح ٹیکسی تک پہنچا دیجئے ۔

وہ آدمی اس پر جھنجھلاتا اور غصہ میں آتا ہے اور کہتا ہے میں خود اپنے والد محترم کو لینے کے لئے آیا ہوں ۔ ان کے ساتھ بھی سامان ہوگا ۔ جب نہایت تلخی و ترشروئی سے وہ اُسے

جواب دے رہا تھا، اتنے میں گوشہ میں بیٹھے ہوئے بوڑھے کی نظر اس مسافر پر پڑتی ہے اور وہ لڑکے سے کہتا ہے "یہی تو آپ کے والد ہیں"۔

اب ایک ہی لمحہ میں اس لڑکے کا انداز بدل جائے گا۔ تعارف ہو جانے کے بعد اسے اپنے تلخ جواب پر ندامت اور شرمندگی ہوگی اور لجاجت کے ساتھ کہے گا: "ابا جان، معاف کیجئے پہچانا نہیں، سامان کا اٹھانا تو کجا، آپ مجھ پر سوار ہو کر چلئے، میں آپ پر اپنی سو جان نثار کرتا ہوں"۔

غور کیجئے، جب تک "معرفت نہیں تھی" محبت نہیں تھی۔ جب معرفت ہو گئی تو محبت پیدا ہو گئی۔ اب اپنے محبوب پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہے۔ یہی حال اللہ کا ہے۔ جب تک اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوگی محبت پیدا نہ ہوگی اور جب تک محبت پیدا نہ ہوگی اس وقت تک اللہ کے لئے کسی کام کو کرنا اور نہ کرنا آسان نہ ہوگا۔ اور اللہ کی معرفت "اہلِ معرفت" کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے اور ان سے تعلق پیدا کرنے سے آئے گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (وہ بڑی رحمت والا، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو) یعنی رحمان کی عظمت کو ہر شخص کیا جانے اس کا علم تو با خبر لوگوں کو ہی ہے۔ ایسے ہی با خبر کے ذریعہ اس کی معرفت و محبت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر یہ راہ بڑی پُر پیچ، مشکل اور کٹھن ہے۔ ہر قدم پر بہکنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اس لئے کسی "با خبر" سے تعلق پیدا کرنا چاہئے تاکہ وہ بھی با خبر بنے ؎

ان سے ملنے کی ہے یہی اک راہ
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

تیرے محبوبؐ کی یا رب شباہت لے کے آیا ہوں

فرمایا: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز پڑھو جیسا کہ تم دیکھتے ہو مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے۔ اس فرمانِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کَمَا میں کاف لگا ہوا ہے یہ تعالیٰ کے واسطے

ہے۔ یعنی میری نماز جیسی نقل کرو ورنہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز کہاں ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی نقل کرنے والوں کو بھی محبوب رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو جادوگر آئے ہوئے تھے وہ وضع قطع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ لوگ ہمارے محبوب جیسی شکل اور وضع قطع بنائے ہوئے ہیں اور میں ان کو عذاب دوں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کو ایمان کی دولت سے نواز دیا ؎

تیرے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں

فرمایا: حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی درس بخاری شریف میں مصروف تھے۔ ایک مولوی صاحب نواب رامپور کے مقرّب تھے۔ وہ بھی مجلس میں حاضر تھے۔ درمیان میں عرض کرنے لگے کہ حضرت! نواب رامپور نے مجھ سے کہا ہے کہ شاہ صاحب کو میرے یہاں لاؤ میں ایک لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کروں گا۔

حضرت کی روح مبارک اس وقت حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے استحضار کے ساتھ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح سے پُرکیف تھی۔ بڑی مملکت کے سفیر کی بھی عظمت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکم الحاکمین کے سفیر و رسول ہیں اور سید الرسل ہیں۔ اللہ و رسول کی قدر ان کے عاشقین ہی جانتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کو جواب دیا کہ ارے لاکھ روپے پر ڈالو خاک اور میری بات کو غور سے سنو کہ میں اس وقت کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر مست ہوکر یہ شعر پڑھا ؎

جو دل پہ ہم اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

میرا ایک شعر اسی مضمون کا ہے ؎

دل کی گہرائی سے ان کا نام جب لیتا ہوں میں
چومتی ہے میرے قدموں کو بہارِ کائنات (اختر)

جب تک محبّت کا پٹرول نہ ہو

فرمایا: آج کتابوں اور کتب خانوں کی کمی نہیں ہے۔ جدھر دیکھو کتابیں اور کتب خانے موجود ہیں، معلومات بھی لوگوں کو بہت ہیں لیکن عمل کا اہتمام اور فکر نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اندر وہ طاقت نہیں ہے جس سے انسان میں عمل کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ موٹر کیسے چل سکتی ہے اگر اندر پٹرول نہ ہو۔ عمل کی گاڑی بھی اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک کہ اندر اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبّت کا پٹرول نہ ہو، اجرِ آخرت کا یقین نہ ہو۔ اگر اندر محبت ہو اور اجرِ آخرت کا یقین ہو تو ہر عمل آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا والوں کو دیکھو کہ ان کے لئے دولت کی اُمید میں مشکل سے مشکل کام کس طرح آسان ہو جاتا ہے اور ناممکن سے ناممکن عمل کیوں کر ممکن بن جاتا ہے۔ ایسے موقع پر تو سارے اعذار اور موانع ختم ہو جاتے ہیں اور جسم کے اندر قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

زبان کی حفاظت

تالیف
حضرت مولانا
عاشق الٰہی صاحب
بلند شہری

حسنِ اہتمام
حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خان
صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، لیکن جس طرح یہ ایک بے بہا نعمت ہے اسی طرح یہ ایک خطرناک اور نقصان دِہ آفت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ اوندھے منہ جہنم میں اسی زبان کے باعث ڈالے جائیں گے۔ اس لئے زبان کی حفاظت کے سلسلہ میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری کی ایک اہم اور پُرمغز کتاب "زبان کی حفاظت"، منظرِ عام پر آچکی ہے، جس کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ پہلی ہی فرصت میں اس کتاب کو حاصل کریں۔

حضرت مولانا شاہ محمد زکریا صاحب اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے احباب سے خصوصاً درخواست کرتا ہوں کہ اس رسالہ کو خود پڑھیں۔ گھروں اور مسجدوں میں اور مجلسوں میں سُنائیں"۔

کتاب بہت اہم ہے۔

زمزم بکڈپو دیوبند

صحابہؓ کی عظمت

محبت ہو خدا کی یا نبی کی
کوئی سیکھے صحابہ کے لہو سے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ)

۱۹۷۷ء میں بمبئی میں "آل انڈیا کانفرنس تحفظ ناموس صحابہؓ" منعقد ہوئی تھی۔ محترم حکیم صاحب حیدرآباد سے پاکستان واپس ہوتے ہوئے بمبئی کی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اور ایک اجلاس کی صدارت بھی فرمائی تھی۔ اس موقع پر حکیم صاحب مدظلہ نے جو مقالہ پیش فرمایا تھا اسے ہم ذیل میں اس لئے نقل کر رہے ہیں کہ حکیم صاحب نے حیدرآباد کے مذاکرات اور مواعظ میں "عظمتِ صحابہؓ" پر بھی اظہارِ خیال فرمایا تھا اور اس مقالہ میں تقریباً وہ تمام باتیں آگئی ہیں۔ (مرتب)

محترم حاضرین!

حضرات صحابہ کرامؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت و عظمت اور تحفظِ ناموس کے اس مبارک اجتماع میں آج احقر اپنی شرکت کو انتہائی سعادت سمجھتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی جن قربانیوں کی بدولت ہم تک ایمان اور اسلام پہنچا ہے قیامت تک اہلِ ایمان کا اسلام کے لئے ان کا شکریہ ادا کرنا اور ان کے ارفع درجات کے لئے دعاگو رہنا عین احسان شناسی اور عین سعادت ہوگی آپ حضرات کے سامنے قبل اس کے کہ میں عظمتِ صحابہؓ پر مشتمل اپنا مقالہ پیش کروں بطور نذرانہ عقیدت خدائے تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں اور دیوانوں کی شان میں تین اشعار پیش کرتا ہوں ؎

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے ‏ تا بمنزل صرف دیوانے گئے
مستند رستے وہی مانے گئے ‏ جن سے ہو کے تیرے دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے ‏ آہ نکلی اور پہچانے گئے

احقر کے مزید چند اشعار سماعت فرمائیے :

گرہ رازِ شریعت کھولتی ہے — زبانِ عشق جب کچھ بولتی ہے
خرد ہے محو حیرت اس زباں سے — بیاں کرتی ہے جو آہ و فغاں سے
لغت تعبیر کرتی ہے معانی — محبت دل کی کہتی ہے کہانی
کہاں پاؤ گے صغریٰ باز غہ میں — نہاں جو غم ہے دل کے حاشیہ میں

آہ سے راز چھپایا نہ گیا — منہ سے نکلی مرے مضطر ہو کر
چشمِ نم سے جو چھلک جاتے ہیں — ہیں فلک پر وہی اختر ہو کر

اب مقالہ پیش ہے :۔

سامعین کرام ! احقر کا یہ مقالہ بعنوان "عظمتِ صحابہؓ" تین عنوانات پر مشتمل ہے : (۱) عظمتِ صحابہؓ قرآن کریم کی روشنی میں ۔ (۲) عظمتِ صحابہؓ احادیث پاک کی روشنی میں ۔ (۳) عظمتِ صحابہؓ ائمہ کرام و مشائخ عظام کے ارشادات کی روشنی میں ۔

عظمتِ صحابہؓ قرآن کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: الصراط المستقیم ٥ صراط الذین انعمت علیھم ٥ صراطِ مستقیم کی تفسیر صراط القرآن یا صراط اللہ یا صراط الرسولؐ سے نہیں فرمائی ۔ اس لئے لوگ اس کی تعیین میں اختلاف کرتے ہیں لہذا حق تعالیٰ نے صراط مستقیم کی تفسیر صراط الذین انعمت علیھم سے فرمائی ۔ یعنی صراط مستقیم منعم علیہم کی جماعت کا راستہ ہے ۔ یہی جماعت صراط مستقیم کی تعیین کرے گی جس طرح کتاب اللہ کو بدوں سنتِ رسول اللہ سمجھنا محال ہے اسی طرح سنتِ رسول اللہ کو بدون واسطہ صحابہ کرامؓ سمجھنا محال ہے ۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۝ (نساء ۱۷).

يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ پر يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا عطف تفسیری ہے یعنی رسول اللہ کی سبیل کی تعیین صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اپنے قول و عمل سے کرے گی ان کے راستہ سے انحراف رسولؐ کے راستہ سے انحراف ہوگا اور موجب جہنم ہوگا۔

(۳) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ع ۱۲).

اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ فرما کر صحابہ کرامؓ کی اتباع کو واجب اور ان کے طریق کو لوگوں کے لئے حجت قرار دے دیا۔

حاضرین کرام! اسلام عہد رسالت میں ان ہی دیوانوں سے پھیلا جنھوں نے خدا و رسولؐ کے عشق میں اپنی جان مال عزت سب کچھ لٹا دیا اور سخت سے سخت آزمائش کے مقابلے میں آگے بڑھتے رہے ؎

منڈلائے ہوئے جب ہر جانب طوفاں ہی طوفاں ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اور دست و گریباں ہوتے ہیں

صحابہ کرامؓ کی شان اور ان کا شرف خود ان کے لفظ صحابی سے نمایاں ہے کہ انھوں نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جس ذات گرامی پر قرآن پاک نازل ہوا ان ہی کی زبانِ مبارک سے قرآن پاک سنا اور اسی ذاتِ گرامی کی فیضانِ صحبت سے صحابہ کرامؓ کے نفوس کو براہ راست تزکیہ کا شرف حاصل ہوا۔ جن کے معلم اور مربی اور مزکی براہ راست خود محمد رسول اللہ ہوں تو پھر ان کی بلندیٔ شانِ تربیت کا اثر شاگردوں پر کیا ہوگا۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

عظمتِ صحابہؓ احادیثِ نبوی کی روشنی میں

حضورؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کے قریب میری امت کے بہت فرقے ہو جائیں گے لیکن نجات پانے والا وہ فرقہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقہ پر ہوگا۔ مَا اَنَا عَلَيْهِ

وَاَصْحَابِیْ میں وَاَصْحَابِیْ کا اضافہ فرما کر حضورؐ نے اپنے راستہ کی وضاحت فرمادی۔ کہ میری سنت وہی ہوگی جس کی تعیین خلفائے راشدین کریں گے۔ حضورؐ فرماتے ہیں:

عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ اس حدیث میں سُنَّتِیْ کے بعد سنۃ الخلفاء فرما کر حضورؐ نے وضاحت فرمادی کہ میری سنت صرف وہ ہوگی جس کی تعیین خلفاء راشدین کریں گے ؎

مستند رستے وہی مانے گئے　　جن سے ہوکر تیرے دیوانے گئے

حضورؐ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے اصحابؓ کو برا کہے تو تم یہ کہو لعنت ہو تمہارے اس شر پر۔ (ترمذی شریف) ـــ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو برا کہنے والا مستحق لعنت ہوتا ہے۔ اور لعنت کے معنی عربی میں خدا کی رحمت سے دوری کے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں اے لوگو! میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ خبردار میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا جس نے میرے صحابہؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا اور جس نے ہمارے اصحابؓ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو وہ عنقریب عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا، مت برا کہو میرے اصحابؓ کو اگر تم لوگوں میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو ہمارے صحابہؓ میں سے کسی ایک کے نہ تو ایک مُد کے صدقہ کے برابر پہنچ سکتا ہے اور نہ نصف مُد کو۔ علامہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ مُد برابر ہے ایک سیر کے اور سَبّ کا مفہوم عام ہے لعن طعن، اور ہر برائی پر۔

عظمتِ صحابہ کرامؓ ـــ ائمہ عظام و مشائخ عظام کے اقوالِ عالیہ کی روشنی میں

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند
(مولانا رومی)

ترجمہ :- جب حق تعالیٰ کسی کی پردہ دری کرنا چاہتے ہیں تو رسوائی سے قبل اس کے اندر پاک اور مقبول بندوں پر اعتراض کا میلان پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں ؎

اک صحابی سے بھی ہے گر سوئے ظن — ہے وہ بے شک لائقِ گردن زدن

اب اس وقت آپ کے سامنے جو اقوالِ اکابر پیش کئے جا رہے ہیں وہ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب مقام صحابہؓ سے اقتباس ہیں۔ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ نے امام مالکؒ کا قول اپنے مکتوبات میں نقل فرمایا ہے کہ

"جو شخص صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو بھی خواہ وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ ہوں یا حضرت معاویہؓ ہوں برا کہے تو اگر کفر و فحش کا الزام لگائے تو اس کو قتل کیا جائے اور اس کے علاوہ اگر گالیوں میں سے کوئی گالی دے تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

امام احمد بن حنبلؒ کا قول :

امام احمد بن حنبلؒ ارشاد فرماتے ہیں :

"جو شخص کسی صحابیؓ پر عیب یا نقص کا الزام لگائے تو اس پر شرعی سزا واجب ہے۔"

اور امام صاحبؒ ایسے شخص کے اسلام کو مشکوک سمجھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ :

"ایسے شخص کو دینِ اسلام پر تم ایک تہمت سمجھو۔"

● امام مسلمؒ کے استاد ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں کہ :

"تم کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص زندیق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حق ہے اور رسولؐ حق ہے اور جو کچھ رسول اللہ لائے ہیں وہ حق ہے اور ہم تک یہ سب حضرات صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطے سے پہنچا۔ پس جس نے صحابہ کرامؓ کو مجروح کیا اور عیب دار قرار دیا بے شک وہ شخص کتاب و سنّت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ پس اس نالائق کو زندیق اور گمراہ قرار دینا زیادہ احق اور اقوم ہے۔"

علامہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: صحابہ کرامؓ کی شان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔

علامہ موصوف اپنی کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" میں فرماتے ہیں کہ:

"رضائے الٰہی اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے۔ اسی سے اپنی رضا کا اعلان فرمائیں گے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ آخری عمر تک موجباتِ رضا کو پورا کرے گا اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے پھر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوتا۔ پس حضرات صحابہؓ سے قلب و زبان کو صاف رکھنا واجب ہے۔"

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص کسی صحابیؓ کو بُرا کہتا ہے وہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی گرفت میں آجاتا ہے لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ (تا کہ کفار کو غیظ و غضب میں مبتلا کر دے۔ پس صحابیؓ سے غیظ و غضب کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔"

اور پھر امام مالکؒ نے پورا رکوع سورہ محمد سے وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ تک تلاوت کیا۔

علامہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر ابن کثیر میں فرماتے ہیں کہ:۔

"ہلاکت ہو اس شخص کو جو حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں کسی ایک کے ساتھ بغض رکھے یا ان کو بُرا کہے ایسے لوگوں کا کس طرح قرآن پر ایمان ہے کہ یہ لوگ ایسے محترم حضرات کو بُرا کہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی

ہو چکا اور قرآن میں اس رضا کا اعلان فرما چکا : رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ۔"

احقر کا شعر ہے ؎

خدا راضی ہوا جن سے کلام اللہ میں اخبر
ان ہی سے بعض ناداں بے سبب ناراض رہتے ہیں

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :

" وَالذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین آمنوا .... الخ

ان آیاتِ قرآنیہ کے پیشِ نظر جملہ حضرات صحابہ کرامؓ کے لئے استغفار کرنا سب مسلمانوں کے لئے حکمِ الٰہی ہے اور ان سے کینہ نہ پیدا ہونے کی دعا کا حکم صاف یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے آنے والے فتنوں کا علاج اپنے بندوں کو ۱۴ سو سال پہلے بتا دیا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان آیات کے پیشِ نظر اس شخص کا اسلام میں کوئی مقام نہیں جو صحابہ کرامؓ سے محبت نہ رکھے یا ان کے لئے دُعا نہ کرے اور ان سے کینہ پیدا ہونے سے پناہ نہ مانگتا رہے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ ایسا لٹریچر جو صحابہ کرامؓ سے بدگمانی پیدا کرتا ہو اس قابل ہے کہ اس کو جلا دیا جائے۔

حضرت علامہ حافظ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ :

" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کسی کو اپنے ہاتھ سے کوڑے نہیں مارے سوائے اس مجرم کے جس نے حضرت معاویہؓ کی کچھ بُرائی کی تھی۔ اس نالائق کو خود اپنے ہاتھ سے کوڑے مارے ۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :

" صحابہ کرامؓ کا ذکر ہمیشہ خیر ہی سے کرنا چاہیے ۔"

شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ :

" حضرت معاویہؓ کو بُرا کہنے والا شیعہ ہے ۔"

حضرت عمر فاروق اعظمؓ کو خبر دی گئی کہ فلاں شخص مقداد ابن اسودؓ کو بُرا کہتا ہے تو آپ نے غیظ و غضب کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ :

مجھے چھوڑ دو کہ میں اس نالائق کی زبان کاٹوں گا تاکہ آئندہ وہ نالائق کسی صحابی کو بُرا کہنے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔"

حضرت علامہ ابن عبدالبرؒ کا قول ہے کہ :

" حضرات صحابہ کرام سے بڑھ کر اور کون سا دل ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور محبت کے لئے چن لیا ہو"

اب ان قرآنی دلائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اور واضح احکام اور ارشادات کے باوجود اور اُمت کے اکابر ائمہ دین کی ہدایات کے باوجود، کسی کا دل یا زبان یا اس کا قلم حضرات صحابہ کرامؓ پر جرأت اختیار کرتا ہے تو ہم اس کی ہدایت کے لئے سوائے دعا کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گالیوں کا جواب ہمیشہ دعاؤں سے دیا ہے۔ ایک بزرگ مولانا محمد احمد صاحب الہ آبادی جو حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے سلسلہ کی نہایت محترم ہستی ہیں فرماتے ہیں ؎

تجھ کو جی بھر کے ستالیں شوق سے　　　میں نہ کھولوں گا خلافِ حق زباں

ابھی ابھی ایک قطعہ حضرات صحابہ کرامؓ کی شان میں اسی اسٹیج پر موزوں ہوا جس کو پڑھ کر یہ مقالہ ختم کرتا ہوں ؎

خدا خود جن کو دے اپنی رضامندی کا پروانہ
گھڑا کرتے ہیں کچھ ناداں انھیں پر اپنا افسانہ
خُدا کی رائے سے بھی منحرف تو ہے معاذ اللہ
میں کہہ دوں کیوں نہ اے ظالم خدا سے تجھ کو بیگانہ

عبادت و ریاضت

نماز پڑھنا، قیام کرنا، رکوع کرنا، سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کے، گاہ جھک کر زمیں پہ ماتھا لگا لگا کر
اگر ہوں اعمال اپنے اچھے بری نہیں تب یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے نکال لیں گے بچا بچا کر

(علامہ انور شاہ کشمیری)

روزی ۔ ملازمت اور نماز

فرمایا: ایک صاحب سے کہا گیا کہ بھائی نماز پڑھو ۔ تو وہ کہنے لگے بھائی عبادت تو ٹھیک ہے مگر روزی کمانا تو فرض ہے ۔ اس نے روزی کو سب سے بڑا فرض قرار دیا ۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال روزی کمانا فرض تو ہے مگر ہماری عبادت کے بعد اس کا نمبر ہے ۔ حضورؐ کا تو فیصلہ یہ ہے اور آج یہ ہے کہ اگر مل مالک کہہ دے کہ بھائی ظہر کی نماز نہ پڑھنا، ڈیوٹی میں ہیں آپ، تنخواہ مجھ سے لیتے ہیں، اللہ میاں تو تنخواہ نہیں دیتے، پڑھنا ہے تو گھر میں پڑھیے گا عصر کے وقت جب چھٹی ہو جائے گی اس وقت ڈیوٹی پر ہیں آپ ۔ ورنہ یہ کیسے ہوگا کہ تنخواہ آپ مجھ سے لیں اور کام اللہ میاں کا کریں ۔ شرعاً یہ کیسے جائز ہوگا ؟

تو اس کا جواب یہ دینا چاہئے کہ تمہاری ایسی نوکری نہیں چاہیئے، جہاں مجھے نماز کا بھی ٹائم نہ ملے ۔ پہلے اللہ کا حق ہے پھر تمہارا حق ہے ۔ جو شخص ایسی شرط لگائے نماز نہ پڑھنے کی اس کے ایمان کا میں کیا فیصلہ کروں ۔ مگر ایسے شخص کے پاس ایک مسلمان کی ملازمت بھی جائز نہیں ہے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ چار سنت اور فرض پڑھ لو بس نفلیں اور تلاوت نہ کرو کہ آپ تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور ایک ایک گھنٹہ لگا دیں ۔ فرض و سنت مؤکدہ پڑھ لیں اور بس ۔ مگر جب سہولت اور فرصت ہو تو نوافل وغیرہ کا بھی اہتمام کریں ۔

جماعت کو چھوڑنے والا حضورؐ کی نگاہ میں

فرمایا: میرے بھائی جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اس سے رُک جاؤ اور جس کام کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔ حضورؐ نے جماعت سے نماز پڑھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے ایک دفعہ آپ نے فرمایا جو لوگ جماعت سے نماز نہیں پڑھتے میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں"۔ بتائیے رحمۃ للعالمین کا کام آگ لگانا ہے۔ معلوم ہوا کہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ترکِ جماعت بہت بڑا جرم ہے۔ ہاں کبھی کبھار اگر غلطی سے جماعت چھوٹ گئی تو خدا سے معافی مانگ لیجئے۔ اگر کبھی آپکے محلہ کی مسجد میں جماعت ہو جائے اور آپ کو نہ ملے تو گھر جا کر اپنی بیوی سے کہئے، وضو کر کے نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ان کو پیچھے کھڑا کیجئے آزو بازو نہیں ورنہ نماز ہی نہیں ہوگی۔ یہ نہ سوچئے کہ وہ تو میری بیوی ہے چاہے اکیلے ہی کیوں نہ ہوں ــــ اس طرح نماز اور جماعت کی پابندی کیجئے۔

کم و کیف کا فرق

فرمایا: بھائیو! کسی کو بہت زیادہ عبادت کرتے دیکھ کر اور کسی کی کم عبادت دیکھ کر کوئی فیصلہ نہ کرو، یقیناً کمیت میں وزن ہے مگر کیفیت میں جب اضافہ ہو جائے، اسی کا وزن بڑھ جاتا ہے ــــ جب کوئی چلتی ریل کو دیکھ کر ٹھہرے ہوئے ہوائی جہاز کے بارے میں کہے کہ یہ تو رُکا ہے، یہ کیا اور کب منزل پر پہنچے گا؟ ایسا نہیں ہے۔ ریل چلتی بھی رہے اور جہاز رُکا بھی رہے، مگر جیسے ہی جہاز پرواز کرے گا آناً فاناً کہاں سے کہاں پہنچ جائے گا ابھی یہاں ہے، ابھی جدہ میں ہے، ریل وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی ہے۔

خوش حال کون ہے؟

فرمایا: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خوش حال وہ ہے جس کے پاس عالی شان بلڈنگ ہو، کار ہو، گھر میں آرائش و زیبائش کی حسین سے حسین تر اور نازک سے نازک تراشیاء موجود ہوں

لیکن بھائیو! سچ پوچھو تو یہ مادی چیزیں اور ان کی کثرت اور فراوانی میں خوشحالی کا راز پوشیدہ نہیں ہے۔ خوش حال تو اصل میں وہ ہے جس کے اعمال اچھے ہوں، خواہ وہ جھونپڑی میں رہتا ہو، روکھی پھیکی کھاتا ہو، پھٹے پرانے پہنتا ہو۔ معلوم ہوا کہ خوشحالی کا معیار "مال" نہیں "اعمال" ہے۔ جس کے اعمال جتنے اچھے ہوں اتنا ہی وہ خوش حال ہے جتنے برے ہوں اتنا ہی وہ مفلوک الحال ہے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ "جو شخص اللہ کی رضا کے سائے میں جی رہا ہے وہ بادشاہوں سے افضل ہے اور اس کی یہ گھڑیاں نہایت مبارک و مسعود ہیں اور جو شخص گناہ میں اور خدا کے قہر و غضب میں جی رہا ہے وہ نہایت مفلوک الحال اور پریشان ہے اور اس کے یہ اوقات حد درجہ منحوس ہیں۔"

تری رحمت کا ہے سب کو سہارا

فرمایا: بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے دو سو سال تک عبادت کی۔ ایک مرتبہ ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ کس چیز سے بخشے جاؤ گے، اپنی عبادت سے یا اللہ کی رحمت سے؟ اس نے کہا عبادت سے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو فرشتے اسے دوزخ کے قریب سے لے جا رہے تھے، اسے دوزخ کی آگ کی لپیٹ سے سخت پیاس لگی، ایک پیالہ پانی طلب کیا۔ فرشتے نے کہا، جانتے ہو یہاں ایک پیالہ پانی کی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں معلوم۔ فرشتے نے کہا دو سو سال کی عبادت۔ وہ آدمی گھبرایا، اور فکر لاحق ہوئی کہ جب دو سو سال کی عبادت صرف ایک پیالہ پانی کی خریدی ہی میں ختم ہو جائے گی تو جنت میں جانے کے لئے میرے پاس کیا باقی رہے گا؟ وہ شخص اضطراب اور تشویش کے اسی عالم میں تھا کہ فرشتے نے کہا "تم نے تو کہا تھا کہ میری مغفرت دو سو سالہ عبادت کی وجہ سے ہوگی۔ اب بتاؤ کیا حال ہوگا جبکہ تم نے دنیا میں کتنے پیالے پانی پئے بلکہ تالاب اپنے پیٹ میں انڈیل لیا، اس کے علاوہ اللہ کی بے شمار نعمتوں سے تم نے استفادہ کیا۔ اگر اپنی عبادت سے اللہ کی جنت یا مغفرت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو

بتاؤ تمہاری یہ دوسو سالہ عبادت کافی ہوگی۔ ہرگز نہیں؟ — فرشتے کی اس تنبیہ سے اسے توجہ ہوگئی اور اسے یقین آگیا کہ بے شک کوئی شخص اپنی عبادت سے بخشا نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت ہی مغفرت کا پروانہ دے سکتی ہے۔ اور یہی رحمت سب سے بڑا سہارا ہے اور میری بخشش بھی اللہ کی رحمت ہی سے ہو سکتی ہے۔

میرے بھائیو! آپ ضرور عبادت کریں اور اوراد و وظائف کا اہتمام کریں مگر یہ چیزیں آپ کے اندر غرۃ پیدا نہ کریں بلکہ ڈرتے رہیں، متواضع بنیں اور ہمیشہ اللہ کی رحمت کے طلب گار بنیں اور اپنے اندر وہ استحقاق پیدا کریں جس سے اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ کے الطاف تو سب پر عام ہیں مگر اس کے لئے اپنے اندر بھی کچھ قابلیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر ؎

اس کے الطاف تو عام ہیں سب پر شہیدیؔ لیکن
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

بادشاہی میں فقیری

فرمایا: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین داری، صرف علماء کے لئے ہے، دنیا داروں کے لئے نہیں ہے۔ درانحالیکہ بات ایسی نہیں ہے۔ دین پر عمل کرنا جیسے ایک عالم کے لئے ضروری ہے ویسے ہی عام انسانوں پر بھی لازم ہے۔ جس طرح غریب پر لازم ہے، اسی طرح مالدار اور بادشاہوں پر فرض ہے۔ آج ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ تھوڑی سی دولت آئی تو "دینداری" نکل گئی اور اپنے کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ تخت و تاج کے مالک ہونے کے باوجود، خدا کے محبوب بندوں نے خدا سے رشتہ توڑا نہیں، بلکہ جوڑا ہے، اصل میں خدا سے لو اور تعلق ہو اور اس کی محبت دل میں رچی بسی ہو تو شاہی ہو یا فقیری ہر حال میں ایک انسان خدا سے جڑا رہتا ہے۔

فرمایا: حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا جب آخری وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی "میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس کی تہجد کی نماز بھی قضا نہ ہوئی ہو"۔

جب جنازہ تیار ہو گیا تو ہر شخص ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگا، کوئی بھی اس شرط پر پورا نہیں اُتر رہا تھا۔ آخر مجبور ہو کر سلطان شمس الدین التمش آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ کہنے لگے "آج شیخؒ نے مجھے مخلوق کے درمیان لا کر رسوا کر دیا۔ میں نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ میرا حال لوگوں سے چھپائیں گے۔

بھائیو! آپ نے دیکھا، ہندوستان کے تخت و تاج کے مالک ہیں اور دینداری کا یہ عالم ہے۔ فرائض ہی نہیں، تہجد تک کبھی قضا نہیں کی۔ اسی کو بادشاہی میں فقیری کہتے ہیں۔

خونِ جگر کے بغیر:

فرمایا: دنیا کی کسی قیمتی چیز کو حاصل کرنے کے لئے کتنی محنت مشقت اُٹھانی پڑتی ہے، کتنی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، ٹھیک اسی طرح خدا کو پانے کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہیں ؎

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

مجاہدہ اور قربانی

فرمایا: حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو دیکھئے۔ خدا کے لئے انھوں نے باداشاہت چھوڑ دی، اور پھر فقیری اختیار کی تو کس شان کی؟ آج ہم آپ خدا کو پانا تو چاہتے ہیں مگر کچھ قربان نہیں کرنا چاہتے ــــ یاد رکھئے، خدا کو پانے کے لئے مال، عیش و آرام اور ہر طرح کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ بقول شاعر ؎

توڑ ڈالے مہ و خورشید ہزاروں ہم نے
تب کہیں جا کے دکھایا رُخِ زیبا تو نے

صرف ایک بات

فرمایا: بھائیو! صرف آپ ایک بات یاد رکھئے کہ "قبر" میں میرا کیا حال ہوگا؟

یہی بات آپ کو راہِ راست پر لانے کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔ اگر یہ خیال ہر وقت رہے تو شادی کی رات بھی فجر کی نماز نہیں چھوٹ سکتی ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے اور اس تعلق سے متفکر رہئے کہ "قبر میں ہمارا کیا حال ہوگا؟

مسلّح ہو کر نکلو

فرمایا: حضرت ہردوئی دامت برکاتہم (مولانا ابرارالحق صاحب مدظلہ) فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ وضو مومن کا ہتھیار ہے، اس سے مسلح ہو کر نکلو، اس سے بدنگاہی اور دوسری چیزوں سے حفاظت ہوگی۔ شیطان جب تم کو مسلح دیکھے گا تو اسے تمہارے نزدیک آنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ وہ تو دُور ہی سے بھاگ کھڑا ہوگا۔" فرمایا اس لئے ہم لوگوں کو مسلح نکلنا چاہئے، اس کے فائدے انشاء اللہ آپ خود محسوس کریں گے۔

نماز کس طرح پڑھیں

فرمایا: آج کل ہم لوگ جب نماز پڑھتے ہیں تو صرف اعضاء وہاں حاضر رہتے ہیں۔ دل تو دکانوں اور بازاروں میں گھوما کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم لوگوں کو نماز کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی ہے، جس وقت اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتے ہیں، بس اب دل ہی دل میں گھر کے سارے انتظامات سوچے جارہے ہیں کہ اتنا آٹا لانا ہے اتنا تیل لانا ہے۔ غرضیکہ ساری نماز اسی حالت میں گزر جاتی ہے کہ دل بازاروں اور دکانوں پر تفریح کیا کرتا ہے۔

بھائیو! جس وقت نماز کے لئے نیت باندھی جائے اس وقت ہمہ تن اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب متوجہ ہوجانا چاہئے۔ ہر قسم کی فکر اور خیالات سے دل کو الگ کر کے کھڑا ہونا چاہئے پھر دل میں خیال کیا جائے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، نہایت ہی تواضع اور انکسار کے ساتھ نیت باندھ کر ثنا پڑھنے کے بعد قرأت کرنے کے ساتھ ساتھ معانی پر بھی دھیان رکھا جائے۔ اس کے بعد دل میں خیال کرتے ہوئے کہ میں اپنے پاک پروردگار کے سامنے جھک رہا ہوں وہ میری ظاہری اور باطنی حالت سے

خوب واقف ہیں۔ اس کے بعد بہت ہی دل کو متوجہ کرکے سبحان ربی العظیم پڑھا جائے۔ اس کے بعد دل میں یہ خیال کرنا کہ اب میں اپنے پاک پروردگار کے سامنے سر کو زمین پر رکھنے جارہا ہوں۔ نہایت عظمت کے ساتھ سر کو خاک پر رکھ دے پھر پڑھے سبحان ربی الاعلیٰ کہ پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے رب کی جو کہ بلند ہے، اس۔ لذتِ سجدہ کو کون بیان کرسکتا ہے جو اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ کیا ہی خوش نصیب گھڑی ہوتی ہے کہ سر اللہ تعالیٰ کے قدموں پر ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ سجدہ کی حالت میں انسان کا سر رحمٰن کے قدموں پر ہوتا ہے۔

سبحان ربی الاعلیٰ ..... میں رب کے ساتھ جو یَ لگی ہوئی ہے اس سے مزہ کیوں نہیں حاصل کرتے ہو۔ یعنی پاکی بیان کرتا ہوں میں اپنے رب کی جو کہ بلند مرتبہ والا ہے یہ جو رب کے ساتھ یَ لگی ہوئی ہے ایک صاحب دل کے لئے اس کے اندر خوشی و مسرت کا ایک خزانہ چھپا ہوا ہے۔ جس طرح بچہ اپنے باپ سے پیسے مانگتا ہے کہ ابا جان پیسے دے دیجئے۔ اس کا ابا غور نہیں کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ اسی طرح مانگتا ہے' پھر اس کا باپ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جب وہی لڑکا کہتا ہے کہ اے میرے ابا۔ تو فوراً اس کا باپ اس کو پیسے نکال کر دے دیتا ہے۔ یعنی بچہ نے جب میرے ابا کہا تو اس کو فوراً رحم آگیا۔ تو کیا اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کو اے میرے ربا کہہ کر پکارا جائے تو کیا وہ متوجہ نہیں ہوگا؛ جبکہ اس دنیا کے اندر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک بٹے سو محبت بھیجی ہے۔ اس کا تو یہ عالم ہے کہ جب بچہ میرے ابا کہہ کر پکارتا ہے تو فوراً باپ کا دل نرم ہوجاتا ہے تو جس کے پاس ننانوے حصہ محبت زیادہ ہے اس کا کیا عالم ہوگا؟

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی جب میں سجدہ کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیار کرلیا۔

نماز میں قلب کی حاضری ــــ ایک مثال

فرمایا: جس طرح آج کل ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں ایک مثال سے فیصلہ کرلیں کہ ہم کو کتنے نمبر

ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر سمجھ لیجئے کہ ایک تھانہ ہے جس کے اندر تمام پولیس اور داروغہ ملازم ہیں اور کسی دن تھانہ میں اطلاع کر دادی جائے کہ فلاں دن آپ کے تھانہ کا معائنہ ہوگا، سب انتظام کرلو۔ پھر جب وہ دن آئے تو بڑا افسر معائنہ کرنے کے لئے تھانہ جائے، وہاں ہر قسم کا انتظام ہو اور تمام چپراسی اور پولیس حاضر ہوں، مگر جو بڑا داروغہ ہو وہ کہیں شکار کرنے کے لئے چلا جائے تو بتائیے کہ یہ افسر ان تھانہ والوں کو کچھ نمبر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان سب کو معطل کر دیا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اصل تھا یعنی بڑا داروغہ وہی غیر حاضر ہے۔ اسی طرح جب ہم اور آپ نماز پڑھتے ہیں تو سب چپراسی اور پولیس یعنی ہاتھ اور پیر تو حاضر رہتے ہیں مگر جو اصل ہے بڑا داروغہ یعنی دل وہ دکانوں اور بازاروں کی سیر و تفریح کرنے چلا جاتا ہے تو بتلائیے ایسی نماز کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کتنے نمبر دیں گے۔ ہاں اگر داروغہ صاحب (یعنی دل) بہت بھاگتے ہیں تو ان کو پکڑ پکڑ کر لایا جائے کیونکہ دار و مدار انہی پر ہے۔ اگر یہ غائب ہو جائیں گے تو تمام چپراسی اور پولیس یعنی ہاتھ، پیر، ناک کان کی محنت بے کار ہو جائے گی۔ اس لئے عرض ہے کہ اگر نماز کے اندر بڑا داروغہ یعنی دل بھاگ جائے تو اس کو فوراً پکڑ کر لانا چاہئے۔

حضرت تھانویؒ کی شانِ عبدیت

فرمایا: حضرت پھولپوریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مرشد حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنی چھڑی کا نچلا حصہ قبلہ رُو رکھا ہو،

- اور مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ میں نے نوکر کو کبھی پیسہ زمین پر پھینک کر دیا ہو
- اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی داہنے ہاتھ میں جوتا لیا ہو۔
- اور مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی روپیہ بائیں ہاتھ میں لیا ہو۔
- اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں جب کسی کو اس کی اصلاح کے لئے ڈانٹتا ہوں تو اس وقت میں اپنے کو بھنگی سمجھتا ہوں اور مخاطب کو شہزادہ سمجھتا ہوں، جس طرح کہ بادشاہ شاہزادوں کی تعلیم اور تادیب کے لئے جلاد کو حکم دیتا ہے کہ اس کو درے لگاؤ،

لیکن جلاد سے پوچھو کہ اس پر کیا گزرتی ہے، اس حکم سے کانپ جاتا ہے اور لرزہ براندام اس حکم کی تعمیل کرتا ہے، اور شاہزادوں کی تحقیر کا تو کیا وسوسہ آتا خود اپنی خیر مناتا رہتا ہے کہ بادشاہ کی نظر کہیں بدلی تو نہ جانے میرا کیا حال ہوگا۔

حضرت فرماتے تھے کہ کسی کو نصیحت کرنا اس وقت میں حرام ہے جس وقت کہ مخاطب کو حقیر سمجھ کر نصیحت کی جائے۔ عین اصلاح اور نصیحت کے وقت اپنے کو کمتر اور مخاطب کو اپنے سے افضل سمجھنا یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ اصلاح کا منصب بڑا نازک منصب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

دنیا کی حقیقت

تالیف : حکیم محمد اختر صاحب

جس میں دنیا کی بے ثباتی، بے وقتی اور اس کے بالمقابل آخرت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کے موضوع پر اپنے انداز کی بہترین کتاب ہے، قیمت۔

مجالسِ ابرار

ملفوظات محی السنت حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی، خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ : حکیم محمد اختر صاحب

وعظ و تقریر اور نصیحت میں ایک بلند پایہ کتاب جو واعظین، مقررین، خطباء اور ائمہ مساجد کے لئے ایک گرانقدر تحفہ ہے۔ قیمت مجلد :۔

بوادر النوادر

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، اور تصوف کے نادر علمی مضامین پر مشتمل حضرت کی آخری تصنیف ——— قیمت ۲ جلد :

معاشرت و معاملات

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیانہ کسی شاخِ گل پہ بار نہ ہو

(سحر لکھنوی)

ناچیز ہیں ہم پھر بھی بڑی چیز ہیں ہم

فرمایا: بھائیو! لوگ آج کل یہ سمجھنے لگے، میلا کچیلا رہنا بزرگی کی علامت ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ یقیناً اسلام فخر و غرور کے لباس سے منع کرتا ہے مگر یہ بھی نہیں کہتا کہ گندہ اور پراگندہ رہو۔ اسلام نے سادگی کی تعلیم دی ہے گندگی کی نہیں۔

حدیث میں ہے کہ "مومن کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ نفس کو ذلیل کرے" اس لئے ایسا کام نہ کرو جس سے لوگ ہنسیں یا نفرت کریں۔ ـــــ حضرت خواجہ عزیز الحسن بڑے اُونچے سرکاری عہدے پر تھے۔ ایک دفعہ جب ان کا تبادلہ ہو گیا۔ تو جب وہ وہاں گئے تو کافی دیر تک سڑکوں پر بار بار گشت کرتے رہے، موٹر میں سب داڑھی ٹوپی والے ہی تھے، ایک شخص نے ان میں سے پوچھا، آج یہ بلا وجہ کیوں چکر لگا رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نے جواب دیا، تاکہ یہ دنیا دار لوگ جان لیں، دنیا صرف ان ہی کے پاس نہیں ہے۔ بلکہ مولویوں کے پاس بھی کار ہے آجکل ان کو لوگ حقیر سمجھتے ہیں اپنے کو حقیر سمجھنا تو حکم شرعی ہے مگر حقیر کرنا یا دکھانا اور ذلیل کرنا جائز نہیں، جیسا کہ حدیث میں دُعا ہے کہ اے خدا مجھے میری نگاہ میں چھوٹا دکھا اور لوگوں کی نظر دکھا۔ خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

ناچیز ہیں ہم پھر بھی بڑی چیز ہیں ہم ؛ دیتے ہیں کسی ہستیٔ مطلق کی خبر ہم

بزرگوں کے مختلف انداز:

فرمایا: حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا مزاج

سادہ تھا اور وہ سادگی پسند تھے۔ لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رعب و وقار کے ساتھ رہتے تھے اور ہمیشہ قیمتی اور لباسِ فاخرہ استعمال فرماتے تھے ___ تو یہ بزرگی کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی سادگی (مگر گندگی نہیں) کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ آپ راستہ پر جارہے تھے کہ ایک کپڑا بُننے والا نے ان کو بھی جولاہا سمجھ کر پوچھا، بھائی آج سُوت کیا حساب ہے؟ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ وہ کس قدر سادہ رہتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے یہ نہیں کہا کہ بھائی میں جولاہا نہیں ہوں، تاکہ کہیں اس طبقہ کی بُرائی یا حقارت کا پہلو نہ نکل آئے۔ فرمایا "بھائی آج میں بازار نہیں گیا ہوں"___ بھائیو! دیکھئے، بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ کسی کی دلشکنی نہیں کرتے۔

بزرگی کا خود تراشیدہ معیار

فرمایا: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ معاملات کے بڑے پختہ اور کامل بزرگ تھے۔ آپ بھی حسبِ حیثیت صاف ستھرا اور باوقار رہتے تھے۔ ایک صاحب ایک دفعہ ان کے پاس گئے۔ حضرت تھانویؒ کے سر پر عمامہ نہیں تھا۔ اس نے اعتراض کیا، آپ نے برجستہ جواب دیا "جناب والا نے بھی تو "لنگی" نہیں باندھ رکھی ہے۔

فرمایا: بھائیو! اصل میں ایسا ہے کہ لوگ دوسروں ہی میں ساری "خرابیوں" کو تلاش کرتے ہیں اور اپنے کو نہیں دیکھتے۔ دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اور خود پر نگاہ نہیں جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ ہی کے پاس ایک صاحب آئے تھے اور پتہ نہیں کیا کیا بزرگی کا معیار اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس نے جب حضرت کو نہایت عمدہ لباس میں دیکھا تو اعتراض کر بیٹھے کہ یہ تو سنّت کے خلاف ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فوراً جواب دیا، جی ہاں، مگر آنجناب بھی تو "بوری" نہیں پہنے ہوئے ہیں۔

تواضع

فرمایا: حدیث پاک میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ یعنی

جس نے تواضع اختیار کی اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائے گا۔ اور جس نے بلندی اختیار کی اس کو اللہ تعالیٰ پستی میں ڈالے گا۔ آج کل ہم لوگوں کے اندر تواضع تو ہوتی ہے مگر وہ مخلوق کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ جہاں دیکھا کہ ہم سے بڑے لوگ ہیں خواہ وہ کسی بھی ذات سے تعلق رکھتے ہوں، مسلم ہوں یا غیر مسلم ان کے سامنے جھک جاتے ہیں اور جہاں دیکھا کہ ذرا کچھ کمزور آدمی ہے خواہ وہ بیچارہ مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کے سر پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ حدیث پاک میں تو مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ فرمایا گیا ہے " مَنْ تَوَاضَعَ لِلْاِنْسَانِ تو فرمایا نہیں گیا۔ یہ جو اللہ پر لام داخل ہے یہ تخصیص کے واسطے ہے۔ یعنی جس نے تواضع اختیار کی اللہ ہی کے لئے اس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا نہ کہ اس شخص کو جو بڑے لوگوں کے سامنے تواضع اختیار کرے اور کمزوروں کے اُوپر ظلم کرے۔

اتحاد و اتفاق کی بنیاد کیا ہے؟

مرتب عرض کرتا ہے: مولانا تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف، ترحم وغیرہ مگر بس کمی یہ ہے کہ ان میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہیں اور اتحاد و اتفاق کی جڑ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے عجیب فرمائی، جس کی تمام عقلاء زمانہ کو بھی خبر نہیں، فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ اور بنیاد تواضع ہے۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نا اتفاقی کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور اس سے بڑھنا چاہتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔ اس پر ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ سے استفسار کیا کہ تواضع کیونکر پیدا ہو؟ ___ فرمایا کہ تواضع اختیاری چیز ہے۔ دوسروں کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو، بس اسی سے تواضع کی صفت پیدا ہو جائے گی۔ اگر یہ صفت بھی نہ پیدا ہو صرف عمل ہی تواضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کرنے میں عار آتی ہے اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کر لیا جائے مرکزیت جو نظم کے لئے ضروری ہے قائم نہیں

ہو سکتی ۔ اور نہ مرکزی شخصیت اُبھر سکتی ہے جو اولوالامر بن سکے ۔ (معروضات مرتب ختم شد)

بدگمانی اور خوش گمانی

فرمایا : آج کل بدگمانی کی بیماری عام ہے اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں ۔ ہمارے دینی مدارس بھی اس سے خالی نہیں رہے ۔ عام حیثیت سے بھی اور ان مدارس میں بھی ایک دوسرے سے اعتماد اُٹھتا جارہا ہے ۔ اس کی بنیادی وجہ یہی بدگمانی اور غلط فہمی ہے ، اس لئے ہمیشہ ایک دوسرے سے ذہن صاف رکھنا چاہئیے ۔ خوش گمانی قائم رکھنی چاہیے اور بدگمانی کو راہ دینے والی کوئی بات سامنے آئے تو خلوص اور محبت کی فضا میں تحقیق کرلینی چاہیے ۔ یاد رکھئے قیامت میں بدگمانی پر دلائل طلب کئے جائیں گے ۔ خوش گمانی پر نہیں ، اس لئے ایسا کام کیوں کیا جائے جس میں گرفت اور مواخذہ ہو اور وہ کام کیوں نہ کیا جائے جس میں چھوٹ اور آزادی ہو ۔

آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

فرمایا : ایک دفعہ مرشدی حضرت مولانا محمد ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم وضو کرنے کے لئے تشریف فرما ہوئے ۔ ابھی وضو شروع ہی کیا تھا کہ آپ کی نظر چیونٹیوں کے سوراخ پر پڑی ۔ کچھ چیونٹیاں وہاں پر رینگ بھی رہی تھیں ۔ آپ وہاں سے اُٹھ گئے کہ یہاں پانی گرنے کی وجہ سے چیونٹیوں کو تکلیف ہوگی ، ان کے گھر میں پانی بھر جائے گا اور دوسری جگہ جاکر وضو فرمایا ۔

ایک بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خانہ کعبہ میں آرام کر رہے تھے ، ایک بلّی آئی اور ان کے دامن پر سو گئی ۔ اسی اثنا میں اذان ہوئی ۔ بزرگ نماز کے لئے اُٹھے مگر اس طرح کہ اپنے دامن کے اس حصّہ کو کاٹ دیا جس پر بلّی سو رہی تھی تاکہ بلّی کی نیند میں خلل نہ آئے ۔

بھائیو ! اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں ، وہ معمولی اور حقیر جانور کا بھی دل نہیں دُکھاتے ہیں ، پھر کبھی انسان کا دل وہ کیسے دُکھا سکتے ہیں ۔ ایسے لوگ انسان کے سچے ہمدرد اور صحیح معنی

میں غمخوار ہوتے ہیں۔ اپنے کو مشقت میں ڈال کر دوسروں کے لئے راحت کا سامان کرتے ہیں۔ آج یہ ہمدردی اور غمخواری رخصت ہوتی جارہی ہے۔ خود غرضی کی وبا عام ہوگئی ہے۔

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

تو کز محنتِ دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی اگر تو دوسروں کی پریشانی اور مصیبت سے بے فکر ہے اور اس کا کوئی اثر تم پر نہیں ہے تو ایسی صورت میں تمہارا نام آدمی نہیں رکھنا چاہئے۔ غالبؔ نے ٹھیک ہی کہا تھا ؎

از بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک پسندیدہ شعر ہے جسے وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ اس شعر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ والے کس احتیاط، اعتدال اور رعایت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ شعر یہ ہے ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

(اضافہ از مرتب)

مومن کون؟

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ یعنی کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔

یہ حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ مومن بن جانا محض اس کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص چند مخصوص عقاید پر یقین کرلے اور کچھ متعین اعمال وارکان ادا کرے۔ بلکہ اسلامی شریعت اپنے ماننے والوں سے ایک ایسی زندگی کا تقاضا کرتی ہے جس کا حامل اگر ایک طرف عقاید واعمال کے لحاظ سے خدا کا "حقیقی بندہ" کہلانے کا مستحق ہو تو دوسری طرف وہ

انسانیت کے ناطے سرتاپا امن و آشتی کا نمونہ اور حسنِ سلوک و مروّت کا مظہر ہو اور امانت و دیانت، امن و سلامتی اور محبت و ہمدردی کی اس میں وہ اسپرٹ پیدا ہو جائے کہ دنیا کا ہر انسان اس کی طرف سے خوف و ہراس میں مبتلا ہونے کی بجائے اپنے قلب میں سکون و اطمینان کے دریا موجزن پائے، نیز خدا کی مخلوق جانے اور ہر معاملہ میں اس پر پورا اعتماد اور بھروسہ کرنے لگے۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہے۔ یعنی جس طرح کھجور کا درخت تنہ، پتہ، پھل ہر اعتبار سے انسان کے لئے نفع بخش ہے۔ اسی طرح مومن اپنے پورے وجود کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نفع بخش رہتا ہے۔ اس کی ذات سے کسی کو ضرر اور نقصان نہیں پہنچتا۔ ہر مومن کو چاہئے کہ وہ دیکھتا رہے، اس معیار پر پورا اُتر رہا ہے یا نہیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث ہے خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ کہ انسانوں میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

مفلس کون؟

فرمایا: جب انسان کے اندر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ ہوگا تو وہ حق تلفی اور ظلم سے بچے گا۔ کیونکہ آخرت میں اس کا بہت بُرا انجام ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ کوئی سرمایہ۔ آپؐ نے فرمایا، میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی علتیں ہوں گی کہ فلاں کو گالی دی ہے، فلاں پر تہمت لگائی ہے، فلاں کا مال کھایا ہے، فلاں کا خون بہایا ہے اور فلاں کو مارا ہے۔ پس اس کی بعض نیکیاں فلاں اور بعض نیکیاں فلاں کو دے دی جائیں گی۔ اب اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہوگئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

لہذا خدا کے حقوق ادا کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ بندوں کے حق کو نہ ماریں، ورنہ یہ نماز روزہ اور دوسرے نیک اعمال سب خطرے میں پڑ جائیں گے۔

ظلم سے بچو

فرمایا: کسی پر ظلم نہ کرو، مظلوم بن جانا اچھا ہے لیکن ظالم بننا بڑی خرابی کی بات ہے۔ اس سے دنیا بگڑتی ہے، آخرت برباد ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جس نے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب کی اور جنت حرام کی۔ ایک آدمی نے سوال کیا، یا رسول اللہ، اگر معمولی چیز ہو، آپؐ نے فرمایا اگرچہ ایک پیلو کی لکڑی ہو"۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے بالشت بھر زمین غصب کی تو قیامت میں اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت میں حق والوں کو حق دلائے جائیں گے حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری سے حق دلایا جائے گا۔

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچا کرو کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

اخلاقی ہدایات

فرمایا: بھائیو! کسی کی غیبت نہ کرو۔ اگر کوئی تمہارے پاس کسی کی غیبت کرتا ہے تو یہ سمجھو کہ دوسرے کے سامنے وہ تمہاری بھی برائی بیان کرسکتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں سے ہوشیار رہو اور ان کی حوصلہ افزائی نہ کرو۔ اور جب وہ غیبت شروع کرے تو روک دو یا بات کا رُخ دوسری طرف موڑ دو، کسی کی ٹوہ میں بھی مت پڑا کرو۔ خود اپنے ہی عیوب کچھ کم ہیں کہ دوسروں کی فکر میں پڑو، یہاں کی بات وہاں اور وہاں کی بات یہاں جس کو لگائی بجھائی اور چغلی کہتے ہیں، اس سے بھی سخت احتراز کرو۔ آخر یہ کتنی بری بات ہے کہ غیبت کی سوئی کوئی پھینک رہا ہے اور چُھپا تم رہے ہو۔

اسی طرح دو رُخا پن سے اجتناب کرو۔ یعنی جس کے سامنے گئے اس کی خوشامد اور چاپلوسی میں ویسی ہی بات کہہ دی تاکہ کچھ نفع اور تقرب حاصل ہو۔ ایسے دو چہرے والوں کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ زبان پر وہ بات لاؤ جس کی تصدیق دل بھی کرے۔

ؔ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
(پیش کردہ مرتب)

ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، اُستاد، شاگرد، اعزہ و احباب، پڑوسی جس کسی کے بھی حقوق تم پر عاید ہوتے ہوں ان کی ادائیگی میں چاق و چوبند اور مستعد رہو، کسی کو شکایت کا موقع نہ دو۔ حقوق کی ادائیگی کے باوجود شکایت پیدا ہو ہی ہو تو معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ کسی سے کچھ غلطی ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت کو قبول کر لو۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کوئی معافی مانگتا ہے تو میں فوراً معاف کر دیتا ہوں یہ سوچ کر کہ مجھے بھی تو اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا ہے۔

ہمیشہ نرم رویہ اختیار کرو، لینت اور نرمی سے سخت آدمی کا دل بھی موم ہو جاتا ہے۔ جس آدمی سے ملو خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔ اس میں صدقہ کا ثواب ہے۔ شاعر نے بھی کہا ہے ؎ جھک کے ملنا بڑی کرامت ہے۔

مال و جاہ، عہدہ، علم، ہنر کسی بھی راہ سے عُجب اور گھمنڈ نہ آئے۔ آنحضرتؐ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو چیزیں ہلاک اور برباد کرنے والی ہیں ان میں سب سے زیادہ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ ہے۔ یعنی انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگے، وہ خود بینی کا شکار ہو جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دُعا کتنی حکیمانہ ہے جس میں آپ فرمایا کرتے تھے "یا اللہ مجھے غیروں کی نظر میں تو بڑا بنا دے مگر اپنی نظر میں حقیر بنائے رکھ۔" یہ دُعا اُمّت کی تعلیم ہی کے لئے ہے۔ بہر حال تکبّر کی راہ سے بچ کر تواضع کی صفت اختیار کرنی چاہیے ؎

ملا جنھیں، انھیں اُفتادگی سے اوج ملا
انھیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اُٹھا کے چلے
(پیش کردہ مرتب)

زندگی کے سفر کو نہایت احتیاط کے ساتھ طے کرنے کی ضرورت ہے ؎

زندگی کی رہ میں چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بارِ دوش ہے

پیش کردہ مرتب

بیوی اور گھر والوں سے حسنِ سلوک

فرمایا: بعض لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں، گھر میں آتے ہی گرجنا برسنا شروع کر دیتے ہیں۔ بیوی پر ان کے جو حقوق ہیں انھیں تو زور زبردستی کے ساتھ وصول کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن بیوی کے جو حقوق ان پر عاید کئے گئے ہیں ان سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں۔ خود باہر خوب اچھا اچھا کھاتے ہیں لیکن بیوی اور بچوں کو روکھی سوکھی پر ٹرخاتے رہتے ہیں۔ گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ سے پیش نہیں آتے۔ باہر دوستوں کی مجلس میں بڑے شریف اور پیکرِ اخلاق بنے رہتے ہیں، گھر میں داخل ہوتے ہی اپنے اخلاق کا جامہ باہر نکال کر آتے ہیں۔ یہ عمل ٹھیک نہیں ہے، اصلاح کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں انسان کے بہتر ہونے کا یہ معیار بیان فرمایا ہے کہ وہ بیوی، بچوں اور گھر والوں کے ساتھ اچھے سلوک اور برتاؤ سے پیش آتا ہو۔ آپ اپنے کو دیکھتے رہیں کہ اس معیار پر کہاں تک پورے اُترتے ہیں۔

کامل مسلمان:

فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ یعنی کامل اور پکا مسلمان، اللہ کا بہت پیارا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں پر علامہ بدرالدین عینیؒ نے ایک علمی اشکال قائم کیا ہے کہ کیا پاؤں سے مارنے کی اجازت ہے کیوں کہ حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ زبان سے تکلیف نہ دو، اور ہاتھ سے تکلیف نہ دو، اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جو اعضا تکلیف پہنچانے میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ صرف دو ہیں، زبان اور ہاتھ۔ لات کے

نوبت تو بہت کم آتی ہے۔ تو جب کثیر الاستعمال (زیادہ استعمال ہونے والے) اعضاء کو تکلیف پہنچانے سے حفاظت کی مشق ہو جائے گی تو پاؤں سے مارنے کی نوبت تو بہت کم آتی ہے۔ اس کا قابو میں کرنا تو بہت آسان ہو جائے گا۔

ایک ہندو نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے پوچھا تھا کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی ایذا رسانی سے صرف مسلمان بچے رہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ غیر مسلموں یعنی ہندوؤں اور کافروں کو خوب ایذاء پہنچائی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں! چوں کہ مسلمان کا واسطہ کثرت سے مسلمانوں ہی سے پڑتا ہے، تو جب اکثر آپس میں ساتھ رہنے والے اپنے رہن سہن میں ایک دوسرے کو اذیت سے بچالیں گے تو ہندوؤں سے ملاقات اور لین دین تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔ اُن کو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں سے سلامتی رہے گی۔ جیسے دو برتن جو ساتھ رہتے ہیں جب ان میں کھٹ پٹ نہیں ہوتی تو جو برتن دور رہتے ہیں ان سے کیسے لڑائی ہوگی۔ البتہ حالتِ جہاد مستثنیٰ ہے۔ لیکن جب عام حالات میں غیر مسلم صلح کرلیں یا مسلمانوں کو نہ ستائیں تو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں کے زبان و ہاتھ سے امن میں گے۔ کیونکہ ان سے زیادہ معاملہ نہیں پڑتا۔ یہ جواب شیخ نے دیا جو مجھ سے نقل فرمایا۔

"آپ میری مرغیوں کو آٹھ بجے کھول دیجئے"

فرمایا: ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحؒ نے جو حضرت حکیم الامت کے بہت خاص خلیفہ تھے بتایا کہ ایک دفعہ پیرانی صاحبہ نے حضرت حکیم الامت سے فرمایا کہ میں کل ایک رشتہ داری میں جارہی ہوں آپ میری مرغیوں کو آٹھ بجے کھول دیجئے اور تھوڑا سا دانہ دیدیجئے اور پانی پلادیجئے۔ اب حکیم الامت ڈیڑھ ہزار کتابوں کے مصنف وہ کیا جانیں مرغیوں کو کھولنا، دانہ پانی دینا۔ حضرت کھول گئے۔ خانقاہ میں آگئے۔ اندازاً ساٹھ خطوط روزانہ آتے تھے۔ اُن میں بڑے بڑے علماء کے خطوط ہوتے تھے۔ اب جواب لکھنا چاہتے ہیں تو کوئی جواب نہیں آتا۔ تفسیر بیان القرآن لکھنا چاہتے ہیں تو کوئی مضمون نہیں آتا۔ قلم رُک گیا۔ دِل میں اندھیرا آرہا ہے۔ پھر اللہ سے روئے کہ اے اللہ!

اشرف علی سے کیا غلطی ہوئی۔ آپ مجھے اس پر تنبیہ فرمادیں تاکہ میں اس سے توبہ کرلوں۔ دِل میں آواز آئی کہ اے اشرف علی، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی ہوجاتا ہے تو دِل میں آوازیں آنے لگتی ہیں کہ یہ کرلو، یہ نہ کرو ؎

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

توحضرت کو آواز آئی کہ تم نے میری ایک مخلوق کو بند کر رکھا ہے۔ مرغیاں گھبرا رہی ہیں۔ آٹھ کے بجائے نو بج چکے ہیں ایک گھنٹہ سے وہ بے چین ہیں، میری ایک مخلوق تمہاری وجہ تکلیف میں ہے پھر تم کو علوم کیسے دیئے جائیں، ایسی حالت میں تم سے سرکاری کام کیسے لیا جائے گا۔ جاؤ جلدی سے مُرغیوں کو کھولو۔ حضرت دوڑے، خانقاہ سے جاکر مرغیوں کو کھولو اور جلدی سے دانہ دیا اور پانی پلایا؟ اور جب لوٹ کر آئے تو سارے علوم پھر جاری ہوگئے۔

دوستو! مُرغیوں کو تکلیف پہنچ جانے کا یہ واقعہ سُن رہے ہیں لیکن آج ہم نے بیویوں کو ستا ستا کر ان کا ناک میں دم کر رکھا ہے تو بتائیے کس قدر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی و غضب ہم لوگ مول لے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں سفارش نازل فرمائی ہے۔ قرآن پاک میں فرماتے ہیں۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ اپنی بیویوں کے ساتھ تم بھلائی سے پیش آؤ۔

بیوی کو "جیب خرچ" دینے کا مسئلہ

فرمایا: حکیم الامت نے کمالاتِ اشرفیہ میں ایک حق بیویوں کا یہ بھی لکھا ہے کہ ہر ماہ ان کو "جیب خرچ" دے دو اور پھر اس کا حساب نہ لو کہ تم نے کہاں خرچ کیا۔ اللہ نے جس کو جتنا دیا ہے اسی اعتبار سے کچھ ماہانہ مقرر کردیں۔ اگر دس ہزار روپے کی آمدنی ہے تو ایک روپیہ مت دیجئے۔ پچاس روپیے دیدیجئے، سو روپے

دیدیجئے بلکہ زیادہ دیجئے اور دے کر بھول جائیے اور اس سے کہہ دیجئے کہ تم کو اختیار ہے جہاں چاہو خرچ کرو، اس کا حق ہے، اس کا میں کوئی حساب نہیں لوں گا۔ یہ ماہانہ "جیب خرچ" اس کا حق ہے، کیوں کہ وہ مجبور ہے کما نہیں سکتی۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ میرا بھائی آیا ہے، عزیز ہے اس کو ہدیہ دیدوں۔ اگر اس کے پاس کچھ نہ ہوگا تو کہاں سے دے گی۔ اس لئے اس کے جذبات و خواہشات کی رعایت ہے۔ ساری زندگی آپ کے ساتھ پابند ہے، رفیقۂ حیات ہے، آپ کے دروازے سے باہر نہیں جاسکتی، ساری زندگی تمہارا ساتھ دے رہی ہے اس لئے ہر طرح سے اس کی راحت و آرام کی رعایت ضروری ہے۔

علم اور علماء

عِلم سے ہوتا ہے انساں محترم
عِلم سے ہوتا ہے انساں باوقار
علم سے ہے آدمیّت کا فروغ
علم باغِ زندگی کی ہے بہار

(مولانا اسعد اللہ اسعدؒ)

علمِ نبوّت تو ہے مگر نورِ نبوّت نہیں

فرمایا: علّامہ سید سلیمان ندویؒ کا شمار علم و فضل کے اعتبار سے اُونچے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جب یہ زندہ تھے ہر طرف ان کے علم کا شہرہ اور غلغلہ تھا۔ مرنے کے بعد بھی ان کا علمی احترام کم نہ ہوا۔ شروع میں ان کے دل میں "اہل اللہ" کی خاص وقعت و عظمت نہیں تھی ۔ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے۔ اس لئے "چہار دیواری" میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ مگر جب ایک نادیدہ قوت انھیں کشاں کشاں مولانا تھانویؒ کے پاس لے گئی اور ان سے "اصلاحی تعلق" قائم ہو گیا تو ان کے فکر و نظر کا پیمانہ بدل گیا۔ اس کے بعد تو انھیں اس وقت تک کی اپنی تصانیف اور علمی تحقیقات "جسدِ بے روح" کی طرح نظر آنے لگیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے "علم کا مزہ تو اب ہم نے پایا ہے"۔ جب ان کی یہ "نظر" کھلی تو صاحبِ دل "اہلِ نظر" کی باتیں کرنے لگے۔

چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ "آج کل ہمارے علماء کے اندر مدرسوں میں رہنے کی وجہ سے "علمِ نبوت" تو آجاتا ہے لیکن "نورِ نبوت" نہیں آتا۔ جس طرح یہ علمِ نبوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح انھیں نورِ نبوت کی تحصیل میں بھی سعی کرنی چاہیئے جس کے لئے "اہلِ دل" کی صحبت و خدمت ضروری ہے۔

واقعہ ہے، سید صاحبؒ نے ایک گہری حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علماء کو نبوت کا علم اور نور دونوں اپنے اندر جمع کرنا چاہیئے، اسی وقت ان کا کام، اخلاص و للّٰہیت کی وجہ سے تسلسلِ دوام اختیار کرے گا اور اللہ کے بندوں کو ان سے بھرپور فائدہ

پہنچے گا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شیخ تھانویؒ کی مجلس اور تاثیرِ صحبت پر چند اشعار فرمائے ہیں ؎

ایسے کچھ انداز سے تقریر کی — پھر نہ پیدا شبۂ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان میں — جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا

منبر پر وہ کیا برسائیں گے

فرمایا: ایک عالم اور ایک واعظ کو عمل کا پابند ہونا چاہیے۔ بغیر عمل کے صرف "قول" مفید اور موثر نہیں ہوتا۔ صاحبِ قصیدہ بردہ نے تو "قول بلا عمل" سے مغفرت طلب کی ہے۔ الفاظ ان کے یہ ہیں استغفر اللہ من قول بلا عمل یعنی میں اللہ تعالیٰ سے اس قول سے پناہ چاہتا ہوں جو بغیر عمل کے ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان کے پاس اپنے لڑکے کو لے کر آئے، کہنے لگے، حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے، ہزار سمجھایا مگر ایک بات بھی اس نے مان کر نہ دی میں پریشان ہوں کہ اسے اس عمل سے کس طرح روکوں، مجھے اندیشہ ہے کہ اس کثرت سے اگر یہ گڑ کھاتا رہے تو جگر خراب ہو جائے گا۔ آپ دعا فرمائیے اور کچھ زبان مبارک سے نصیحت بھی فرما دیجئے۔

بزرگ نے جواب میں فرمایا آپ کل تشریف لائیے۔ وہ آئے تو انھوں نے لڑکے کو نصیحت فرمائی اور دُعا بھی کی۔ جب لڑکے کے والد جانے لگے تو پوچھا، حضرت یہ نصیحت اور دُعا کل بھی آپ فرما سکتے تھے آج آپ نے کیوں بلایا؟

بزرگ نے فرمایا، بھئی کل تک میں بھی بہت گڑ کھایا کرتا تھا اس حالت میں اسے گڑ ترک کرنے کی نصیحت کیوں کرتا۔ آج میں نے خود گڑ کھانا کم کر دیا ہے تو پھر اسے نصیحت کی تاکہ یہ نصیحت موثر ہو اور میں پوری قوت کے ساتھ اپنی بات کہہ سکوں۔ فرمایا اس سلسلہ میں میں نے ایک شعر کہا ہے جو نہایت قابلِ غور ہے وہ یہ ہے ؎

جب نور ہی نہیں خود ہی دل میں — منبر پر وہ کیا برسائیں گے

عالِم کا سونا عبادت کیوں؟

فرمایا: وہ عالم دین جس کا اوڑھنا بچھونا دین ہے اور ہمہ وقت دینی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا اُونچا مقام ہے۔ ایسے عالم کا دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کا سونا بھی عبادت ــــ عالم کے سونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا جسے میں نے حضرت پھولپوریؒ سے سُنا تھا' واقعہ یہ ہے:

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال کیا "حضرت! حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے، مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ایک بڑھئی ایک شخص کا دروازہ بناتا ہے' اسے اپنے کام کے دوران میں بعض اوزاروں کو پتھر پر گھسنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے تاکہ اوزار کے تیز ہو جانے کے بعد اس سے صحت اور تیزی کے ساتھ کام لے' اب یہ بتایئے کہ بڑھئی جب اوزار کو تیز کر رہا ہوتا ہے اس وقت دروازہ تو وہ نہیں بناتا ہے لیکن اس کو اس وقت کی مزدوری ملے گی یا نہیں؟ پوچھنے والے نے جواب دیا' ہاں ضرور ملے گی۔ پھر حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا' جب ایک بڑھئی کو اوزار تیز کرنے کے وقت کی مزدوری ملے گی اور یہ وقت مزدوری ہی میں شمار ہوگا' منہا نہ کیا جائے گا۔ اس بنیاد پر کہ اوزار کو تیز اس لئے کیا جا رہا ہے کہ آئندہ اسی سے کام لے گا۔ تو سوچئے کہ ایک عالم بھی تو اسی لئے سوتا ہے کہ کہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلال دُور ہو اور نشاط' مستعدی اور چاق و چوبندی کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے۔ اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے جبکہ اللہ کے بندے کے یہاں ایک بڑھئی کی مذکورہ بالا صورت میں مزدوری نہیں کٹتی ہے' یہ تقریر بھی احقر نے اپنے مرشد پھولپوریؒ سے سُنی تھی۔

علماء سے مشورہ اور کتابوں کا مطالعہ

فرمایا: زندگی کے مختلف مسائل ہیں ہم اپنے بچوں' بیویوں اور دیگر لوگوں کو آئے

لے آتے ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے پیش نظر نہیں رہتی۔ بھائیو! آپ علماء سے مشورے کیجئے، احادیث کا مطالعہ کیجئے اور معلوم کیجئے کہ حضورؐ کا زندگی میں کیا طریقہ اور طرز عمل تھا۔

بھائیو! دنیا کی جب کوئی چیز آپ خریدتے ہیں تو ہر طرح چھان بین کرتے ہیں۔ وکیلوں سے ملتے، مشورہ لیتے ہیں، کہتے ہیں صاحب مکان یا زمین لے رہا ہوں۔ ایک "مضمون" لکھ دیجئے اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہ رہے کہ بیچنے والے کی اولاد بعد میں دعویٰ نہ کر بیٹھے، ایک ایک لفظ کو بار بار پڑھواتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ دنیا کی جائداد کے لئے اس قدر چھان بین اور محنت کرتے ہیں مگر آخرت کی جائداد جنت کے لئے کوئی فکر نہیں کرتے ہیں ــــ یہ علماء جو دین کے قانون داں ہیں اور وکیل ہیں، ان سے ملئے اور پوچھئے، مشورے لیجئے، ہر بات معلوم ہوگی ــــ احادیث و فقہ و سیرت کا مطالعہ کیجئے، بہت سی کتابیں اردو میں بھی شائع ہو چکی ہیں ــــ "اسوۂ رسولؐ" ابھی کراچی سے شائع ہوئی ہے، اس میں سیرت سے متعلق تمام تفصیلات آپ کو مل جائیں گی۔

علماء اور باطنی اصلاح

فرمایا: آج کل علماء کی عزت کیوں نہیں ہو رہی ہے، جو اہلِ علم ہیں ان کی قدر و منزلت کیوں گھٹ رہی ہے؟ اس کی اصل وجہ کو ایک مثال کے ذریعہ پیش کر رہا ہوں کہ جس کی بناء پر آج کل علماء کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے اُٹھتی جا رہی ہے۔

حضرات! جس طرح ہم اور آپ کباب بناتے ہیں۔ اگر ان کو بغیر تلے ہوئے کھا لیں تو یقیناً ہم فوراً تھوک دیں گے اور یہ بات ہم پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ یہ کباب جس کے پاس بھی جائے گا وہ کھاتے ہی فوراً تھوک دے گا۔ لیکن اگر کباب کو آگ جلا کر تیل یا گھی کے اندر تل لیا جائے تو جو بھی کھائے گا وہ دل سے خوش ہوگا۔ ادھر آنکھوں سے اس کی مرچ کی وجہ سے آنسو نکل رہے ہوں گے مگر ادھر وہ کباب کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوگا۔ اگر اس وقت کوئی آدمی اس سے یوں کہنے لگے کہ آپ کو تو تکلیف ہو رہی ہے آپ کی آنکھوں سے

آنسو بھی جاری ہے اس لئے یہ کباب ہم کو دے دو۔ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ جناب! آپ کو کیا خبر، ان ظاہری آنسوؤں اور تکلیف میں لطف اور مزے کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ آپ ظاہر میں میرے آنسو اور تکلیف کو دیکھ رہے ہیں، میرے باطن کی آپ کو کیا خبر کہ مجھ کو کیا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ اسی طرح اس معاملہ میں بھی سمجھنا چاہیے کہ جو علماء اپنے کو تلواتے نہیں ہیں (یعنی اپنی اصلاح نہیں کراتے ہیں) ان کو بغیر تلے ہوئے کباب کی طرح ہر شخص ناپسند کرتا ہے۔ مگر وہ علماء جو اپنے کو کسی ماہر کے حوالے کر کے تلوا لیتے ہیں (یعنی اپنی اصلاح کرا لیتے ہیں) ان کی ہر جگہ مثل تلے ہوئے کباب کے عزت ہوتی ہے۔

جن حضرات نے اپنے کو کسی کامل اور ماہر کے حوالے کیا ان کی حالت ہی بدل گئی۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نور اللہ مرقدہٗ جب خانقاہ تھانہ بھون میں تھے کچھ بے اصولی کی بناء پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے حضرت خواجہ صاحب کو خانقاہ سے نکال دیا۔ ان کے اندر سچی تڑپ اور محبت تھی۔ یہ پھاٹک سے نکل کر فٹ پاتھ پر لیٹ گئے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو حضرت تھانویؒ نے جب نکال دیا ہے تو اب آپ اپنے گھر چلے جائیے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ان کی جگہ نہیں ہے، یہ جگہ تو سرکاری ہے، میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں اور ایک شعر پڑھا کرتے کہ ؎

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں ان کی کہیں میری

غرض کہ حضرت خواجہ صاحب پر حضرت تھانویؒ کو پھر ترس آیا کہ بے چارے کے اندر سچی طلب ہے۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد جب تاجِ خلافت لئے ہوئے خانقاہ سے نکل رہے تھے تو یوں فرماتے ہوئے گئے کہ ؎

نقشِ بُتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق آنکھوں کو آنکھ دل کو میرے دل بنا دیا
آہن کو سوزِ دل سے کیا نرم آپ نے نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا
مجذوب درسے جا رہا دامن بھرے ہوئے صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

بھائی! اپنے کو کسی ماہر اور کامل کے سپرد کر کے تو دیکھو، کیا مقام حاصل ہوتا ہے۔ آج کل ہم لوگ بس سندِ فراغت حاصل کر لیتے ہیں، بس سمجھتے ہیں کہ سب کچھ حاصل کر لیا۔ پھر شکوہ ہوتا ہے کہ علماء کی عزت نہیں۔ یاد رکھئے، جب تک ہم اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر کے تلوائیں گے نہیں، اس وقت تک مثل کچے کباب کے ہر جگہ بھوکے جائیں گے۔ بات اگرچہ تلخی لئے ہوئے ہے مگر حقیقت یہی ہے، جس کے اظہار پر میں مجبور ہوں۔

در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

فرمایا: آج کل بہت سے عالم احساسِ کمتری کے شکار ہیں، وہ بھی دنیا کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس جس علم کی انمول دولت ہے اس سے دُنیا کا خزانہ خالی ہے۔ عالموں کو احساسِ بلندی پیدا کرنا چاہئے اور اپنی قدر و قیمت پہچاننی چاہئے۔ جبھی دوسرے لوگ ان کی قدر و قیمت پہچانیں گے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

برخود نظر کشا، زتہی دامنی مرنج

در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

شاعر ہلال یعنی پہلی کے چاند کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے اوپر نگاہ کرو اور ابھی جو تمہارا دامن خالی ہے اس پر رنج مت کرو، اس حقیقت پر تو نظر کرو کہ تمہارے سینہ میں بدرِ کامل چھپا ہوا ہے ــــ اسی طرح علماء کے سینہ میں علومِ نبوت کا بدرِ کامل ہے، اس پر نگاہ رکھیں اور اپنی ظاہری حیثیت کو دیکھ کر رنج مت کریں۔ اُن کے پاس اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیادار اس سے محروم ہیں۔

علم کا لُطف کب حاصل ہوتا ہے؟

فرمایا: علم کا لطف عمل کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت اور عشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق و محبت کی دولت عاشقانِ خدا کی جوتیاں اُٹھانے سے ملتی ہے۔ ایک مدت عمر ان کی صحبت و خدمت میں رہ لے جس کی مقدار حضرت تھانویؒ

نے چھ ماہ فرمائی تھی اور طلباء سے فرمایا کہ دس سال درسِ نظامیہ میں لگاتے ہو، چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو گے کہ سینے میں علوم انبیاء کا فیضان موجزن ہوگا، اور اگر چھ ماہ مشکل ہو تو صرف چالیس ہی دن رہ لو ؎

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے

برجستہ جواب

جو لوگ علماء اور دینداروں کو ان کی وضع قطع پر طعنہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں ایک لطیفہ بیان فرمایا کہ پاکستان میں ناظم آباد روڈ پر ایک موٹے آدمی، ڈھائی من کے دوڑ رہے تھے، اور ان کی داڑھی بھی خوب تھی، ماشاء اللہ۔ ایک مشت شرعی داڑھی، ایک مسٹر جا رہے تھے، انہوں نے دیکھ کر کہا: مولانا اتنی بڑی داڑھی رکھ کر دوڑ رہے ہیں، کہنے لگے، بھائی! ہمارا جسم ڈھائی من کا ہے، ڈھائی من کا جسم لے کر جب میں دوڑ سکتا ہوں، تو اگر ایک چھٹانک کی داڑھی میرے ساتھ دوڑ رہی ہے تو آپ کو کیوں تعجب ہے؟

عجیب بات ہے، یعنی داڑھی والا، اپنی صحت نہ بنائے، صبح نہ دوڑے، ورزش نہ کرے۔ حضرت تھانویؒ دو میل روزانہ ٹہلتے تھے، اسی دوران پانچ پارے قرآن پڑھتے تھے۔

ہمارا تعلیمی نظام

فقیہ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ کے پرکشش قلم سے

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اسوقت ان کے علمی عظیم الشان کارناموں سے پوری دنیا واقف ہے وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق پوری طرح ادا کر دیتے ہیں موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے اس کتاب میں بھی موضوع کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

جس کا اندازہ آپ کو درج ذیل عنوانات سے بخوبی ہو جائیگا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تعلیم و تربیت	دار العلوم دیوبند
دینی مدارس کا نصاب و نظام	اصحاب مدارس کی خدمت میں
تعلیمی پالیسی	ملا اور دینی مدارس
دینی مدارس سے	عالمی تعلیمی کانفرنس
پاکستان میں دینی تعلیم کا سرسری جائزہ	علماء کے لئے لمحہ فکریہ

زمزم بکڈپو دیوبند
۲۴۷۵۵۴

قیمت

احکام و مسائل

قدم بڑھاؤ ترقی کرو ضرور ولے
رہے رسولؐ کے قدموں پہ سر خدا کیلئے

(اکبر الہٰ آبادی)

داڑھی کی حد

فرمایا: جہاں قبر میں ہماری نعش اُتری، پھر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اور سیرت پر حساب و فیصلہ ہوگا۔ نبی والی صورت لے کر آئے ہو یا اہل مغرب اور یورپ والوں کی شکل۔ اگر نبی والی شکل نہ ہوگی تو پوچھا جائے گا، تم نے نبی والی کیوں نہ بنائی کیا ہیں کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں والی شکل اچھی معلوم ہوتی تھی۔ کیا تم کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی رکھتے تھے اور سارے نبی رکھتے تھے۔ اس کو تم جنگل کہتے تھے کہ یہ جنگل کون لگائے چہرے پر۔ بھائی یہ شاہی باغ رسول اللہ کا باغ ہے تم اس کو جنگل کہتے تھے۔ اس پر استرہ پھیرنا تو حضورؐ کے باغ کو تراشنا اور مٹانا ہے اور ایک مشت یہ سرکاری حد ہے، اس سے ذرا بھی کم کرنا جرم ہے کہ یہ پلاٹ ہے جیسے مکان کا پلاٹ متعین ہوتا ہے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی فرماتے ہیں، کہ حضورؐ نے پلاٹ کی حدبندی کردی ہے۔ جمعرات کے دن، ہفتہ میں ایک دن جو حصہ بڑھ جاتا تھا اس کو کاٹتے تھے اور اس طرح پکڑ لیتے تھے کہ آگے نہ کٹ جائے۔ سیدالانبیاءؐ نے حدبندی کردی ہے۔ حدبندی حضورؐ کے دست مبارک سے ہوئی ہے۔ اب اگر آگے کاٹتے ہو تو سمجھو کہ حضورؐ کا دستِ مبارک کاٹ رہے ہو اور نبیؐ کے ساتھ گستاخی کر رہے ہو۔ میرے بھائی، مرنے سے پہلے پہلے اپنی حالت کو درست کرلو۔

ڈاڑھی والوں کا احترام

فرمایا: ایک صاحب ہیں میرے کرایہ دار ہیں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بھتیجے ہیں۔

ستر برس عمر ہے، ان کی شرعی ڈاڑھی بھی ہے۔ کہنے لگے کہ صاحب، جب میں بس میں کھڑا ہوتا ہوں تو غریب سے غریب پٹھان، جو بھی ہو، آؤ چچا، بیٹھو۔ خود سیٹ سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ مجھ سے عمر دراز لوگ کھڑے رہتے ہیں ــــ ۸۰ پچاسی برس کی عمر ہوتی ہے ان کی وہ پینٹ ہیٹ، کوٹ میں ملبوس رہتے ہیں۔ داڑھی مونڈ کر خود سے بھتیجہ بنے رہتے ہیں۔

بھائیو! یہ صرف داڑھی کی برکت ہے کہ وہ ڈاڑھی والا محترم بن جاتا ہے۔ دین و شریعت کے جو احکام ہیں ان پر ذرا آپ استقامت اور خلوص کے ساتھ عمل کر کے دیکھئے دنیا ہی میں اس کے کیسے کیسے برکات ظاہر ہوتے ہیں۔

ڈاڑھی کا سفید بال

فرمایا: اگر داڑھی کا ایک آدھ بال سفید ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک آدھ ہے اسے نکال دو۔ مگر ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ حضورؐ نے فرمایا، ڈاڑھی کے سفید بال نہ نکالو، اس لئے کہ یہ مومن کا وقار ہے۔ تم اپنا وقار اپنے ہاتھوں سے گرا رہے ہو۔

اسرار و حکم

اندازۂ ساقی تھا کس درجہ حکیمانہ
ساغر سے اٹھیں موجیں بن کر خطِ پیمانہ

(جگر مرادآبادی)

اک بار جس پر نظرِ کرم ہو جائے

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کا کیا پوچھتے ہو. جس پر اس کی نظرِ کرم پڑتی ہے، اور اسے اپنا بنا کر ایک بار "مقبول" کر لیتے ہیں تو پھر اسے کبھی "مردود" نہیں فرماتے ہیں ۔۔

حضرت مسطحؓ بدری صحابی تھے۔ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی. انھیں مقبول فرمالیا، اپنا محبوب بنالیا۔ پھر تو واقعۂ افک میں جبکہ حضرت ابوبکرؓ ان سے سخت ناراض ہو گئے تھے۔ اس مقبولیت اور محبوبیت کا یہ اثر کہ خود اللہ تعالیٰ ان کے حق میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سفارشی بن گئے. مستقل آیات نازل فرمائیں جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ترغیب دی گئی کہ ان کے قصور کو معاف کر دیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی مغفرت کا لالچ بھی دلایا کہ اگر تم اس کے قصور کو معاف کر دوگے تو تم میری مغفرت و رحمت کے مستحق ٹھیرو گے۔ اور کون ہے جسے میری مغفرت و رحمت کی طلب نہ ہو اور اس سے بے نیازی برتے؟ چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان کے قصور کو معاف کر دیا، ان سے اپنے غصہ کو ختم کر لیا۔ پہلے سے ایک عزیز و قریب ہونے کے ناطے ان کی جو مالی امداد کر رہے تھے پھر سے جاری کر دی — تو دیکھا آپ نے، حضرت مسطحؓ کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں جب مقبول بنالیا تو پھر مقامِ مقبولیت سے انھیں نہیں گرایا، مردود نہیں فرمایا۔ آپ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول بننے کی کوشش کیجئے. کسی عمل کو چھوٹا نہ سمجھئے. کیا پتہ ایک چھوٹا عمل ہی اس کی نظر میں آپ کو مقبول بنا دے۔ اور پھر زندگی بھر آپ مردود نہ ہوں۔ اس کے نوازنے کے بہر حال انداز نرالے ہیں۔

رضائے دائمی

فرمایا: ایک دفعہ مولانا تھانویؒ نے مولانا گنگوہیؒ سے درخواست کی کہ حضرت! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضائے دائمی حاصل ہو۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ "دائمی" کی قید کیوں؟ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو جاتا ہے پھر اس سے ناراض نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مستقبل کا علم ہے۔ وہ اسی سے راضی ہوتا ہے جس کے بارے میں علم ہے کہ یہ مجھے ناراض نہیں کرے گا، اور اگر ناراض بھی کرے گا تو اس کو توبہ کی توفیق ملے گی۔ اور میں اس کو معاف کر دوں گا۔ حضرت گنگوہیؒ کے اس ملفوظ کو نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگوں کے بارے میں آپ سنتے ہیں کہ وہ خدا کا مقبول بندہ تھا پھر مردود ہو گیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ہی سے وہ مقبول نہیں تھا بلکہ مردود تھا اس لئے مردود ہی رہا۔ شیطان بھی فی الحقیقت پہلے سے مردود تھا، مقبول نہیں ہوا تھا۔ وگرنہ یہ مردود (خدا کی رحمت سے دُور) نہ ہوتا۔

یاد رکھئے وفاداروں کی سرٹیفکٹ اور سند اللہ تعالیٰ اسی کو دیتے ہیں جس کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ مجھ سے غداری نہیں کرے گا۔ خلوصِ دل سے کوشش کیجئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقبول بنیں، پھر مردود نہیں ہوں گے۔

جنگل کی فضاؤں کا نور

فرمایا: حضرت تھانویؒ بعد فجر مسجد سے نکلتے اور جنگل کی طرف چلے جاتے۔ مسجد کی پشت سے متصلاً جنگل شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت تھانوی نے فرمایا:۔ "جنگل کی فضاؤں میں جو نور عطا ہوتا ہے، جو علوم ملتے ہیں وہ وہیں کا حصہ ہیں۔ کیونکہ جنگل میں آبادی نہیں ہوتی اس لئے وہاں کی فضا گناہ کی آلودگی سے پاک ہوتی ہے اور نور ہی نور ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا جب میں جنگل میں خدا کو یاد کرتا ہوں تو میرا قلب نور سے بھر جاتا ہے۔ گناہ تو آبادی میں ہوتا ہے، اس لئے آبادی کی فضا سے جنگل کی فضا بہتر ہوتی ہے۔ مگر شہر والوں میں جنگل کہاں نصیب؟ اگر بعض شہروں میں کار پر بھی دو گھنٹہ سفر کریں پھر بھی وہ شہر ختم نہیں

ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کا فضل ہے کہ شہروں میں بہت سے اللہ والے ہوتے ہیں جن کی مجلس جنگل کی فضا سے زیادہ نورانی اور ان کی صحبت زیادہ فیض بخش ہوتی ہے۔ یہ دراصل اپنی جستجو اور ذوق وشوق پر موقوف ہے کہ ایسی با فیض صحبتوں کو ہم پالیں۔

چھینک کے وقت الحمدللہ کہنے کی حکمت

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اگر کسی کو چھینک آئے تو وہ "الحمدللہ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) کہے۔ لوگوں نے اس موقع پر الحمدللہ کی تعلیم دیئے جانے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ لیکن ایک حکمت ان سب میں نرالی ہے۔ شاید آپنے یہ حکمت نہ کسی کتاب میں پڑھی ہو نہ کسی سے سنی ہو۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں بنایا ہے مگر جب اس کو چھینک آتی ہے تو اس وقت اس کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ چونکہ چھینک کے بعد شکل اپنی حالت پر عود کر آتی ہے اور اس کا بگاڑ ختم ہو جاتا ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ الحمدللہ کہو تاکہ اللہ کی عظیم نعمت جو تم سے خواہ ایک آن کے لئے ہی سہی مگر چھین لی گئی تھی اور اب واپس کر دی گئی ہے۔ اس پر تمہاری طرف سے "شکر" ادا ہو سکے۔

سوچئے، چھینک کے بعد الحمدللہ کہنا بظاہر کتنی معمولی بات ہے لیکن اس میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ ہے۔ شریعت کی ہر تعلیم میں اس طرح کی حکمتیں چھپی ہوئی ہیں خواہ ہمیں ان کا ادراک ہو سکے یا نہیں، تاہم ہم ہر تعلیم پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ یہی پابندی ایک بندہ کو خدا کا بندہ بنا دیتی ہے۔ یہ حکمت الحمدللہ کہنے کی حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمائی ہے جس کو احقر نے اپنے شیخ مرشد حضرت پھولپوریؒ سے سنا ہے۔

گناہوں کے تقاضوں کا علاج

فرمایا: خدائے پاک سے تعلق کے علاوہ پوری کائنات میں تلاش کر ڈالو کہیں چین نہ پاؤ گے۔ گناہ کی لذت عارضی ہے اور دائمی بے سکونی کا سبب ہے جیسے خارش

میں جب جلد ناتندرست ہو جاتی ہے تو کھجلانے میں لطف ملتا ہے، لیکن کھجلانے کے بعد جلن اور تکلیف کتنی بڑھ جاتی ہے۔ پس تقاضائے خارش کا علاج جس طرح کھجلانا نہیں بلکہ خون صاف کرنے کی دوا استعمال کر کے جلد کو تندرست بنانا ہے اور جب جلد تندرست ہو گی تو خارش نہ اُٹھے گی۔ اسی طرح گناہوں کے تقاضوں کا علاج گناہ کرنا نہیں بلکہ دل کے فساد کا علاج کرنا ہے۔ جب دل سلیم ہو جائے گا ان فاسد خیالات سے نجات مل جائے گی۔

دل کے رابطہ کی مثال

فرمایا: حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ تھانویؒ سے سوال کیا کہ حضرت! اللہ والے دنیا کے مشغلوں میں کس طرح سے حق تعالیٰ کا اپنے قلوب میں دھیان قائم رکھتے ہیں؟

ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ شہر جونپور ہے۔ عورتیں کنوئیں سے پانی بھر کر دو گھڑوں کو اس طرح لے جا رہی ہیں کہ ہر عورت کے سر پر ایک ایک گھڑا ہے اور ایک ایک بغل میں ہے۔ اور گفتگو کرتی ہوئی جا رہی ہیں۔ سر کے گھڑوں کو انھوں نے ہاتھ سے پکڑا ہوا نہیں ہے صرف قلب کے دھیان اور خفیہ رابطہ قائم ہے۔ اگر گفتگو کے دوران ان کا دل سر کے اوپر والے گھڑوں سے غافل ہو جائے تو گھڑا زمین پر آ رہے۔ بس اسی مثال سے سمجھ لو کہ اللہ والے تعلق مع اللہ کی دائمی دولت سے کس طرح سرفراز رہتے ہیں۔ البتہ اس رسوخ میں انھوں نے بڑے بڑے مجاہدات جھیلے ہیں۔ ذکر کا التزام، فکر کا دوام، صحبتِ اہل اللہ کا اہتمام ایک طویل مدت کیا ہے، جب یہ دولت عطا ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

کامیابی تو کام سے ہو گی — نہ کہ حُسنِ کلام سے ہو گی
ذکر کے التزام سے ہو گی — فکر کے اہتمام سے ہو گی

فرض نماز کے بعد استغفار کی حکمت

فرمایا: مولانا پھولپوریؒ فرماتے ہیں، عارف اپنی ہر عبادت میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کے پیش نظر نقصان اور قصور دیکھتا ہے۔ یہی راز ہے کہ نماز فرض کے بعد سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار فرمایا کرتے تھے۔ نماز کے بعد فوراً استغفار کرنے میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ استغفار نام ہے کسی معصیت سے مغفرت طلب کرنے کا، اور نماز ایک محبوب ترین عبادت ہے۔ تو اس اشکال کا یہی حل ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شایان شان نماز کا حق بندوں سے ادا نہیں ہو سکتا اس لئے نماز کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ آپ کی کبریائی کے مقابلہ میں میری غلامی میں جو نقصان اور قصور ہوا ہے میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔

اور دنیا میں اس کا نمونہ بھی موجود ہے کہ جب کسی معزز مہمان کو رخصت کرتے ہیں تو باوجود صد احترام اور آداب مہمان نوازی بجالانے کے نہایت شرمندگی سے نیاز مندانہ چہرہ بنا کر کہا کرتے ہیں کہ کیا بتاؤں آپ کی خاطر کا حق ادا نہ ہو سکا، کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف فرمائیے گا۔

جب ایک بندہ، بندوں کے حق میں کامل طور پر مطمئن نہیں ہوتا ہے کہ نہ معلوم کونسی بات مہمان کو ناگوار خاطر ہوئی ہو۔ تو کہاں بندہ اور کہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک

چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا

پس عارفین ہر عبادت کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں کہ اے اللہ جو کچھ مجھ سے اس عبادت میں کوتاہی ہوئی ہے معاف فرما دیجئے۔ وہ جاہل عابد ہوتا ہے جو عبادت کر کے اپنے کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

مدارات اور مداہنت کا فرق

فرمایا: حضرت پھولپوریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مرشد حضرت تھانویؒ نے مدارات اور مداہنت کا یہ فرق ارشاد فرمایا ہے کہ مدارات کا حاصل اہلِ جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ وہ دین کی طرف آجائیں اور اہلِ شر کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے۔ اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اوّل تو خود دین میں مقصود ہے، ثانی مقصود میں معین ہے کیونکہ شریر کی ایذا میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔

اور مداہنت بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان سے مال اور جاہ کا نفع حاصل کرے۔ مدارات کے متعلق حضور ارشاد فرماتے ہیں: بُعِثْتُ بِمُدَارَاةِ النَّاسِ (دھب عن جابر، ض) میں صفتِ مدارات کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں (اور بعثت کے مقاصد میں یہ صفت معین ہے) عارف سالک اور غیر عارف سالک میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ماحول اور صحبت

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(اکبر الٰہ آبادی)

اولیاء اللہ ہر زمانہ میں موجود ہیں

فرمایا: لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل شیخ اور مرشد اچھے نہیں ملتے۔ اس لئے ہم کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایک طرح کا الزام ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ ٥	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایسے "صادقین" کو پیدا فرماتے رہیں گے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ جس کا وجود اس کے کارخانۂ قدرت میں نہ ہو "تکلیف مالایطاق" ہے جس سے اس کی ذات بَری ہے۔ جس کی شہادت یہ آیت کریمہ دے رہی ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ٥	اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

معلوم ہوا کہ ہر دَور اور ہر عہد میں باصدق وباصفا مشائخ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کو ان کی صحبت ومعیت کا شرف حاصل ہوتا رہے جس سے اللہ کی یاد آئے، دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی فکر بڑھے ــــ کوئی ان مشائخ اور بزرگوں کو نہ جانے اور پہچانے تو اس کی یہ کم نگاہی ہے اور طبیعت کی سہل انگاری کا کرشمہ ہے، اس میں قانونِ قدرت کا کوئی قصور نہیں۔

فرمایا: دیکھئے، آج کوئی مریض ہوتا ہے تو وہ کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس علاج کے لئے ضرور جاتا ہے۔ ایسے مریض کے لئے کبھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ آج کل کے ڈاکٹر اور حکیم اچھے نہیں ہیں۔ اس لئے مجھے اپنی حالت میں رہنے دو، میں علاج نہیں کراتا، ہاں حکیم اجمل خاں اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو ان سے میں علاج کراؤں گا ـــــ تو جب لوگ اپنے امراضِ جسمانی میں اسی زمانے کے حکمائے جسمانی کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور شفا پاتے ہیں تو کیا اپنے امراضِ روحانی میں اس دَور کے حکمائے روحانی سے ربط و تعلق پیدا کر کے ان امراض سے نجات نہیں پائیں گے؟ یقیناً پائیں گے۔ اگر لوگوں کے اندر اس کی فکر ہو، اور مرض کا احساس ہو اور یہ خیال ہو کہ "روح" کی بیماری، جسم کی بیماری سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

فرمایا: آپ کے ہندوستان میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، مولانا مسیح اللہ خاں صاحب، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب، مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی[لہ] یہ سب حکمائے روحانی ہیں، ان میں سے جس کسی کے پاس آپ نیازمندانہ حاضر ہوں گے آپ کی بیمار روح ان شاء اللہ شفا پائے گی اور وہ سکون ملے گا جسے آپ دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر کے حاصل نہیں کر سکتے۔

ایک افسوسناک واقعہ

فرمایا: بھائیو، میں جو یہ کہتا ہوں کہ اللہ والوں کی مجلس میں آؤ، تو اس سے مراد حقیقی اللہ والے ہیں، فریبی اور دنیادار نہیں۔ ورنہ دنیا کی خاطر دین فروشوں کی کمی نہیں ہے۔ فرمایا ـــ ایک سینما کا مالک ایک عالم کو اپنے پاس لے گیا۔ اور کہا کہ یہ سینما کی آمدنی کا کھاتہ ہے نیا سال شروع ہو رہا ہے اس لئے آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پر "بسم اللہ" لکھ دیجئے۔ مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ ایک تو حرام کی آمدنی اور اس پر بسم اللہ سے شروع۔ اس نے سختی سے انکار کر دیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے۔ سینما کے مالک نے پہلے تو خوشامد کی، پھر

[لہ] ان میں سے بعض بزرگ خدا کو پیارے ہو گئے، اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔ اور درجات کو بلند فرمائے۔ البتہ ان کی تصانیف اور خلفاء سے استفادہ کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے۔

لالچ دیا۔ مگر جب یہ صاحب انکار پر مُصر رہے تو انھوں نے کہا ــ واہ مولانا صاحب، اس سے پہلے تو دوسرے فلاں مولانا صاحب ہر سال اس پر بسم اللہ لکھتے تھے اور ہیں معقول نذرانہ بھی پیش کیا کرتا تھا۔ انھوں نے کہا، ہاں وہ کرتے ہوں گے۔ وہ الگ مکتبِ فکر کے ہیں، ہم تو وہ ہیں جن کو آپ لوگ "وہابڑنے" کہا کرتے ہیں۔

بھائیو! سنا آپ نے، حرام کمائی کرنے والا اللہ کے نام کو بے عزت کررہا ہے، اس کے ساتھ مذاق کر رہا ہے اور یہ دھوکہ باز، ریاکار بزرگ لوگ اپنا معقول معاوضہ لے کر اس حرام کاری کا حوصلہ بھی بڑھا رہے ہیں۔

اس لئے میرے بھائیو! سچے اللہ والوں کے ساتھ رشتہ جوڑو، ان کی صحبت اختیار کرو، فکر ونظر کی اصلاح ہوگی، عمل درست ہوگا اور دین و دنیا کا فائدہ ہوگا۔

ماحول کا اثر

فرمایا: آج ہمارا حال مختلف ہے۔ اللہ والوں کی مجلس سے ہم بھاگتے ہیں ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ وعصیان کا ماحول ہے، گرد وپیش سے عام انسان تو عام انسان ہے "ولی" بھی متاثر ہوجاتا ہے۔ سینما اور گانوں کی آواز، دنیا کی فحاشی یہ سب کچھ انسان کو متاثر کرتے ہیں ــ عاد وثمود کی بستی سے جب گزر ہوا تو حضورؐ نے منہ چھپا لیا اور صحابہؓ کو جلدی سے گزر جانے کے لئے فرمایا ــ دیکھئے ماحول کا اثر، حضورؐ کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اثر کا خوف نہ ہوتا تو جلدی سے کیوں گزرتے؟ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ بُرے ماحول سے کٹ کر اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھو، نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے اثرات پڑیں گے۔

ساز اور آواز کا تباہ کُن اثر

فرمایا: بھائیو، اپنی خبر لیجئے، آپ کے اردگرد جو گندگیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سے بچئے۔ یہ گندے رسائل واخبارات، یہ سینما، یہ ٹیلی ویژن یہ ریڈیو اور اس میں بجنے والے گانے

کیا ہیں؟ یہ سب انسانوں کو برباد کرنے والے ہیں۔ ان گندگیوں کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے اور انسان میں یہ گندگی گھر کر جاتی ہے۔ اس لئے ان سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ سب شیطانی حربے ہیں' ان کے ذریعہ وہ انسانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں سانپ کتنا تیز اور ہوشیار ہوا کرتا ہے۔ مگر جب وہ بین کی آواز سنتا ہے تو مدہوش ہو جاتا ہے' جھومنے لگ جاتا ہے اس کو کچھ خبر نہیں رہتی ہے اور سپیرا آسانی کے ساتھ اس کو گرفتار کر لیتا ہے۔ سانپ کی ساری چالاکی' پھرتی اور دفاعی قوت مفلوج ہو جاتی ہے ــ اسی طرح انسان جب گانے سنتا ہے تو وہ حقیقت کی دنیا سے غافل ہونے لگتا ہے' اس میں ایک مدہوشی کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے اور پھر شیطان آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیتا ہے اور پھر جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے ــ اس لئے میرے بھائیو! ان چیزوں سے پرہیز کیجئے۔

صحیح علاج کی ضرورت

فرمایا: مولانا رومیؒ نے ایک مثال کے ذریعہ بتایا ہے کہ اپنے مرض اور رنج و غم کا علاج خود نہیں بلکہ اللہ والوں کے مشورہ پر عمل اور احکام کی پیروی اور صحبت میں بیٹھ کر علاج کرو ــ حضرت رومیؒ نے فرمایا: اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک گدھا ہے' اس کو زخم ہے اور جب کبھی مکھی بیٹھتی ہے تو وہ اس کو اڑانے کے لئے دولتی جھاڑتا ہے' وہ تو مکھی اڑانا چاہتا ہے مگر چوٹ سے زخم بڑھتا جاتا ہے۔ فرض کرو' اگر وہ گدھا خود سے نہیں بلکہ کسی سمجھ دار سے اپنا علاج کرائے گا تو پہلے وہ اس کا دونوں پاؤں باندھ دے گا کہ وہ خطرناک ہے پھر وہ دوائی لگائے گا' ورنہ پاؤں باندھنے سے پہلے دوائی لگائی جائے تو وہ گدھا مکھی کے ساتھ دوا کو بھی اُڑا دے گا۔ پاؤں باندھ دے گا پھر مرہم لگائے گا' پہلے ایک دو مکھی بیٹھے گی مگر اندر ہی اندر دوا اپنا کام کر جائے گی' زخم چھوٹ جائے گا۔ پھر نہ مکھی بیٹھے گی اور نہ وہ گدھا پاؤں مارے گا ــ یہی حال انسانوں کا سمجھ لو۔ اگر انسان خود اپنا علاج شروع کر دے دشمنوں کی عداوتوں سے خود نپٹنا شروع کر دے تو عداوت اور بھڑکے گی' مرض اور بڑھے گا۔ مگر جب

وہ کسی اللہ والے کے پاس جائے گا تو پہلے وہ کچھ باتوں اور کاموں سے روک دے گا کہ وہ اس کے زخم اور مرض کے لئے زہر ہوگا۔ پھر وہ اوراد و وظائف بتائے گا۔ اللہ کی یاد دل میں گھر کر جائے تو اندر اندر مرض ختم ہوتا جائے گا، لوگوں کی عداوتیں ختم ہو جائیں گی ــ جب زخم ہی نہ رہے تو پھر مکھی کہاں بیٹھے گی۔

بہر حال میرے بھائیو! صبر ہی میں خیر ہے، اللہ والے کی مجلس میں یہ چیز پیدا ہو سکتی ہے ــ صبر کی دوا اس زخم کو مندمل کر دیتی ہے جس پر عداوتوں اور طنز کی مکھی بیٹھا کرتی ہے۔

اللہ والوں کی صحبت

فرمایا: دنیا سے بے نیازی کی صفت اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ والے قیامت تک رہیں گے۔ شرط صرف تلاش، پیاس اور تڑپ کی ہے۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا کہ لیلیٰ کا جب انتقال ہوا تو مجنوں کو خبر نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں قبرستان پہنچا تو ہر قبر کی مٹی سونگھتا پھر رہا تھا۔ لیلیٰ کی قبر کی مٹی سونگھتے ہی وہ دیوانہ وار کہنے لگا "یہی ہے یہی ہے۔" فرمایا کہ اگر تمہاری روحوں میں اللہ کا عشق ہو تو اللہ والوں کے جسموں کی خوشبو سونگھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ اس کے قلب میں "اللہ" ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے تمہارے اندر مجنوں کی تڑپ اور بے قراری اور حقیقت کی طلب و پیاس ہو۔ اللہ ہم سبھوں کو اس درد و تڑپ سے آشنا فرمائے۔

اہل اللہ کی صحبت کے فیوض و برکات

فرمایا: اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے۔ ان کی صحبت بابرکت سے چار وجہوں سے فیض حاصل ہوتا ہے:

(۱) پہلی وجہ نقل ہے۔ یعنی انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے نقال واقع ہوا ہے۔ جب آپ اہل اللہ کی صحبت میں رہیں گے اور شب و روز ان کے طریقۂ مناجات، ان کے طریقۂ فریاد،

ان کے آداب و اخلاق اور خدا کے حضور ان کے رونے اور گڑگڑانے اور نالۂ نیم شبی کو دیکھیں گے تو ممکن نہیں کہ آپ ان صفاتِ عالیہ کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ کی نقّال طبیعت یقیناً ان اعمال میں نقل کی سعی کرے گی۔

(۲) دوسری وجہ صحبت کی عام برکت ہے۔ اگر کوئی اہل اللہ کی صحبت میں بغیر کسی خاص ذہن و فکر کے آئے اور کوئی غرض بھی ہو جب بھی وہ اس کی برکت کو محسوس کرے گا۔ اور آہستہ آہستہ ان کی مقناطیسی شخصیت اپنی طرف کھینچتی رہے گی۔

(۳) تیسری وجہ معرفت ہے۔ یعنی ان کی صحبت سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ نفس اور شیطان سے مقابلہ کرتے ہوئے اسے کس طرح مغلوب کیا جائے؟ ان کی صحبت سے اس کا فن آتا ہے۔ نفسانی اور شیطانی مکر و فریب سے ایک انسان خوب واقف ہو جاتا اور ان سے بچنے کی تدبیروں سے اچھی طرح آگاہ ہو جاتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ دُعا ہے۔ یعنی یہ جہاں ساری اُمت کے لئے دعا کرتے ہیں وہاں خصوصیت کے ساتھ اپنے متعلقین اور مریدوں کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی مخلصانہ دُعا بہرحال قبولیت کی تاثیر رکھتی ہے۔

ان چار وجوہ کے علاوہ مولانا رومیؒ ایک اور وجہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ دلوں میں سے دلوں میں خفیہ راستے ہوتے ہیں۔ غیر مرئی طور پر اللہ والوں کے دلوں کی ایمانی طاقت ان کے ہم نشینوں پر اثر کرتی ہے۔ اور ان کے طاقتور یقین کا نور ان کے جلیسوں کے ضعیف اور کمزور یقین کو توانائی بخشتا اور نورانی بناتا رہتا ہے۔

مولانا رومیؒ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو، دو چراغ ہوتے ہیں، ان کا وجود اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوتا ہے مگر فضا میں دونوں کے نور ایک ہوتے ہیں، ان میں کوئی علٰحدگی نہیں ہوتی اسی طرح اللہ والے کا جسم اور تمہارا جسم تو الگ الگ ہے مگر ان کے دل کا کامل نور تمہارے ضعیف نور کو کامل کردے گا اور درمیان میں جسم حائل نہیں ہو سکے گا۔

اگر بات یاد نہ رہے

فرمایا: بزرگوں کی صحبت اور اس کی تعلیمات سے اپنے کو آراستہ کیجئے۔ بزرگانِ دین جو نصیحت کریں اس کو غور سے سُنیں اور اس پر پابندی سے عمل کریں۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ بات تو یاد ہی نہیں رہتی ہے، پھر سن کر کیا فائدہ؟

میرے بھائیو! بات یاد نہ رہے تو اس کی فکر نہ کیجئے۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے، جس طرح غذا کھا کر انسان بھول جاتا ہے مگر اس کے اثرات جسم میں باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر بات آپ بھول جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے نورانی اور روحانی اثرات باقی رہتے ہیں۔ ماحول اور صحبت کا اثر ہر حال میں ہوتا ہے۔

ایک شیطانی دھوکہ

فرمایا: یہ کہنا کہ اب اس زمانہ میں اللہ والے کہاں، مسلمانی در کتاب اور مسلمانان در گور۔ تو یہ محض شیطانی دھوکہ ہے جس دن اللہ والے نہ ہوں گے تو یہ زمین و آسمان بھی نہ ہوں گے۔ قیامت تک اہل اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہاں ان کی پہچان سب کو نہیں ہوتی اپنے ماحول کے نیک بندوں سے معلوم کرنے سے ان کا پتہ چل جائے گا۔ جن کی صحبت سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت، آخرت کی فکر پیدا ہو، دنیا کی محبت کم ہونے لگے اور اخلاق و اعمال کی درستی ہونے لگے تو سمجھ لو کہ وہ اللہ والا ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جس کی صحبت میں دس آدمی بیٹھتے ہوں تو ان میں اگر ۵ یا ۶ آدمی بھی نیک بن گئے تو سمجھ لو کہ یہ صاحبِ برکت ہے، اللہ والا ہے۔

میں بھی کسی کا بگاڑا ہوا ہوں

فرمایا: ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے پاس آیا۔ اس کا لڑکا اس کے

ساتھ تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حضرت! اسے آپ "بنا دیجئے"۔ وہ لڑکا حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت اور صحبت میں رہنے لگا جس کے اثرات اس کی زندگی پر مرتب ہوتے رہے۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ اللہ والا ہو گیا۔ جب گھر آیا تو کھیتی باڑی میں جی کم لگنے لگا۔ نماز، قرآن کی تلاوت اور اذکار میں اس کا شغف اور انہماک بڑھا ہوا تھا۔ وہ شخص حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کرنے لگا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے لڑکے کو بنا دیجئے مگر آپ نے تو اسے "بگاڑ دیا" حاجی صاحب نے فرمایا: ظالم! میرے پاس کیوں لایا تھا، میں بھی تو کسی کا بگاڑا ہوا ہوں۔ ظاہر ہے میری صحبت میں رہے گا تو وہ بگڑے گا ہی"۔۔۔ گویا حاجی صاحب نے "اصلاح" کو "بگاڑ" سے تعبیر کیا۔ اسے بلاغت کی اصطلاح میں "تاکید المدح بما یشبہ الذم" کہتے ہیں۔ یعنی عنوان تو بظاہر ذم اور برائی کا ہو مگر مقصود اس سے مدح اور تعریف میں مبالغہ ہو۔

اہل اللہ کی صحبت کا فائدہ

فرمایا: حافظ عبدالولی صاحب بہرائچی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامتؒ کو لکھا کہ حضرت میرا حال بہت خراب ہے نہ جانے قیامت کے دن میرا کیا حال ہو گا۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ان شاء اللہ بہت اچھا حال ہو گا. اگر کاملین میں نہ اٹھائے گئے تو ان شاء اللہ تابعین میں ضرور اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بھی بڑی نعمت ہے اور فرمایا کہ یہ ہمارے سلسلہ کی برکت ہے جو لوگ اللہ والوں سے جڑے رہتے ہیں محروم نہیں رہتے۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں ان کو باغبان گلستاں سے نہیں نکالتا، لیکن جو خالص کانٹے ہیں اور پھولوں سے اعراض کئے ہوئے ان سے مستغنی اور دور ہیں، ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

آں خارمی گریست کہ اے عیب پوش خلق ؛ شد مستجاب دعوت او گلعذار شد

ایک کانٹا زبانِ حال سے رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدا! میرا عیب کیسے چھپے گا کہ میں تو کانٹا ہوں۔ اس کی یہ فریاد و گریہ زاری قبول ہوئی اور حق تعالیٰ کے کرم نے اس کی عیب پوشی اس طرح فرمائی کہ اس پر پھول اگا دیا جس کی پنکھڑیوں کے دامن میں اس خار نے اپنا منہ چھپا لیا۔ پس اگر ہم کانٹے ہیں نالائق ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا کریں۔ اس کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ اوّل تو ہم خلعتِ گل سے نواز دیئے جائیں گے یعنی اللہ والے ہو جائیں گے۔ ورنہ اگر کاملین میں نہ ہوئے تو تابعین میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اٹھائے جائیں گے۔ مثلِ خار کے محروم نہ رہیں گے۔ اس مضمون کو احقر نے اپنے اشعار میں یوں بیان کیا ہے، شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے:

ہمیں معلوم ہے تیرے چمن میں خار ہے اختر
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر
چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گلِ تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

اہل اللہ کی صحبت کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والا گناہ پر قائم نہیں رہتا توفیق توبہ ہو جاتی ہے اور شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے، بخاری کی روایت ہے: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ یعنی یہ ایسے مقبولانِ حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم اور شقی نہیں رہ سکتا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحؒ نے شرح بخاری فتح الباری جلد (۱۱) میں حدیث شریف کے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے۔ اِنَّ جَلِيْسَهُمْ يَنْدَرِجُ مَعَهُمْ فِيْ جَمِيْعِ مَا يَتَفَضَّلُ اللّٰهُ بِهٖ عَلَيْهِمْ اِكْرَامًا لَّهُمْ اہل اللہ صالحین کی صحبت میں بیٹھنے والا انہیں کے ساتھ درج ہو جاتا ہے، ان تمام نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو عطا فرماتا ہے اور یہ اہل اللہ کا اکرام ہوتا ہے جیسے معزز مہمان کے ساتھ ان کے ادنیٰ خدام کو بھی وہی اعلیٰ نعمتیں دی جاتی ہیں جو معزز مہمان کے لئے خاص ہوتی ہیں، پس

اہل اللہ کے جلیس و ہمنشین کو بھی ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے،

حضرت علامہ الحاج فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے اندر دین کی پیاس ہی نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ والوں کی صحبت میں جس طرح طالبین صادقین فیضیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے قلوب دین کی طلب اور پیاس سے خالی ہیں، ان کو اللہ والوں کی صحبت سے دین کی پیاس اور طلب بھی عطا ہوتی ہے، یہ نہ سوچنا چاہیئے کہ جب ہمارے اندر دین کی طلب صادق نہیں ہے تو ہم کو اللہ والوں کے یہاں کیا ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں پارس پتھر کا اثر رکھا ہے اور پارس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ لوہا جب اس سے چھو جاتا ہے تو فوراً سونا بن جاتا ہے۔

سلوک و تصوف

سخن میں یوں تو بہت موقع تکلّف ہے
خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوّف ہے

(اکبر الٰہ آبادی)

سلوک کیا ہے؟

فرمایا: بھائیو! انسان کے اندر ظاہری و باطنی جو مرض ہوتا ہے، عجب و کبر وغیرہ ان تمام چیزوں سے سلوک انسان کو بچاتا ہے۔ انسان سے عجب باطنی اور کبر ظاہری کو نکال کر عجز و خلوص پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے لئے ایک قسم کی باقاعدہ محنت اور مجاہدہ درکار ہوتا ہے۔ اس محنت و مجاہدہ کو سلوک کے وظائف کہتے ہیں۔

بھائیو! غیر اللہ سے جتنی محبت ہوتی ہے ان میں سب سے خطرناک چیز "حبِ جاہ" ہے۔ یہ بڑی مشکل سے سب سے آخر میں نکلتی ہے۔ اس کے لئے بڑی ریاضت درکار ہوتی ہے۔

حضورؐ کے چچا ابو طالب کو حضورؐ سے بے پناہ محبت تھی، ہر طرح کی مدد کرتے تھے انسانی حد تک سہارا تھے اور مضبوط سہارا۔ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو حضورؐ نے کلمۂ طیبہ پڑھنے کی نہ صرف درخواست کی بلکہ اصرار کیا۔ مگر اس نے جواب دیا:۔

اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَی الْعَارِ۔ یعنی اس کلمہ کے بعد لوگ کہیں گے کہ ابو طالب نے آخری وقت ڈر کر آبائی دین کو چھوڑ دیا۔ اس طرح میری سرداری کی عظمت کو داغ لگ جائے گا اور منصب بدنام ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے اس عار و شرمندگی کے مقابلہ میں دوزخ کی آگ کو اختیار کر لیا۔

بھائیو! دیکھا آپ نے "حبِ جاہ" یہاں بھی نہ گئی۔ اسی لئے بزرگانِ دین ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ یہ تمام ذلیل خصائل محنت و مجاہدۂ نفس کے ذریعہ مٹا دیئے جائیں۔ بس اسی کا نام سلوک ہے۔

مِٹنا ہی آباد ہونا ہے

فرمایا: طریقت و تصوف کی دنیا میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے کو مٹا دے، خاک میں مل کر ہی "گل و گلزار" بن سکتا ہے۔ یہاں "میں" کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب تک اپنے کو خالی کر کے نہیں لائے گا تو اس میں وہ کیا بھر کر لے جائے گا۔ میرے بھائی! اسی لئے کہتا ہوں کہ مرشد کے حوالہ کر دو اپنے آپ کو۔ ان کے سامنے اپنی بڑائی کا احساس لے کر مت جاؤ۔ جب تک مکمل انقیاد و اطاعت بلکہ سپردگی نہیں پائی جائے گی اس وقت تک اس راہ کی صحیح منفعت سے ہمکنار ہونا مشکل ہے۔ حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ نے کیا خوب درخواست کی تھی، آہ ؎

میں کچھ اور خواہش آپ کے در پر نہیں لایا ہوں
مٹا دیجئے مٹا دیجئے، میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے پوچھا تھا، خدایا آپ کا قرب کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ جواب مرحمت ہوا "دَعْ نَفْسَكَ وَ تَعَالَ اِلَیَّ۔" "اپنے نفس کو چھوڑ دو اور میری طرف چلے آؤ۔"

بھائیو! یہ نفس اور اس کے تقاضے بہت خطرناک اور خدا تک پہنچنے میں سدِّ راہ ہوا کرتے ہیں۔ جب تک اس سے مکمل چھٹکارا نہ مل جائے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ بھائیو! لوگ مرشدوں اور مربیوں کے پاس جاتے ہیں مگر ساتھ ساتھ "انا" بھی لیتے جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہاں میری خوب آؤ بھگت ہو، خاطر و مدارات ہو۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ اپنے مربیوں کے پاس ایسا احساس لے کر ہرگز نہ جاؤ، اسی میں طالب کا فائدہ ہے۔ حضرت خواجہؒ ہی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہم خاک نشینوں کو نہ مسند پہ بٹھاؤ
یہ عشق کی توہین ہے اعزاز نہیں ہے

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ باوجودیکہ بڑے عالم و فاضل تھے مگر دہلی کی گلیوں اور سڑکوں

پر اپنے مرشد حضرت سید صاحبؒ کی جوتیاں سر پہ لئے مرشد کی سواری کے پیچھے دوڑتے تھے۔ اس لئے کہتا ہوں کہ بھائیو! مرشد سے عقیدت و محبت ہونی چاہئے۔ ان کے سامنے اپنی ہستی کو طالب و محتاج کی طرح پیش کرنی چاہیے۔ یہی عشق و سرمستی، سربلندی و کامرانی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

فرمایا: میدانِ جہاد میں دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا جانا یقیناً مقامِ شہادت کو حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء، صدیقین اور صلحاء کے ساتھ خصوصی انعام واحسان کا وعدہ کرتے ہوئے "شہداء" کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یعنی انھیں بھی اپنے خصوصی انعام سے نوازیں گے۔ مگر فضیلتِ شہادت صرف میدانِ جہاد ہی میں حاصل نہیں کی جاسکتی اسے ہم اپنی عام زندگی میں بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ اس وقت جبکہ ہم نفس کی ناجائز خواہشات کا خون کریں اور اللہ کی مرضیات کو اپنے قول وعمل پر ترجیح دیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

"تصوف نام ہے نفس پر ہر وقت خدا کے حکم کا آرہ چلانے کا"

اسی حقیقت کو میں نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

تیرے حکم کے تیغ سے میں ہوں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

سالک کے لئے ہدایات

فرمایا: جس سالک کو دو چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں وہ کامیاب ہوجاتا ہے جو یہ ہیں:- (۱) مجاہدۂ تام (۲) شیخِ کامل کی صحبتِ تام

وہ سالک ناکام رہتا ہے جو شیخِ کامل کی صحبتِ تام تو حاصل کئے ہوئے ہے مگر شیخ کے حکموں کی تعمیل نہیں کرتا ہے۔ اپنی جانب سے طالبِ شیخ کی ہر ہر بات پر فدا

ہو جائے۔ شیخ جو بات بھی تجویز کر دے اس کے متعلق سمجھے کہ یہ بات ہم کو الہام کے ذریعہ بتائی گئی ہے۔ شیخ کی گرفت اور احتساب سے تکلیف تو ضرور ہوتی ہے مگر اس کی برکت سے دل میں نورِ تقویٰ بڑھتا ہے۔ برسوں کے مجاہدہ اور نوافل سے بعض دفعہ وہ نور نہیں پیدا ہوتا جو شیخ کی ایک ڈانٹ اور احتساب و گرفت سے پیدا ہوتا ہے اور وہ سالک بھی کامیاب نہیں ہو سکتا جو شیخ کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے۔ شیخ کے چار حق ہیں ؎

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لئے
اطلاع و اتباع و اعتماد و انقیاد

شیخ جو بات بھی تجویز کر دے اسی میں اپنے لئے فلاح و کامیابی سمجھنا چاہئے۔ اپنی رائے کو ذرہ برابر بھی دخل نہ دے۔ شیخ کا ہر کام مصلحت پر مبنی ہوتا ہے ؎

جب تک فنائے رائے کی ہمت نہ پائے
کیونکر آپ عشق کی محفل میں آئے

تصوف کی تعریف

فرمایا: تصوف کے بارے میں مشائخ تصوف فرماتے ہیں: وھو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفس وتصفیۃ القلب وتعمیر الظاھر والباطن لنیل السعادۃ الابدیۃ (ترجمہ) تصوف اس علم کا نام ہے جس سے تزکیۂ نفس اور صفائیٔ قلب اور تعمیرِ ظاہر و باطن کے تدابیر معلوم ہوتے ہیں تاکہ اس پر عمل کر کے سعادتِ ابدی حاصل ہو اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا کے وعدے کے مطابق فلاح حاصل ہو۔

تصوف اور صوفی کی وجہ تسمیہ

فرمایا:- علامہ ابوالقاسم قشیری رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کو صحابی کا اور حضرات تابعین کو تابعی کا اور بعد میں تبع تابعین کا لقب کافی تھا اس

کے بعد جو لوگ بہت عابد زاہد اور متبع سنت ہوتے تھے انھوں نے اپنے مسلک اور طریق کا نام تصوف تجویز کیا اور اسی جماعت کا لقب صوفی کہا جاتا تھا۔ اور یہ جماعت دو سو ہجری سے قبل ہی وجود میں آچکی تھی۔ (تصوف اور نسبت صوفیہ ص ۱۹) لیکن اسم تصوف کا وجود اگرچہ دو سو ہجری کے بعد ظہور میں آیا مگر اس کا مسمّٰی یعنی احسان اور اخلاص حدیث میں موجود تھا اور اس حدیث سے ایمان اور اسلام کی صحت کا احسان اور اخلاص پر موقوف ہونا اہل علم پر بالکل واضح ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے مکاتیب رشیدیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ فی الواقع شریعت فرض اور مقصد اصل ہے اور طریقت بھی شریعت باطنی ہے اور حقیقت و معرفت متمم شریعت ہیں، اتباع شریعت بکمال بدون معرفت نہیں ہوسکتا۔ (مکاتیب رشیدیہ ص ۲۴)۔

ضرورتِ مرشد پر علامہ قشیریؒ کا ارشاد

فرمایا: امام ابوالقاسم قشیریؒ اپنی مشہور کتاب رسالہ قشیریہ ص ۱۹۹ میں ضرورت مرشد پر کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم یجب علی المرید ان یتأدب لشیخ فان لم یکن له استاذ لا یفلح ابدا وھٰذا ابویزیدؒ یقول من لم یکن له استاذ فامامه الشیطٰن وسمعت الاستاذ ابا علی دقاق یقول الشجرة اذا نبتت بنفسھا من غیر غارس فانھا تورق لکن لا تثمر کذالك المرید اذا لم یکن له استاذ یاخذ منه طریقته نفسا فنفسا فھو عابد ھواہ لا یجد نفاذاً۔

(ترجمہ) پھر مرید پر واجب ہے کہ کسی شیخ سے ادب اور تعلیم و تربیت حاصل کرے، اگر اس کا کوئی شیخ نہیں تو کبھی فلاح نہ پائے گا، اس کا رہبر شیطان ہوگا، یعنی اس کے کہے پر چلے گا۔ میں نے اپنے استاذ ابوعلی دقاقؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو درخت کہ خودرو ہوتا ہے وہ پتے تو لاتا ہے مگر پھل نہیں لاتا ہے۔ اسی طرح مرید کا بھی یہی حال ہے یعنی جب اس کا کوئی شیخ نہ ہوگا جس سے وہ طریق شیئاً فشیئاً حاصل کرے تو پھر وہ اپنی خواہش نفسانی کا غلام بن جائے گا،

اور اس کو اس غلامی سے کبھی خلاصی نہیں ہوسکتی۔

بیعت کا مقصد

فرمایا: حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں، اپنے رسالہ بیعت میں تحریر فرماتے ہیں کہ اے سالکینِ طریق سن لو بیعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان غفلت اور معصیت سے نکل کر تقویٰ اور طاعت کی زندگی بسر کرنے لگے اور بیعت کے لئے ایسے عالم باعمل متقی کو منتخب کرے جو شیخ کامل کا تربیت یافتہ ہو اور اپنے مشائخ کا اتباع کرتا ہو خود رائی میں مبتلا نہ ہو ورنہ بدعت کا راستہ کھل جائے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں مداہن اور متساہل نہ ہو نیز طالب کے حال کے لئے جو چیزیں افضل اور اسہل ہوں اس سے واقف ہو اور مرید کو چاہئے کہ شیخ کے ہاتھ میں اس طرح رہے جس طرح مُردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کی رائے میں اپنی رائے کا دخل نہ دے (اور یہ اتباعِ کامل اس کے معالجۂ روحانی اور اصلاح رذائل کے باب میں بتائے ہوئے تدابیر کے اندر ہے جس طرح جسمانی علاج میں ڈاکٹر و حکیم کی رائے مریض کو اتباعِ کامل کا مشورہ دیا جاتا ہے مگر یہ اتباع صرف علاج تک محدود رہتا ہے۔ پس بعض اہلِ ظاہر کو اتباعِ شیخ کے لفظ سے جو وحشت ہوتی ہے وہ اس تحقیق حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے رفع ہو جانی چاہئے) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے شاگرد اور حضرت مولانا مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ ہیں اپنی کتاب "مالا بدمنہ" میں فرماتے ہیں — "بداں کہ اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان و اسلام و شریعت است و مغز و حقیقت در خدمت درویشاں باید جست و خیال نباید کرد کہ حقیقت خلافِ شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر ست۔

(ترجمہ) جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے، یہ جو بیان گزرا تو ایمان اسلام اور شریعت کی ظاہری صورت تھی۔ باقی اس کا مغز اور حقیقت درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہئے اور یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ حقیقت شریعت کے خلاف ہے، یعنے

مقابل کوئی چیز ہے کیونکہ ایسی بات زبان سے نکالنا جہالت بلکہ کفر ہے"۔

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

"نورِ باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست بداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر و شر بفراستِ صحیحہ دریافت شود"۔ (مالابدمنہ)

(ترجمہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ باطن کو بزرگوں کے سینے سے حاصل کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینے کو روشن اور منوّر کرنا چاہیئے تاکہ ہر خیر و شر بفراستِ صحیحہ کے ذریعہ معلوم ہو سکے۔[1]

اصطلاحِ تصوّف کے دو لفظ

فرمایا: اصطلاحِ تصوّف میں قلب کو غیرِ حق سے خالی کرنے کا نام تخلیہ ہے اور پھر انوارِ حق سے منوّر کرنے کا نام تحلیہ ہے۔

تخلیہ کے دو طریقے بزرگوں نے لکھے ہیں:

(۱) دل کی ایک ایک بیماری کا علاج شیخ سے کرایا جائے۔

(۲) دل کے اندر عشقِ حق حاصل کیا جائے جو سب غیر کو سوختہ کر دیتا ہے مگر یہ کسی خدا کے عاشق بندہ کی صحبت ہی سے ملتا ہے۔

پہلا طریقہ دیر طلب ہے۔ دوسرا آسان اور کم وقت میں منزل تک پہنچاتا ہے۔ اس کی مثال حضرت تھانویؒ نے یہ دی ہے کہ کسی جنگل کو صاف کرنا ہے تو اس کی دو صورت ہے ایک تو یہ کہ ایک ایک درخت کو ختم کیا جاوے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دیں، تمام جنگل مختصر مدت میں صاف ہو جائے گا۔ بس یہی دوسرا طریقہ عشق ہے۔ جب دل میں خدائے پاک کی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر حکم کو ماننا اور عمل کرنا آسان ہی نہیں بلکہ لذیذ تر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں ہر شخص رات دن اس کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

---

[1] روح کی بیماریاں اور ان کا علاج ص ۱۴۶ تا ص ۱۴۹

کہ جس سے محبت نہیں ہوتی اس کے لئے معمولی تکلیف و محنت بھی پہاڑ معلوم ہوتی ہے اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے لئے بڑی سے بڑی مشقت آسان تر بلکہ لذیذ معلوم ہوتی ہے یہی راز ہے جو انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے حیرت انگیز جانی اور مالی اور بدنی قربانیوں اور محنتوں میں پوشیدہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اہلِ دنیا کے فانی محبوب نظر آتے ہیں اور وہ محبوب حقیقی صرف اپنے صفات کا ظہور فرماتے ہیں اور ذات پاک کو مخفی رکھتے ہیں تاکہ اپنے عاشقین کو عالم آخرت میں اپنے دیدار کی نعمت سے مسرور فرمائیں گے۔"

اولیاء کرامؒ کی توجہات

فرمایا: احقر نے اپنے مرشد حضرت شیخ پھولپوریؒ سے یہ فرماتے سُنا کہ قاز ایک چڑیا ہے جو انڈے دے کر دُور پہاڑوں پر چلی جاتی ہے اور ہزاروں میل سے توجہ اپنے انڈوں کو پہنچاتی ہے اور ان سے بچے نکل آتے ہیں تو اولیاء کرام کی روحانی توجہات اور دعائیں مُریدین کے بعدِ حسّی کے باوجود اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ البتہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کچھ مدت ایک دفعہ شیخ کی خدمت و صحبت میں رہ لینا ضروری ہے جس کی مدت ۶ ماہ ہے ورنہ چالیس دن تو ضرور ہی رہ لینا چاہئے۔ پھر خط و کتابت سے کام چل جاتا ہے۔"

حاصلِ تصوّف

مُرتّب عرض کرتا ہے: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوّف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی محسوس ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضے کا مقابلہ کر کے

اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے اور یہی اس کی محافظ ہے اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے[1]۔

تصوّف کیا ہے؟

فرمایا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ نے کہ:

ایک مرتبہ دس بجے صبح کو میں اُوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا، مولوی نصیر نے اُوپر جا کر کہا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں صرف مصافحہ کرنا ہے۔ ایک گونہ مجھے ان سے بے تکلفی تھی۔ میں نے کہا جلدی بلائیے۔ مرحوم اُوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جا رہا ہوں اور پرسوں صبح واپسی ہے، اس کا جواب آپ سوچ رکھیں واپسی میں جواب لوں گا: "یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟" میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا "صرف تصحیح نیت"۔ اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[2] سے ہوتی ہے اور انتہا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ (تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو) میرے اس جواب پر سکتہ میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے دلّی سے یہ سوچتا آرہا ہوں، کہ تو یہ جواب دے گا، تو یہ اعتراض کروں گا، اور یہ اعتراض کرے گا تو یہ جواب دوں گا، اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ میں نے کہا، جاؤ، تانگے والے کو بھی تقاضا ہوگا، میرا بھی حرج ہو رہا ہے، پرسوں تک اس پر اعتراض سوچتے رہیو، اس کا خیال رہے کہ دن میں مجھے لمبی بات کا وقت نہیں ملنے کا۔ دو چار منٹ کو تو دن میں بھی کر لوں گا، لمبی بات چاہو گے تو مغرب کے بعد ہو سکے گی۔ مرحوم دوسرے ہی دن شام کو مغرب کے قریب آگئے اور کہا کہ کل رات تو ٹھہرنا تو مشکل تھا اس لئے کہ مجھے فلاں جلسے میں جانا ہے اور رات کو تمہارے پاس ٹھہرنا ضروری ہوگیا، اس لئے ایک دن پہلے میں چلا آیا،

---

[1] معمولات یومیہ و مختصر نصاب اصلاح نفس [2] ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اور یہ بھی کہا کہ "تمہیں معلوم ہے کہ مجھے نہ تم سے کبھی عقیدت ہوئی نہ محبت" میں نے کہا علیٰ ہذا القیاس۔ مرحوم نے کہا "مگر تمہارے کل کے جواب نے مجھ پر بہت اثر کیا اور میں کل سے اب تک سوچتا رہا، تمہارے جواب پر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا"۔ میں نے کہا انشاء اللہ، مولانا اعتراض ملنے کا بھی نہیں "انما الاعمال بالنیات" سارے تصوف کی ابتداء ہے اور "اَن تعبد اللّٰہ کأنک تراہ" سارے تصوف کا منتہا ہے۔ اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں ؎

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ
متیٰ ما تلق من تہویٰ دع الدنیا واُمہلہا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی کے لئے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے ایک ہی نظر میں سب کچھ ہو جاتے تھے اور ان کو کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس کے بعد اکابر اور حکماء اُمّت نے قلبی امراض کی کثرت کی بناء پر مختلف علاج جیسا کہ اطباء بدنی امراض کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ روحانی اطباء روحانی امراض کے لئے ہر زمانے کے مناسب اپنے تجربات جو اسلاف کے تجربات سے مستنبط ہیں، نسخے تجویز فرماتے ہیں جو بعضوں کو بہت جلد نفع پہنچاتے ہیں۔ بعضوں کو بہت دیر لگتی ہے۔ پھر میں نے مرحوم کو متعدد قصے سنائے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "آپ بیتی نمبر ۲"۔ [۱]

غوّاص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

بلند پایہ عالم دین اور اہل قلم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

---

[۱] صحبتے با اولیاء، صفحہ ۶۳، ۶۴

"جہاں تک تصوّف کے مقصد وحقیقت کا تعلق ہے' وہ ایک متفق علیہ اوربدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لینا' دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بے جا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص واخلاق ضروری ہیں یا نہیں۔ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بغض اور کینہ، حبِ مال، حبِ جاہ اور دوسرے اخلاقِ ذمیمہ سے نجات پانا نفسِ امّارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی درجہ میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں۔ نماز میں خشوع و خضوع، دُعا میں تضرع وابتہال کی کیفیت، محاسبۂ نفس کی عادت اور سب سے بڑھ کر اللہ ورسولؐ کی محبت، حتیٰ حلاوت ولذّت کا حصول یا کم سے کم اس پر شوق واہتمام، صفائیِ معاملات، صدق وامانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکرِ نفس پر قابو رکھنا غصہ میں آپے سے باہر نہ ہوجانا کسی درجہ میں مطلوب ہے یا نہیں تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے، یہی جواب دے گا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب وتاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ انھیں صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریق عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائے گی، اس لئے کہ اس اصطلاح سے ان کو وحشت اور اس کے بعض پر خود غلط علمبرداروں اور دعوے داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظے میں اس وقت وہ واقعات اُبھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ کرنے پر یا ان کو قریب سے دیکھنے پر ان کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن یہ صرف تصوف ہی نہیں، ہر علم وفن، ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اس کے حاملین وعاملین ہیں اور اس کے داعیوں اور دعوے داروں میں اصلی ومصنوعی، محقق وغیر محقق، پختہ وخام، یہاں تک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا

بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ہنر، ہر ایک میں کامل و ناقص اور رہبر اور رہزن دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن دین و دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدعیوں کی وجہ سے اس دولت سے محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گہر سے کہ صدف سے

تصوّف کے سلسلے میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تمام اجزاء کو علٰحدہ علٰحدہ تسلیم کرتا ہے، لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دے دیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے۔ ہم نے اوپر جن مقاصد و صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علٰحدہ علٰحدہ تسلیم ہیں، لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوف کو نہیں مانتے اور تصوف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے اس کو قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ، حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متاخرین کی اصطلاح میں اس کا نام "فقہِ باطن" ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اور یہ سب چیزیں منصوص ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ زبانِ خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے روکا جا سکتا ہے ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ و احسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے، لیکن اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں، علوم و فنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروّجہ اصطلاحات سے پُر ہے۔ محققینِ فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا ہے اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا۔ اسی طرح انھوں نے بڑی جرأت

اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح اور مغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے منافی اور اکثر اوقات ان کے لئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخِ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گزرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہلِ تحقیق نے مغز و پوست، حقائق و اشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قشر و لب لباب، مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم و عادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہو گئی تھیں اور ان کو تصوف اور طریقت کا جزو سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فتوح الغیب ہو یا غنیۃ الطالبین یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، حضرت مجدد صاحبؒ کی مکتوبات امام ربانی ہوں، یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات، یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراطِ مستقیم، حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی تربیت السالک و قصد السبیل، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انھوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا۔ اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انھوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ :

"نسبت صوفیا، کبریت احمر است و رسوم ایشاں ہیچ نیرزد"۔

(یعنی صوفیائے کرام کی نسبتِ باطنی تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور کیمیا ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں) کوئی قیمت نہیں رکھتے)۔

اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح و قرب کے لئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔

ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور ان کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کو دیکھ کر تصوف کے قائل اور معتقد ہوئے ان میں ہم نے تصوف و طریقت ہی کا نہیں دین و شریعت کا لب لباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبوی کا پرتو، ان کے معاملات و اعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اس کی ترازو میں تلی ہوئی دیکھی، ان کو ہمیشہ مقاصد و وسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا۔ رسوم سے بے پرواہ و بے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباعِ سنت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات و معاملات تک وسیع اور محیط پایا۔ وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خداداد بصیرت، طویل تجربہ سے اس فن میں کبھی اختصار سے کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف و ترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج و پرہیز میں طبائع و مشاغل حالات کا پورا لحاظ رکھتے، ان کی شان اس کے بارے میں مجتہدِ فن، اطبار واضعینِ فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور رٹے ہوئے سبق کا دہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبطِ نفس اور ایثار، انقیاد و اطاعت اور ہر چیز میں اخلاص و رضاء الٰہی کی طلب تصوف کا اصل مقصود اور اذکار و مجاہدات، صحبتِ شیخ حتیٰ کہ بیعت و ارادت کا اصلی فائدہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت کوہ کندن کاہ برآوردن کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق کہ ؎

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است   حاصل خواجہ بجز پندار نیست [1]

ہزار سال سے زیادہ کا تجربہ اور صلحائے اُمت کا اتفاق

مشہور عالم دین مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، تحریر فرماتے ہیں :-

---

[1] اکابر کا سلوک و احسان ص ۹ تا ۱۳

"قریباً ہزار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت سے اُمتِ محمدیہ کے صالح ترین طبقہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نورِ یقین اور رابطہ مع اللہ یعنی احسانی نسبت حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کا یہ طریقہ (جس کا نام سلوک و طریقت ہے) اصولاً صحیح اور نتیجۃً کامیاب ہے، کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ مشاہیر اولیار اُمت مثلاً خواجہ معروف کرخی، بشر حافی، سری سقطی، شفیق بلخی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ احمد رفاعی، شیخ ابوالحسن شاذلی، خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہار الدین نقشبندی اور پھر ہمارے اس دوسرے ہزارہ کی گزشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہ، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور ان کے خلفار اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد شہید (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اور ان جیسے ہزاروں، بلاشبہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس نسبت کے حامل، بلکہ اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کی صحبت اور تربیت سے اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے۔ جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اسی راہ سے حاصل ہوا تھا۔ پس جس طریقہ نے اُمتِ محمدیہ میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحاب احسان و یقین پیدا کئے ہوں، جن کو بجا طور سے اس اُمت کا گُل سرسبد کہا جاسکتا ہے اس کے صحیح اور کامیاب و مقبول ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے"۔

اغلاطِ تصوّف اور ان کی اصلاح

مولانا نعمانی اس کے بعد فرماتے ہیں ــــــ "ہاں جس طرح دین کے دوسرے شعبوں میں، عقاید میں بھی اور اعمال میں بھی، اُمت کے بعض حلقوں سے چھوٹی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں، اسی طرح سلوک و تصوف کا شعبہ بھی غلطیوں سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس طرح علمائے ربانی و مجددینِ اُمت کے ذریعہ عقاید و اعمال کی غلطیوں کی اصلاح ہوتی رہی ہے اسی طرح اس شعبۂ احسان و تصوف کے سلسلہ کی اغلاط و ضلالات کی اصلاح،

بھی من جانب اللہ محققین صوفیاء کے ذریعہ برابر ہوتی رہی ہے[1]۔

پس کسی کے لئے جس طرح یہ درست نہیں ہے کہ وہ دین کے نظامِ عقاید یا نظامِ اعمال میں کچھ طبقوں کی غلط روی کی وجہ سے غیر مطمئن ہو کر عقاید و اعمال کی فکر سے بے نیاز ہو جائے، اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ احسان و تصوف میں کچھ لوگوں کو غلط روی کی وجہ سے دین کے اس شعبہ ہی سے بے نیاز ہو جائے جس کے بغیر بندہ کا دین کامل نہیں ہوتا اور حلاوتِ ایمان نصیب نہیں ہوتی۔[2]

ولی کی تعریف

صاحب عقاید نسفی نے لکھا ہے: الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب مایمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی اللذات والشھوات یعنی ولی وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں حتی الامکان زیادہ معرفت رکھتا ہو طاعت الٰہی میں مستغرق اور گناہوں سے مجتنب ہو اور

---

[1] خاص کر ان آخری تین چار صدیوں میں تصوف کی اصلاح و تجدید کا جو کام ہندوستان میں ہوا ہے، وہ تو دودھ اور پانی کو الگ الگ کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اور ان کے فرزند و جانشین خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کے ضخیم ضخیم دفتر، پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تصانیف اور ان کے مکاتیب، پھر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا مرتب کیا ہوا حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات و افادات کا مجموعہ (صراط مستقیم) پھر خاص ہماری اس صدی میں حضرت مولانا گنگوہیؒ کے اس سلسلہ کے رسائل و مکاتیب اور سب سے آخر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا تصنیف کیا ہوا اس سلسلہ کا ایک پورا کتب خانہ — ان کوششوں نے تصوف کو اتنا صاف و روشن اور ایسا بے غل و غش کر دیا ہے کہ اب اس راہ میں کسی کا گمراہ ہونا صرف اس کی بدقسمتی ہے۔

[2] دین و شریعت ص ۶۹۔

لذات و شہوات سے بیزار ہو" ـــــ جس طرح تمام بندوں میں نبی خدا کا مقرب ہوتا ہے اسی طرح ہر نبی کی اُمت میں سے بعض لوگ روحانی و ایمانی کمالات کے سبب بارگاہِ خداوندی میں باریاب اور مقبول ہو جاتے ہیں۔ ان کی علمی و عملی حالت امت کے تمام افراد سے ممتاز و نمایاں ہوتی ہے۔ ان کو تمام کمالات نبوت کے طفیل سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور نبی کی تابعداری سے وہ اس مرتبہ کو پہنچتا ہے۔ اس کو بڑی بڑی قوتیں اور نشانیاں دی جاتی ہیں یعنے ان کو کرامت کی قوت عطا فرمائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے ہاتھ سے کرامات کا اظہار فرماتا ہے تاکہ اس کے نبی کی نبوت سے انکار کرنے والے کرامت کو دیکھ کر نبی کی صداقت کے قائل ہو جائیں۔ پس اولیاء اللہ کا وجود اور ان کی کرامت حق ہے۔

ولی کے ذاتی خصائل

شیخ عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک مرتبہ حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ صوفی یا ولی کون ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ھوالذی یکون فی وجھہٖ حیاء و فی عینہ بکاء و فی قلبہ صفاء و فی لسانہ ثناء و فی یدہٖ عطاء و فی وعدہ وفاء و فی لطقہٖ شفاء ـــ کہ ولی وہ ہے جس کے چہرے پر حیا، آنکھوں میں گریہ، دل میں پاکی، زبان پر تعریف ہاتھ میں بخشش، وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اولیاء کے اوصاف و خصائص اپنی کتاب "فتوح الغیب" میں یہ لکھتے ہیں۔

> "خدا کی محبت و رضا کو بلا طلب اغراض و اعواض منظور خاطر رکھے، اپنے اُوپر تذلل اور اخلاص کو لازم رکھے، اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرتا رہے اور رُوح کو ذکر الٰہی سے زندہ رکھے۔"

ان کی صحبت میں جب بیٹھے تو اپنے عزت و شرف کا غلبہ رکھے اور فقیروں کی مجلس میں عاجزی کرے، بے شرمی، شوخی اور بدخلقی نہ کرے۔ مسلمانوں سے حسن ظن رکھے، ان کے مفاد کا خیال رکھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ساعی رہے۔

کسی کی بُرائی اور بغض و کینہ اپنے سینہ میں نہ رکھے حتیٰ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کے حق میں دُعا کرے، سوائے خُدا کے کسی کا خوف و خطر اپنے دل میں نہ رکھے اور خلقِ خدا سے بے نیاز رہے، دنیا میں سچائی اور حقیقت کا گواہ رہے، ہمیشہ سچائی اور حق و صداقت کا اعلان کرتا رہے، ادائے فرض کی راہ میں کسی مصیبت اور آزمائش سے نہ ڈرے، نذر و نیاز پر گزر اوقات نہ رکھے بلکہ اپنی روزی اپنے قوتِ بازو سے فراہم کرے اور اکلِ حلال پر نظر رکھے۔ (فتوح الغیب مقالہ ۷)۔

اولیاء اللہ کی پہچان کا قرینہ

اسلام کے گلیم پوش، محرمِ اسرار، مخزنِ انوار خدا رسیدہ لوگ جس قدر گزرے ہیں، ان کی شناخت اور اولیاء اللہ کی پہچان کا معیار یہ ہے:

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:

من علامات محب اللہ عزوجل متابعة حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخلاقه وافعاله واوامره وسنته۔

محبت الٰہی کی علامات حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اخلاق و افعال اور اوامر و سنت میں کرنا ہے۔

یعنی اخلاق و افعال میں سنتِ رسول کی متابعت کرنا ہی سچی درویشی اور علامتِ اہل اللہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:

لو انظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتفی فی الھواء فلا تغتروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنھی وحفظ الحدود واداء الشریعة۔

اگر تم کسی درویش کو ہوا میں اُڑتا ہوا دیکھو تو اس کی کرامت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی، حفظِ حدود اور ادائے شریعت میں کیسا ہے یعنی اگر تم متابعتِ شریعت میں من کل الوجوہ مطابق پاؤ تو سمجھ لو کہ بے شک وہ ولی کامل ہے۔

اور اگر اس کے برخلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ یقیناً وہ برعکس نام نہند زنگی کافور ہے۔

حضرت ابوحفصؒ فرماتے ہیں:۔

من لم یزن افعاله واقواله فی کل وقت باب الکتاب والسنة فلا تعده فی دیوان الرجال۔	جس کے افعال واقوال ہمہ وقت کتاب و سنّت کے مطابق نہ ہوں اس کو مردانِ خدا میں سے نہ سمجھو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تصوّف علوم دین کا خلاصہ ہے جو باطنی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق علم ظاہر کے ساتھ جان وتن کا سا ہے یعنی علمِ ظاہر تن ہے اور علمِ باطن جان۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: العلم بدون العمل وبال العمل بدون العلم ضلال یعنی علم بے عمل عذاب ہے اور عمل بے علم گمراہی ہے — اس سے ثابت ہوا کہ تصوف کے لئے شریعت اور شریعت کے لئے تصوف کی سخت ضرورت ہے، دونوں لازم وملزوم ہیں [1]

(معروضاتِ مرتب ختم)

---

[1] کتاب الاسلام صد ۵۲۹

اصلاح وتزکیہ

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں آیا ہوں
مٹا دیجے مٹا دیجے میں مٹنے ہی کو آیا ہوں

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

تزکیہ کی ضرورت

فرمایا: تزکیہ نفس ضروری ہے، ہر شخص کو اس کی فکر کرنی چاہئے ــــ قرآن مجید میں ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (تحقیق کہ کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو سنوار لیا)۔ مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے "تزکیہ" چونکہ فعل متعدی ہے اس لئے مفعول کے ساتھ فاعل کی ضرورت ہے۔ یعنی "مُزَکّی" کی جو اس کا تزکیہ کرے۔ جس طرح "مُرَبّہ" جو حکیموں کے یہاں ہوتا ہے اس کے لئے "مُرَبّی" کی ضرورت ہے۔

شیخ سے مناسبت ضروری ہے

فرمایا: جب آپ نے تزکیہ اور شیخ کی ضرورت و اہمیت کو سمجھ لیا تو اس حقیقت پر بھی آپ کی نظر رہنی چاہئے کہ شیخ کے انتخاب میں جلدی نہ کی جائے بلکہ پہلے اس سے ربط و تعلق قائم کر کے مناسبت دیکھ لی جائے اور یہ معلوم کر لیا جائے کہ مزاج و طبیعت کی ہم آہنگی ہو سکے گی یا نہیں؟ جب اس حیثیت سے اطمینان ہو جائے تو بیعت کرے۔ اس سے انشاء اللہ بڑا فائدہ اور نفع ہوگا۔ حضرت تھانویؒ کا یہی اصول تھا، جب تک آپ کی طبیعت سے کسی کو مناسبت نہ ہو جاتی اس وقت تک سلسلۂ بیعت میں داخل نہیں فرماتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب ڈاکٹر کسی مریض اور کمزور کو خون چڑھاتا ہے تو ہر دو خون میں مناسبت دیکھ لیتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے، اگر دونوں خون میں مناسبت نہیں ہوگی تو جسے خون چڑھایا جارہا ہے اس کے لئے ضرر و نقصان کا باعث ہوگا، بلکہ زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ سوچئے جب "جسمانی زندگی" کے لئے مناسبت ضروری ہے تو کیا "روحانی زندگی" کے لئے مناسبت کی ضرورت نہیں ہوگی؟ بلکہ سچی بات یہ ہے اس زندگی کے لئے پہلی زندگی سے کہیں زیادہ مناسبت کی ضرورت ہے۔ اس لئے ایک "طالب حق" کو لازمی طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔ جب کوئی ایسا مناسب شیخ مل جائے گا تو دل صاف اور بے غبار ہوگا۔

تزکیہ نفس میں شیخ کا بنیادی طریقہ

فرمایا: ہمارے سلسلہ کے اکابر اور مشائخ نے "تخلیہ" پر زیادہ محنت کی ہے۔ یعنی غیر اللہ سے صفائی کا اہتمام کراتے ہیں، پھر "تحلیہ"[1] بہت آسان ہوجاتا ہے۔ یعنی اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کو اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل سے مقدم فرماتے ہیں۔ چنانچہ پہلے ذکر بتا دیتے ہیں اور عشق کی آگ سے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکت سے ہر حکم پر عمل کرنا اور ہر گناہ کا چھوڑنا آسان ہوجاتا ہے اور یہ سہل اور جلد کامیابی کا راستہ ہے۔

گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

فرمایا: شیخ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ معمّر اور سن رسیدہ ہو۔ ایک جواں سال

لہ: بنانا، سنوارنا

بھی شیخ اور پیر ہو سکتا ہے۔ شیخ سعدیؒ کا مشہور مقولہ ہے "بزرگی بہ عقل است نہ بسال"۔ یعنی بزرگی کا حقیقی معیار عقل ہے نہ کہ سال۔ اس لحاظ سے اس شخص کی عمر کم ہوگی جو عقل و ہنر علم و معرفت اور تقویٰ و طہارت میں کم تر درجہ رکھتا ہے اور اس شخص کی عمر زیادہ ہوگی جو ان اعتبارات سے درجۂ کمال پر فائز ہے ___ کتنے صحابہؓ تھے جو سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ کو اپنا "معلمِ اکبر" اور "مرشدِ اعظم" بنائے ہوئے تھے۔ سن کی کمی زیادتی اور فرق و امتیاز نے کبھی بھی ان کی "منزلِ علم و معرفت" کو کھوٹی نہیں کی۔

ایک واقعہ یاد آیا جس کا تعلق حضرت مرزا جان جاناںؒ سے ہے۔ لکھا ہے کہ دہلی میں ایک بوڑھا شخص ان سے بیعت ہوا، جبکہ یہ ابھی جوان تھے۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو عار دلانے لگے کہ تم کس جوان سے مرید ہو گئے، کیا وہ تمہارا "پیر" بھی بن سکتا ہے؟

وہ بوڑھا شخص ان تمام باتوں کو صبر و سکون کے ساتھ سنتا رہا۔ چونکہ اسے حضرت جانِ جاناںؒ کے کمالات اور گوناگوں خصوصیات سے واقفیت تھی اور دل اس کا ان کے "دامِ محبت" میں گرفتار ہو چکا تھا، اس کے پیشِ نظر اس نے ایک برجستہ شعر کہا ؎

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے
گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے

روحانی اور اخلاقی مرض کے علاج کی اہمیت

فرمایا: اگر آپ کے اندر کوئی روحانی اور اخلاقی مرض ہو تو اسے معمولی نہ سمجھئے۔ ممکن ہے کہ آہستہ آہستہ یہ مرض بڑھ کر آپ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی موت کا سبب بنے۔ اس لئے اس کے علاج کی طرف فوری توجہ کیجئے اور جو بھی حالت ہے بلا کم و کاست اپنے شیخ یا کسی بزرگ سے بیان کر دیجئے۔ اس میں نہ کسی طرح کی جھجک محسوس کرنی چاہئے نہ کسی "عار" کو دل میں جگہ دینی چاہئے۔ بزرگانِ دین تو ایسے لوگوں سے بہت خوش ہوتے ہیں جو بلا تکلف اپنے امراض ان سے بیان کر کے علاج کی خواہش کرتے ہیں ___ اگر آپ نے اپنی زندگی کا یہ دستور اور معمول بنا لیا تو دیکھیں گے کہ آپ کس طرح "رذائل" سے پاک ہو کر "فضائل" کی بلندیوں پر فائز

ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کا اثر

(حضرت حکیم صاحب نے "شیخ" کی ضرورت اور اس کی اصلاح و تربیت کے جو دُور رس اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اس پر روشنی ڈالنے کے بعد اس ذیل میں ایک واقعہ کا ذکر فرمایا:)

دو اچھے عالم ہیں، لوگوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، مگر شیطان کا سب سے زوردار حملہ عالموں پر ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے، ہمارے دشمن تو اصل میں یہی ہیں۔ ایک دفعہ شیطان کے حملہ کی زد میں یہ دونوں بُری طرح آگئے۔ ہُوا یہ کہ کسی معاملہ کو بنیاد بنا کر شیطان نے ان دونوں کے درمیان نفرت کا بیج ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ اس بیج نے تناور درخت کی شکل اختیار کرلی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ہر دو کو ایک دوسرے کی صورت دیکھنا گوارہ نہ تھا۔ ہر جانب سے سخت غم و غصہ کا اظہار، ذہنی گھٹن ان دونوں کو پریشان کر رہی تھی۔ صلح و صفائی کی کوئی دوا کارگر نہ ہوئی، بلکہ حال یہ تھا کہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ ان میں سے ایک کا اصلاحی تعلق ایک مرشدِ کامل سے تھا۔ ایک دن ان کے دل میں خیال آیا کیوں نہ حضرت کو صورتِ حال کی اطلاع دے کر مشورہ طلب کیا جائے چنانچہ انھوں نے خط لکھا۔ یہ خط لکھنا دراصل اس بات کی علامت تھی کہ ان کا دل زندہ ہے اور مرض کا احساس ہے اور جنھیں مرض کا احساس ہوتا ہے وہ اس کے علاج کی فکر کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے افاقہ بھی پاتے ہیں۔ جواب میں حضرت نے جو علاج تجویز فرمایا اس کے پانچ اجزا تھے:

(۱) آپ انھیں سلام میں پہل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲) کبھی کبھار اپنے گھر پر انھیں بلا کر ناشتہ کی دعوت دیں۔

(۳) ہدیہ و تحفہ دینے کا معمول رکھیں۔

(۴) اپنی مجلسوں میں ان کی خوبیوں کا ذکر کریں۔

(۵) خلوت اور جلوت میں ان کے لئے دُعا کریں۔

ان پانچ باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں تھی جو ان کے نفس اور طبیعت پر بار کا موجب نہ بنے۔ گویا یہ ایک نہایت مفید مگر تلخ دوا تھی جس کا حلق کے نیچے اُترنا دشوار تر تھا مگر تجویز شیخ کامل کی تھی، عمل میں لائی گئی۔ آہستہ آہستہ تکدّر ختم ہونے لگا۔ نفرت محبت میں بدلتی گئی، انبساط نے انقباض کی جگہ لینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دو دل جو کچھ دنوں پہلے بہت دُور تھے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ہر ایک کا چہرہ دوسرے کے لئے گلاب کی طرح کھلنے لگا۔ انھوں نے خود ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا "میں نفرت و عداوت میں جادۂ اعتدال سے بہت دُور جا پڑا تھا۔ اگر میں اپنے مرشد سے رجوع نہ کرتا اور وہ میری اصلاح نہ فرماتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ حضرت پر اپنی سو جان فدا کروں اور گر کر ان کے قدموں سے لپٹا رہوں؛ کہ ان کی برکت سے کیسی پُرسکون حیات عطا ہوئی۔

فرمایا: یہ ہے شیخ کی اصلاح اور ان کی باتوں کو مان لینے کا اثر۔ اگر آج کسی شیخِ کامل سے اپنا تعلق قائم کرنے اور ان کی اصلاحی باتوں کو مان لینے کا جذبہ عام ہو جائے تو سینکڑوں برائیاں ہماری زندگی سے نکل جائیں اور ان کی جگہ اچھائیاں لے لیں۔ لیکن آج ہم کسی کو بڑا بنانے میں عار محسوس کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھنے لگا ہے جو اس کی طبیعت اور مزاج میں آئے خیال کرتا ہے کہ یہی صحیح ہے اور "خواہشِ نفسانی" کے بُت کی پوجا زور شور سے جاری ہے۔ پھر اس ماحول میں اخلاقی اور روحانی امراض کا علاج ہو تو کیونکر ہو؟ اور زندگی صاف ستھری بنے تو کیونکر بنے؟ ضرورت ہے کہ ہم اپنے اندر بھلے بُرے کی تمیز پیدا کریں؟ اور اپنی اصلاح سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہیں۔ اور اپنے کو کبھی مستقل بالذات نہ سمجھیں حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے اپنے کو مستقل بالذات سمجھا وہ مستقل بدذات ہو جاتا ہے۔ ہمیشہ اپنے اُوپر کسی بڑے کا سایہ رکھے اور ان سے مشورہ لیتا رہے۔ مشائخ بھی اس سے مستغنی نہیں ہیں۔ انھیں بھی اگر بڑا نہ ملے تو اپنے معاصرین یا چھوٹوں سے مشورہ لینا چاہئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ شیخ اول کے انتقال کے بعد فوراً دوسرا شیخ منتخب کر لینا چاہئے۔

دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے

فرمایا: کسی کو پیچش ہو، حکیم اس کے لئے اسپغول تجویز کریں، وہ اس کو استعمال تو کرے لیکن ساتھ کباب اور چٹنی بھی کھاتا رہے۔ بتایئے اس بدپرہیزی میں اسپغول کیا کام دے گا۔ اس وقت تو اور بھی غضب کے مروڑ آئیں گے۔ اسی طرح آپ اپنے مرضِ روحانی میں عملِ صالح کی دوا تو استعمال کریں مگر گناہ کی بدپرہیزی بھی جاری رہے تو اس طرح عملِ صالح کی دوا سے آپ کا مرضِ روحانی کیونکر زائل ہوگا۔ ایک گناہ کے بعد دوسرے گناہ کا اور بھی ذوق بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح صحتِ جسمانی کے لئے اچھی دوا کے ساتھ پرہیز لازمی ہے۔ اسی طرح صحتِ روحانی کے لئے بھی "اعمالِ صالحہ" کے اہتمام کے ساتھ برائیوں سے بچنا ازبس ضروری ہے۔ اس کے بغیر صحت کی توقع فضول ہے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے "ایک گناہ سے بچنا" ایک ہزار رکعت تہجد پڑھنے سے بہتر ہے۔

اُف! کتنا ہے تاریک گنہگار کا عالم

فرمایا: حق تعالیٰ کے راستے میں نفس کو حرام اور ناجائز لذتوں سے محروم ضرور ہونا پڑتا ہے مگر پاخانہ پیشاب سے بچنا ہی تو انسانی قدر و منزلت کا معیار ہے۔ پھر خدا کی راہ میں تکالیف اُٹھانے میں چند دن کا تو مجاہدہ ہے مگر بعد میں قلب و روح کو جو چین و کیف اور سکون عطا ہوتا ہے بخدا وہ کسی گنہگار کو خواب میں بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ گنہگار کی زندگی تو نہایت عذاب اور سراپا تکلیف ہے۔ مخلوق میں رسوائی کا خوف خالق کے سامنے روسیاہی کا اندیشہ ہر وقت اس کے دل و دماغ کو زندہ درگور اور دنیا ہی میں دوزخ کے اندر ڈال دیتا ہے ؎

اُف کتنا ہے تاریک گنہگار کا عالم
انوار سے معمور ہے ابرار کا عالم (مولانا محمد احمد صاحب)

خلاصہ یہ کہ گنہگار کا جسم عارضی لذت گناہ کی پاتا ہے مگر قلب و رُوح کو ہر وقت عذاب و

بے سکونی میں گرفتار پاتا ہے اور اللہ والے نفس کی خواہشات کو توڑ کر اپنے قلب و روح میں لافانی سکون و بہار جنت کی دائمی خوشبو محسوس کرتے ہیں ۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجاہدہ میں یعنی گناہ چھوڑنے میں جسم کو تکلیف ہوتی ہے مگر قلب و روح میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ایمان کی حلاوت عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب عطا ہوتا ہے۔

نفس کی اصلاح یا حلوہ و بلوہ

فرمایا: ایک بزرگ تھے، وہ سوکھی روٹی سے ناشتہ کیا کرتے تھے۔ ایک معتقد نے خیال کیا کہ عمدہ خوراک کھلانا چاہئے۔ انھوں نے حلوہ پیش کیا۔ بزرگ نے اپنے نفس سے کہا تو خوش ہوتا ہے، میں تجھ کو ایسے ہی حلوہ نہیں کھلاؤں گا۔ بھائیو! اللہ والے نفس کی کڑی نگرانی کرتے ہیں بشرطیکہ اللہ والے ہوں۔ حلوہ خور، پیٹو ہوں تو یہ اور بات ہے۔ وہ تو ضرور حلوہ کھائیں گے، پیٹ بھر کر حلق تک کھائیں گے۔ پھر پیٹ میں ریاح کا "بلوہ" ہوگا۔ بھلا پھر وہ "جلوہ" کہا دیکھ سکیں گے۔ شب برات آرہی ہے حلوہ، بلوہ اور جلوہ یاد رکھنا۔ آج کل کہتے ہیں کہ حلوہ بھائی ضروری ہے۔ حضرت اویس قرنیؓ نے دندانِ مبارک توڑ لئے تھے، تو ان کی ماں نے حلوہ پکایا تھا، میں ان کی سنت اور یاد تازہ کرتا ہوں۔ جنگِ اُحد میں حضورؐ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے تھے۔ اسی اتباع اور محبت میں حضرت اویسؓ نے اپنے دندان توڑ لئے تھے۔ حالانکہ مورخین لکھتے ہیں کہ جنگ اُحد ہوئی تھی شوال میں اور آج حلوہ کھایا جاتا ہے شعبان میں۔ یعنی دو ماہ ایڈوانس حلوہ کھایا جارہا ہے اور دانت ایک بھی نہیں ٹوٹا، انھوں نے تو دانت توڑ لئے تھے۔ جس نے دانت توڑ لئے تھے وہ تو حقدار تھے مگر یہاں کہاں؟ لوگ کہتے ہیں کہ حلوہ اسی کی یاد ہے، مگر یہ یاد نہیں آتا ہے کہ نماز بھی پڑھیں سب کچھ چھوڑ کر حلوہ رہ گیا۔ اور اس کے لئے قرض بھی لے کر کرنا کھانا پڑے تو پھر بھی کریں گے۔ اور کھائیں گے۔ اور یہ یاد نہیں آتا ہے کہ نماز سے اللہ و رسول خوش ہوں گے۔ بس صرف حلوہ رہ گیا ہے۔ ہاں تو اس بزرگ نے فرمایا حلوہ تو میں تمہیں کھلاؤں گا مگر ذرا کام لوں گا۔ روزانہ چار رکعت پڑھتے تھے اس دن آٹھ دس رکعتیں پڑھوائیں۔ ہر دو رکعت

کے بعد کہتے تھے دوا ور پڑھ لو۔ خوب کام لیا نفس سے، پسینے چھوٹ گئے۔ بھائیو! یہ نفس مزدور ہے اس سے کام لو، یہ ایک سواری اور گھوڑا ہے۔ چھن جائے گا ایک دن یہ گھوڑا، آخرت میں، قبر میں لٹا دیئے جاؤ گے۔ اس مزدور سے خوب کام لو، اس کو عیش مت دو۔ جیسے آپ کو کمشنر یا وزیر اعظم گھوڑا دے کہ جاؤ فوراً حیدر آباد جاؤ، سیلاب آگیا ہے، وہاں جا کر کچھ کام کرو۔ آپ نے کیا کیا کہ گھوڑے کو خوب مکھن وعمدہ غذا کھلایا، تیل وسرمہ لگایا۔ گھوڑا جہاں کا وہیں، عمدہ چائے بھی پلائی، دوپہر کو شاندار مرغن غذا دیا، پھر بھی کام نہ لیا، ٹائم ختم ہوگیا۔ تو کیا کہے گا وزیر اعظم۔ بھائی گھوڑا اسی لئے دیا گیا تھا، بھائی کھلاؤ اسے ضرور مگر اس سے کام لو۔ ویسے اللہ پاک نے ہمیں کھانے کی تو اجازت دی ہے مگر اس نفس سے کام بھی لینا ہے۔ کماؤ، کھاؤ، نفس کو کھلاؤ مگر اس سے خوب خوب کام لو۔

لفظوں کی تلوار

فرمایا: بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص "نیک" بننا چاہتا ہے مگر اس کا ماحول یا معاشرہ اس راہ میں آڑے آتا ہے کالج کے ساتھی طعنہ دیتے ہیں، دفتر کے احباب چھیڑتے ہیں، بعض والدین اولاد کو نیک نہیں بننے دیتے ہیں۔ کسی کی بیوی اتنی شیطان ہوتی ہے کہ شوہر کو نیک بننے نہیں دیتی۔ سوچئے، لوگوں نے تو اللہ کی راہ میں گردنیں کٹوادی ہیں اور ہم معمولی الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لوگوں نے لوہے کی تلوار سے گردنیں کٹوادیں تم الفاظ کی تلوار برداشت نہیں کر سکتے ہو۔ کسی نے آپ کو داڑھی دیکھ کر "ملا" کہہ دیا تو آپ گھبرا گئے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی، شریعت کی راہ میں صبر وہمت سے کام لینا سیکھئے۔

خدا کی حفاظت

فرمایا: جو شخص خدا اور اس کے احکام کی پیروی کرے گا اپنے نفس اور معاشرہ سے مغلوب نہ ہوگا، خدا اس کی حفاظت فرمائے گا۔ جو رسولؐ کے حکم کو مانتا ہے

وہ خدا کے حکم کو مانتا ہے اور جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ خدا کی مخالفت کرتا ہے۔ پہلے لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی تعمیل میں گردنیں کٹوا دیں۔ اب اگر گردن نہیں کٹا سکتے ہیں تو کم سے کم تکلیف کی تلوار کو تو برداشت کیجئے۔ یاد رکھئے اگر آپ نفس یا معاشرہ سے مغلوب ہو کر خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کی حفاظت سے محروم ہو جائیں گے اور جو شخص خدا کی حفاظت سے محروم ہو جائے وہ کسی وقت بھی عذاب میں پکڑا جا سکتا ہے۔

رجوع کرنے والوں کو قبول کرو

فرمایا: مجھے بیعت وارشاد کی اجازت مکہ مکرّمہ سے جمعہ کے دن مرحمت ہوئی اور یہ حکم ملا کہ رجوع کرنے والوں کو قبول کرو۔ شرط صرف مناسبت ہو۔ مناسبت ہی اہم چیز ہے۔ اگر کوئی گنہ گار ہے تو اس کو بُرا اور بدکار سمجھ کر چھوڑ نہیں دینا چاہئے، پتہ نہیں کب وہ جہاز کی طرح اڑنا اور بلندیوں کو چھونا شروع کر دے۔ اس لئے رجوع کرنے والوں کو قبول کر کے ان کی رہنمائی کرنی چاہئے۔ رجوع کرنا خود توفیقِ خداوندی کی دلیل ہے۔ اگر اللہ توفیق نہ دیتا تو وہ رجوع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تربیت میں طبیعت کی رعایت

فرمایا: اگر کسی کی طبیعت میں نقشبندیت ہے، سکون ہے، ٹھنڈا پن ہے اس کو جوش میں لا کر گرم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کی طبیعت ومزاج میں جوش ہے، شورش ہے، اس کے آہ و نالہ کو اگر ہم ٹھنڈا کرنا چاہیں تو وہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ طبیعتوں کا خالق اللہ ہے، اس کو کوئی کیسے بدل سکتا ہے۔ اس لئے شیخ کو چاہیئے کہ طالب کی طبیعت کے لحاظ سے تربیت کرے۔ رنگ ومزاج کے لحاظ سے تربیت کرنی چاہئے۔ ایسی تربیت کا خاطر خواہ فائدہ اور نفع ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا امتحان

فرمایا: قطب عالم حضرت گنگوہیؒ جب مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب و غریب امتحان لیا گیا۔ حضرت مہاجر مکیؒ نے خیال فرمایا کہ دیکھیں رشید کے نفس کا کیا حال ہے؟ ہندوستان میں لوگ تو آنکھوں پر بٹھاتے ہوں گے۔ اس عقیدت و محبت نے مغرور تو نہیں بنا دیا ہے، حاضری پر کوئی خاص التفات نہیں فرمایا۔ مگر حضرت گنگوہیؒ با ادب بیٹھے رہے۔ جب دستر خوان بچھا تو آپ کے ہاتھ میں روٹی رکھ دی گئی۔ دستر خوان پر بٹھایا بھی نہیں، بس دور ہی بٹھا کر پلیٹ کی بجائے ہتھیلی پر روٹی رکھ دی اور بغور چہرے کو دیکھنے لگے کہ دیکھیں کیا رنگ آتا جاتا ہے ـــ مگر حضرت گنگوہیؒ کا عشق و سرمستی کا عالم عجیب تھا، ہتھیلی پر روٹی تھامے فرطِ خوشی سے جھوم رہے ہیں ـــ جب مرشد نے دیکھا کہ مرید میں کوئی "عُجب" نہیں ہے تو پھر کمالِ التفات اور شفقت و عنایت فرمائی۔

بھائیو! اللہ والوں کے ساتھ یہی محبت اور شیفتگی رکھنی چاہئیے جب ہی کامیابی ملتی ہے ورنہ غرور اور بڑائی کا احساس انسان کو ترقی سے روک دیتا ہے۔

مولانا تھانویؒ سے مولانا سید سلیمان ندویؒ کا اصلاحی تعلق

فرمایا: بھائیو! پیر وہی ہے جو دل کا پیرا نکال دے۔ دنیا کی محبت نکال کر خدا کی محبت اور آخرت کی فکر بھر دے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کو اپنے علم پر ناز تھا۔ جب علامہ نے حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنا چاہا تو حضرت تھانویؒ نے اپنے چند مختصر کتابچوں کے مطالعہ کے لئے لکھا۔ علامہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ سیرت النبیؐ اور دوسری بڑی بڑی کتابیں لکھنے والے کو "کتابچوں" کے مطالعہ کا حکم دیا گیا تھا ـــ علامہ نے یہ باتیں پھر لکھ بھیجیں ـــ حضرت تھانوی نے کہا، جب آپ سمندر ہیں تو پھر دریا کی کیا ضرورت ہے؟ بہرحال علامہ نے ان کی شرطوں کو پورا کیا ـــ واقعۃً علم نام ہے اس معرفت کا جو ذکر پر

یاد پر بے چین کر دے۔ اور عالم، عالمِ غیب کو یقین کے ذریعہ عالم شہادت میں بدل دیتا ہے
پھر جب علامہ نے رجوع کیا تو اُن کی دنیا ہی بدل گئی۔ اور پھر عالم یہ ہو گیا کہ ذکر کی حلاوت
کے بارے میں فرمانے لگے ؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

تہجّد کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں ؎

وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے صبح ہی سے انتظارِ شام ہے

آپ کی دنیا بدل چکی تھی۔ علم نے آگاہی و معرفت تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے ساتھ آپ کے
اس پیر سے جس نے دل سے پیرا نکال دیا تھا اس درجہ لگاؤ، اُنس و محبت، عقیدت و
وارفتگی تھی کہ لفظوں میں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت تھانوی کے بارے میں
کہتے تھے ؎

جی بھر کے دیکھ لوں یہ جمالِ جہاں فروش پھر یہ جمالِ نور دیکھا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تیری محفل کا یہ چراغ جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

فرمایا۔ "میں نے بھی حضرت علامہ کی حالت کو سامنے رکھ کر ایک شعر کہا ہے ؎

میرے حال پر تبصرہ کرنے والو تمہیں بھی کبھی عشق یہ دن دکھائے

بے جا غصہ سے پرہیز کیجئے

فرمایا: بے جا غصہ سے انسان کو پرہیز کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے:

اِنَّ الغَضَبَ یُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔	بے جا غصہ کرنا ایمان کو ایسا ہی خراب کرتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔

شہد کتنا شیریں اور میٹھا ہوتا ہے لیکن ایلوا کی آمیزش سے اس کی ساری شیرینیت
اور مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ وہ کڑوا ہو جاتا ہے، اس میں فساد آ جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان شہد
سے بھی زیادہ شیریں اور میٹھا ہے مگر جب اس میں غصہ کی آمیزش ہو جاتی ہے تو اس میں بھی خرابی

پیدا ہو جاتی ہے، فساد آجاتا ہے۔ آپ کیوں اپنے ایمان کو بے جا غصہ کی وجہ سے نقصان پہنچاتے ہیں۔ عیش ہو یا طیش ہر حال میں خدائی احکام کی پابندی، اور ایمانی تقاضوں کی تکمیل میں لگے رہیے۔ اس سلسلہ میں بہادر شاہ ظفر نے جو ایک بات کہی ہے اس سے کسی بھی صاحبِ ایمان کو مفر نہیں، وہ تو گویا اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کا ایک بہترین نسخہ ہے، وہ فرماتے ہیں ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

شیطان کُش دوا

فرمایا: آج کل وسوسہ کی بیماری عام ہے۔ طرح طرح کے بُرے خیالات ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ شیطان کا ہر طرف سے حملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سے جس طرح کہ مچھر اور کھٹمل کا۔ لوگوں نے مچھر اور کھٹمل کو مارنے کی نئی نئی دوائیں ایجاد کی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا مرنا یقینی نہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کو دُور کرنے اور وسوسۂ شیطانی کو مارنے کے لئے ایک دوا تجویز فرمائی ہے، بہت مختصر مگر نہایت زود اثر اور فائدہ قطعی ہے۔ یہ دوا جامع صغیر میں موجود ہے۔ الفاظ یہ ہیں اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ (میں ایمان لایا اللہ پر اور تمام رسولوں پر) میں نے ایک تبلیغی اجتماع میں اس "شیطان کُش" دوا کا ذکر کیا تو ایک صاحب اس کا ذکر کثرت سے کرنے لگے۔ بعد میں انھوں نے بتایا کہ یہ تو بہت موثر ہے۔ کتنے وساوس دُور ہو گئے۔ میں بدنگاہی کے مرض میں بھی مبتلا تھا۔ گھر سے نکلتے ہوئے اور راستہ میں اس کا ورد کرتا تھا۔ اس کی برکت سے میرا یہ مرض ختم ہو گیا — میں نے اس وقت خیال کیا کہ اصل تعلق تو اس کا "ایمان" سے ہے مگر بہت خوب کہ "اعمال" میں بھی اس کی برکت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپ ہر بُرے خیال آنے کے ساتھ ذکر کے وقت نماز سے قبل، تلاوت کے وقت اور دوسرے اعمالِ صالحہ" کے وقت اس کو پڑھ لیا کیجئے۔ انشاء اللہ بہت مفید پائیں گے۔

نفس زیادہ خطرناک ہے یا شیطان

فرمایا: شیطان سے زیادہ نفس خطرناک ہے۔ اس کی وجہ اس طرح سمجھئے کہ شیطان نام ہے ابلیس کا اور یہ پہلے معلم الملکوت تھا۔ اس کو نفس نے بہکایا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ مت کرو۔ پس معلوم ہوا کہ نفس زیادہ خطرناک ہے۔ اس نے ابلیس کو اتنے اونچے مقام سے نیچے گرادیا۔

انسان کے دل میں جو گناہ کرنے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے یہ کیسے معلوم ہو کہ شیطان کا کا یہ وسوسہ ہے یا نفس کا؟ اس کو حضرت تھانویؒ نے اپنے وعظ کے اندر بیان فرمایا ہے کہ جب دل میں گناہ کرنے کا خیال پیدا ہو تو اگر ایک ہی مرتبہ خیال آیا اور چلا گیا تو سمجھو کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا اور اگر بار بار دل میں گناہ کا تقاضا پیدا ہو، ادھر رک بھی رہا ہے اور ادھر سے وسوسہ اور شدت کر رہا ہے تو سمجھو کہ یہ نفس کا وسوسہ تھا۔ کیونکہ نفس ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور شیطان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ شیطان آپ کے پاس آئے گا اور گناہ کا ایک انجکشن دل میں لگا کر دوسروں کے پاس جائے گا کیونکہ اس کے مریض تو بہت ہیں۔ اگر ایک ہی کے پاس رہے گا تو کیسے کام چلے گا۔ غرض کہ وہ ایک طرف سے سبھوں کو گناہ کا ایک ایک انجکشن لگاتا چلا جاتا ہے کہ گناہ کر ڈالو۔

تین گناہ چار عذاب

فرمایا: تین گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے چار قسم کے عذاب نازل ہوتے ہیں وہ گناہ یہ ہیں:

● اَلْمُسْبِلُ:۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی لنگی یا اپنے پاجامہ کو ٹخنے سے نیچے رکھنے والا ہے خواہ وہ کبر کی نیت سے ہو یا تکاسل کی وجہ سے یا عادت کی بناء پر، کسی حال میں اجازت نہیں ہے (البتہ اگر کسی کا پیٹ بڑا ہو اور کپڑا نہ ٹھہرے تو معذوری ہے)
ایک آدمی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ حضورؐ! میں معذور ہوں،

میری لنگی میرے ٹخنوں کے نیچے خود بخود چلی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا اس طرح کہنا گناہ کرنے سے زیادہ بُرا ہے۔ تمہارے کہنے میں اس بات کی خواہش ظاہر ہوتی ہے کہ تم چاہتے ہو کہ میں ٹخنوں کے نیچے لنگی کو رکھوں "۔ میں نے اس بات کو بمبئی میں عرض کیا تھا تو فوراً بڑے بڑے انگریزی داں اپنے اپنے پاجامے اُوپر کرنے لگے۔ بعض دفعہ احکام سے محبت تو ہوتی ہے مگر واقفیت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے حکم کی تعمیل نہیں ہو پاتی ہے۔

● المنّان اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے اُوپر احسان کر کے بعد میں جتلانا کہ میاں وہی تو ہو کہ فلاں دن میں نے تمہاری مدد کی تھی۔

● جو اپنا سودا جھوٹی قسم کھا کر بیچ دیتے ہیں اور سودے کا عیب نہیں بتاتے ہیں۔

حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ کا ایک واقعہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے مجھ سے خود نقل فرمایا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے پاس ایک مرغ تھا' اس کو یہ بیچنا چاہتے تھے۔ اس مرغ کے کے اندر ایک عیب تھا کہ وہ لوگوں کو کاٹ لیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر میں کسی خادم کو دوں تو ہوسکتا ہے کہ اس مرغ کے عیب کو گاہک پر نہ ظاہر کرے جس کی وجہ سے میں قیامت میں پکڑا جاؤں۔ چنانچہ حضرت خواجہ صاحب مجذوب بغل میں اس مرغ کو دبائے ہوئے بازار میں آئے۔ اس شان سے کہ سر پر گول ٹوپی ہے اور لمبا کرتہ ہے اور ہاتھ میں تسبیح ہے اور عہدہ کے اعتبار سے یہ کہ بڑے ڈپٹی کلکٹر تھے۔ لکھنؤ کے فٹ پاتھ پر مرغ کو لئے ہوئے بیٹھے ہیں جو لینے کے لئے آتا پہلے اس کو اس کا عیب بتا دیتے کہ بھائی میرے اس مرغ میں یہ عیب ہے۔ اگر آپ کا جی چاہے تو خرید لیجئے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اس مرغ کو خرید لیا۔ یہ کیا بات تھی اتنے بڑے آدمی ہوتے ہوئے لکھنؤ کے فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے مرغ بیچ رہے ہیں۔ دراصل حضرت تھانویؒ کی صحبت کی برکت تھی۔

ان تین گناہوں پر چار قسم کے عذاب ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔	اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہ کرے گا۔
۲۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ ٥	اور نہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر کرے گا۔

۳۰۔ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ — اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

۳۱۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ — اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

منحوس گھڑی

فرمایا: سب سے بُری اور منحوس گھڑی انسان کے لئے وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کرتا ہے۔ انسان سے جب بھی گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کرلینی چاہئے ورنہ ذلیل ہوتا ہے۔

ایک چور حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ حضرت میں نے یہ پہلی بار چوری کی ہے اس لئے مجھ کو معاف کردیا جائے، آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔! حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو ایک مرتبہ کے گناہ کرنے پر ذلیل نہیں کرتے ہیں جب تک وہ تین مرتبہ یا اس سے زیادہ نہ کرلے۔ چنانچہ جب معلوم کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس نے اس سے پہلے تین مرتبہ چوری کی تھی۔ اس لئے چاہئے کہ جب کبھی بھی کوئی گناہ ہوجائے تو توبہ میں دیری نہ کرے۔ کیتنی منحوس وہ گھڑی ہوتی ہے جس میں انسان اس ذات کی نافرمانی کرتا ہے جو اس کو روزی دیتا ہے۔ جو احکم الحاکمین ہے۔ جب کبھی بھی کسی گناہ کی طرف دل رجوع ہو تو فوراً خیال کرنا چاہئے کہ ہم اس ذات کی نافرمانی کرنے جارہے ہیں جس کا آسمان اور زمین ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین شق ہوجائے جس میں ہم چلے جائیں یا آسمان نہ پھٹ پڑے جس سے ہم ہلاک وبرباد ہوجائیں۔

کفالت کا نسخہ

فرمایا: دُنیا میں انسان جب تک بالغ نہیں ہوتا ہے اس وقت تک اپنے ماں باپ کی کفالت میں رہتا ہے۔ بچہ بالکل بے خوف اور بے پرواہ رہتا ہے، جو ضرورت ہوتی ہے اپنے والدین سے اس کا ذکر کرکے حاصل کرلیتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ جو طلبہ ہیں ان کو اگر کسی قسم کی ضرورت پڑے تو خط کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے گھر پر اطلاع کرکے اپنے والد اور والدہ سے

سامان منگوا لیتے ہیں مگر انہیں طلبار کی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو ان کے والدین اور دیگر حضرات نہیں پورا کر سکتے۔ مثلاً ان کو سبق یاد نہیں ہوتا ہے، اگر یہ لوگ اپنے والد کے پاس خط لکھیں کہ ہم کو سبق یاد نہیں ہوتا ہے اس لئے آپ مدرسہ میں آکر میرا سبق یاد کر لیا کریں۔ تو کیا ان کے والد اس طرح کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ اور اگر وقتی طور پر ان کے والد آکر سبق یاد کر لیں تو کیا ان کا سینہ کلام پاک کے نور سے منور ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب یہ لوگ یہاں سے پڑھ کر اپنے اپنے وطن جائیں گے اور بالغ ہو جائیں گے تو ان کی شادی کر دی جائے گی۔ اب یہ اپنے باپ کی کفالت میں نہیں رہے، ان کے بچے پیدا ہوں گے اور ان کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑے گا اور پریشانیاں زیادہ ہوں گی۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی کفالت تو دوسروں کی جانب سے ہو سکتی ہے اور بعض چیزوں کی نہیں۔ تو میں اس وقت ایک ایسا نسخہ بتا رہا ہوں کہ جس سے ہر کام میں ہر جگہ کفالت ہو یعنی کوئی کام ایسا نہیں کہ جس کی کفالت نہ ہو سکے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ: تقویٰ کو اختیار کرو۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے بچنا یعنی خدائے پاک کو ناراض نہ کرنا۔ یہ نسخہ ہے ہر کام کی کفالت کا۔ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کو اخروی انعامات کے علاوہ تین قسم کے انعامات دنیا ہی میں مل جاتے ہیں:

۱۔ دل کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ہر مشکل سے نکال دے گا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح روزی دے گا کہ اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔

ان انعامات کا اظہار سورۃ الطلاق کی آیتوں سے ہوتا ہے جن میں فرمایا گیا ہے:-

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ... وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗ اِلَيْكُمْ ۚ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ

اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لئے (مشکلات سے) نجات کی شکل نکال دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے گمان بھی نہ ہو ... اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری

يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًاo | طرف اتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کے گناہ دُور کرے گا اور اس کو بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

پس اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے حکم سے آسان فرمائیں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کسی انسان کی مدد سے اس کے کاموں کو آسان کردوں گا بلکہ ذالک امر اللّٰہ کی قید لگی ہوئی ہے یعنی اپنے ہی حکم سے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کرے گا۔ اور یہ حکم کسی مخصوص کام کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام کاموں کے لئے ہے، چاہے کیسا بھی کام ہو اللہ تعالیٰ اس کو سہل اور آسان کردے گا۔

شیخ کی تنبیہ

فرمایا: شیخ کی ڈانٹ اور تنبیہ کو بُرا نہیں سمجھنا چاہئے، اس میں بہت مصلحت ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ شیخ کی ایک ڈانٹ وہ اثر کرجاتی ہے جو چالیس سالہ تربیت سے نہیں ہوتی ہے۔ جو حضرات اپنے شیخ کی ڈانٹ برداشت کرتے ہیں وہی کامیاب بھی ہوتے ہیں اور جو شیخ کی ڈانٹ برداشت نہیں کرتے، مشائخ کی ڈانٹ کو بُرا سمجھتے ہیں وہ کامیابی سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے پاس دو آدمی آئے۔ ایک صاحب نے حضرت کے سامنے جھک کر کچھ بہت ہی آہستہ سے بات کی۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا، کیا آپ نماز پڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے میرے سامنے رکوع کرنے لگے اور اتنی آہستہ سے بات کرکے مجھ کو تکلیف کیوں دی۔ ان صاحب نے فوراً اپنی غلطی کو تسلیم کرکے معافی مانگ لی۔ دوسرے صاحب کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ پیش آیا، ان کو بُرا معلوم ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ جن صاحب نے معافی مانگ لی تھی وہ تو کامیاب ہوگئے اور دوسرے صاحب محروم رہ گئے۔ کتنے بڑے بڑے لوگوں نے اپنے مشائخ کی ڈانٹ برداشت کی اور کامیاب ہوگئے۔ حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحبؒ جیسے لوگ جب حضرت تھانویؒ کے سپرد اپنے آپ کو کردیا، چندہی دن رہے اور ہر قسم کی

ڈانٹ ڈپٹ کو برداشت کیا، چنانچہ کامیاب ہوگئے اور فرماتے ہیں کہ ؎

لی فقیری یادشاہت ہوگئی　　　عشق کی ذلت بھی عزت ہوگئی

بھائیو! اس راہ کے اندر ہر قسم کی ڈانٹ ڈپٹ برداشت کرنا پڑتی ہے۔ اگر وہ کہیں کہ تم فلاں جگہ چلے جاؤ، تمہارے حالات ٹھیک نہیں ہیں تو اس کو بھی بُرا نہیں سمجھنا چاہیے۔ غرضیکہ وہ جس طرح سے بھی ڈانٹیں اس کو برداشت کرو۔ انشاءاللہ کامیابی ہوگی۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں　　　گھری خارزاروں سے پھلواریاں ہیں
نہ لو نام اُلفت جو خودداریاں ہیں　　　بڑی ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

جو شخص شیخ کی ڈانٹ کو برداشت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ڈانٹ سے قیامت کے دن محفوظ رہے گا۔

ایک گزارش

فرمایا: میری ایک گزارش اور ہے وہ یہ کہ ہر شخص اپنا ایک شیخ منتخب کرلے جس کو اپنے امراضِ باطنہ سے مطلع کرکے نسخہ پوچھے اور اس پر عمل کرے۔ یہ بہت اہم بات ہے اور میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کسی بھی قسم کا مرض لکھ دیں۔ خواہ وہ بدکاری کا مرض ہو یا چوری کا مرض ہو یا بدنگاہی اور بدگمانی کا مرض ہو اہل اللہ اپنی نظر میں آپ کو حقیر نہیں سمجھیں گے کہ یہ تو بہت بُرا ہے بلکہ آپ کی عزت ان کے دل میں اور بڑھ جائے گی کہ واقعی یہ آدمی مخلص ہے اور میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ آپ فلاں ہی سے اصلاحی تعلق رکھیں بلکہ آپ کا دل جس طرف چاہے اس سے اصلاحی تعلق قائم کرلیں۔

حضرت تھانویؒ جب اس بات کی تلقین کرتے کہ اپنا تعلق کسی شیخ کامل سے رکھ لو تو صرف اپنے ہی شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا نام نہ لیتے بلکہ بہت سے بزرگانِ دین کا نام شمار کراتے۔ اسی طرح میں بھی کوئی قید نہیں لگا رہا ہوں کہ آپ فلاں ہی سے تعلق رکھیں بلکہ آپ کا جس طرف دل مائل ہو اس سے رکھ لو۔ مگر چائے سانی والا تعلق نہیں، بستر بچھانے

اور اٹھانے کا تعلق نہیں بلکہ اصلاحی تعلق رکھنے کا حکم ہے۔ ہاں ویسے ان حضرات کا بستر بچھانا اور اٹھانا اور ان کی خدمت کرنا ثواب سے خالی نہیں۔ لیکن تعلق درحقیقت اصلاحی ہونا چاہئے۔ اگر اصلاحی تعلق نہیں ہے تو وہ کتنا ہی ہاتھ پیر دبائے اور بستر بچھائے اور اٹھائے اور ان کے ساتھ سفر کرے فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹر کے پاس جائے اور اس سے اپنے امراض نہ بتلائے بلکہ دوستی کا تعلق قائم کرے تو کیا اس کو فائدہ ہو جائے گا۔ اگر مریض اپنی چائے ڈاکٹر کو اور ڈاکٹر اپنی چائے مریض کو پلائے تو کیا مریض ٹھیک ہو جائے گا، ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ جب تک اپنے مرض اس سے نہ بتائے گا اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر نہ چلے گا اس وقت تک مریض ٹھیک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے پاس رہے اور اپنے امراض باطنہ نہ بتلائے اور ان کے حکموں کی تعمیل نہ کرے تو فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اپنے کو کسی شیخ کے تابع کر کے تو دیکھو کس طرح مزے کی زندگی گزرتی ہے۔

توبہ میں دیر نہیں کرنی چاہئے

فرمایا: جب کبھی بھی کوئی غلطی اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگنے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ ایک مرتبہ کے گناہ سے اگر معافی نہ مانگے گا تو دوسرے گناہ کا ارتکاب ہوگا اور ہر مرتبہ گناہ کرنے سے عادت مضبوط ہوتی چلی جائے گی۔ پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ گناہ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

حدیث پاک میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کی حالت اس طرح ہو جائے گی کہ وہ سڑکوں پر تمام لوگوں کے سامنے بدکاری کرنے لگیں گے یعنی ان لوگوں کی گناہ کرنے کی عادت اس طرح ہو جائے گی کہ یہ گناہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس لئے توبہ کرنے میں غفلت نہیں کرنی چاہئے کہ یہ توبہ عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھ کر اللہ سے خوب رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہئے۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ معافی میں "سجدہ گہ را ترکن از اشک رواں" یعنی سجدگاہ کو رو رو کر تر کر دو کہ دل گواہی دینے لگے کہ بس بس اب توبہ قبول ہو گئی۔ اور اگر کسی کو رونا نہ آئے تو

وہ رونے والوں کی طرح شکل بنالے۔

توبہ کی قبولیت کے آثار

فرمایا: انسان سے جب غلطی ہو جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے تو اس کے دل میں خود معلوم ہو جاتا ہے کہ میری توبہ قبول ہو گئی۔ انسان جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک آگ لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے بہت بے چینی دل میں محسوس ہوتی ہے۔ لیکن جب رو رو کر انسان اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے کرم کا پانی ان گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ان گناہوں سے جو بے چینی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو گناہ ہوتے ہیں ان کا تعلق دوزخ کے ایک برانچ سے ہوتا ہے۔ جو شخص برانچ میں داخل ہو جاتا ہے وہ ہیڈ آفس کے اثرات کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ گناہ جہنم کی ایک برانچ ہے۔ جو جہنم کی ایک برانچ میں داخل ہو جائے گا اس کو ہیڈ آفس یعنی جہنم کی گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ یعنی دل میں پریشانی بڑھ جاتی ہے لیکن جب توبہ کرتا ہے، تو آگ بجھ جاتی ہے اور آگ بجھتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ توبہ قبول ہو گئی۔

تقویٰ کی حقیقت

فرمایا: یَاۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے یَاۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ اے ایمان والو! اِتَّقُوا اللّٰہَ یعنی ڈرو اللہ سے، وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ اور ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ یہاں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ یعنی ڈرو اللہ سے۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈریں تو کیسے ڈریں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسجد میں ذرا ٹھیک رہنا چاہئے، وہیں نماز روزہ ادا کر لو اور اللہ سے ڈر لو بس کافی ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِتَّقُوۡا، ڈرو۔ یہ امر حاضر معروف ہے اور عربی قواعد کے مطابق امر بنا ہے فعل مضارع سے اور فعل مضارع کے اندر تجدد، استمرار، اور دوام پایا جاتا ہے۔ پس

اس بات سے ظاہر ہوگیا کہ اِتَّقُوْا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ڈرو اللہ سے، بلکہ بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ ڈرتے رہو اللہ سے۔ کیونکہ اس کے اندر استمرار اور تکرار پایا جاتا ہے۔ ڈرنے کا حکم کوئی ایک یا دو دن کے لئے نہیں ہے ایک دو مہینہ اور ایک دو سال کے لئے نہیں ہے بلکہ مرتے دم تک کے لئے اِتَّقُوْا کے ذریعہ ڈرتے کا حکم لگایا جارہا ہے۔

تقویٰ حاصل کرنے کے چار نسخے

اِتَّقُوْا اللّٰہَ کا مطلب تو سمجھ لئے مگر بات یہ رہ جاتی ہے کہ جو ڈرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے یہ خوف اور ڈر پیدا کیسے ہوگا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس کو چار نسخوں میں تقسیم کرکے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ نسخے یہ ہیں:

(۱) اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا، یعنی اللہ والوں کے پاس بیٹھنا اٹھنا۔ اور ان سے تعلق محض اللہ کے لئے رکھنا۔

(۲) اہل اللہ کی سیرت کا مطالعہ کرنا یعنی ان حضرات کے حالات کو پڑھ کر سبق اور موعظت حاصل کرنا۔

(۳) موت کو کثرت سے یاد کرنا اور اس کے بعد کے جو احوال ہیں ان کو خوب مستحضر کرنا۔

(۴) جہنم کے حالات کو سوچنا کہ وہاں اس اس طرح کا عذاب ہوگا۔

یہ چار نسخے ہیں، ان سے انشاء اللہ بہت جلد اللہ کا تقویٰ حاصل ہو جائے گا۔

پرہیز کے ساتھ نسخہ استعمال کیا جائے

فرمایا: نسخہ تو معلوم ہوگیا کہ تقویٰ اس طرح پیدا ہوگا، مگر نسخے کے ساتھ اگر پرہیز نہ کیا جائے تو نسخہ بے کار ہو جاتا ہے۔ جس طرح ڈاکٹر اور حکیم حضرات دوا دینے کے ساتھ پرہیز بھی بتا دیتے ہیں کہ دیکھو اگر تم نے میری دوا کے ساتھ پرہیز رکھا تب تو فائدہ حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح ان نسخوں کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص صرف نسخے پر عمل کرے اور

اس کے ساتھ پرہیز نہ کیا جائے تو فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اس کو بھی حضرت مولانا شاہ ہردوئی نے بیان کر دیا ہے کہ ان تقویٰ کے نسخوں کے ساتھ دو چیزوں کا پرہیز ضروری ہے۔ اگر نسخوں کو پرہیز کے ساتھ استعمال کیا جائے تو انشاء اللہ بہت جلد فائدہ حاصل ہوگا۔ پرہیز یہ ہیں :۔

(۱) غیبت سے بچنا۔ یہ ایسا گناہ ہے کہ ساری نیکیوں کو تباہ اور برباد کر ڈالتا ہے۔ ہر وقت اپنی زبان پر نگاہ رکھنی چاہئے کہ یہ غیبت اور افتراء سے محفوظ رہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبان جسم کے اعتبار سے ہے تو بہت چھوٹی مگر اس کے جرائم بہت ہیں۔ کہیں دو آدمی جمع ہوئے بس تیسرے آدمی کی غیبت کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ حضرات! انسان جس شخص کی غیبت کرتا ہے تو غیبت کرنے والے انسان کی سب نیکیاں اس شخص کو دے دی جاتی ہیں جس کی یہ غیبت کرتا ہے اور اگر اب بھی اس کا حق نہیں ادا ہوا تو اس کی برائیوں کو اس غیبت کرنے والے انسان کے اوپر ڈال دی جاتی ہیں۔ سوچنے کا مقام یہ ہے کہ جب ہم کچہری اور دفتروں سے اپنی اپنی تنخواہ لے کر چلتے ہیں تو کس قدر اس کو حفاظت سے لاتے ہیں۔ ہر وقت روپیوں پر بھی ایک ہاتھ رکھا رہتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو میرا پیسہ کوئی گرہ کٹ کاٹ لے جائے یا کہیں گر جائے اس میں ذرہ برابر بھی غفلت اور لاپرواہی نہیں ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہم نیکیاں تو کرتے ہیں لیکن ان کی حفاظت نہیں کر پاتے۔ کہیں کسی کی غیبت کر کے زبان کے ذریعہ سب نیکیاں ضائع کر دیتے ہیں، کبھی آنکھوں کے ذریعہ کبھی کان کے ذریعہ۔

(۲) بدنگاہی سے پرہیز کرنا ـــ یہ مرض تو بہت بڑھا ہوا ہے۔ عوام تو عوام رہے خواص بھی اس میں داخل ہیں۔ ہم سڑکوں پر چلتے ہیں، اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کر پاتے۔

بھائیو! جس طرح ہم دیکھنے پر قادر ہوتے ہیں اسی طرح نہ دیکھنے پر قادر ہوتے ہیں اب جس کا جی چاہے جس بات پر عمل کرے۔ ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ کے پاس لکھا کہ حضرت میں بدنگاہی کے وقت بدہوش ہو جاتا ہوں، مجھ کو کسی طرح قابو نہیں ملتا کہ میں بچ سکوں بدنگاہی کے وقت مجھ کو اس سے بچنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے جواب

لکھا کہ اس بدنگاہی سے بچنے میں جو تم کو تکلیف ہوتی ہے اس ذرا سی تکلیف کو تم برداشت نہیں کر سکتے ہو تو خود سوچو اس کی وجہ سے جہنم کا عذاب ملے گا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس تھوڑی دیر کے مزے کو ہمیشہ ہمیش کے عیش و آرام پر ترجیح دیتے ہو، بھائی اس وقت کی تھوڑی سی تکلیف کو برداشت کر لو آخرت میں ہمیشہ ہمیش کا چین و آرام حاصل ہوگا۔ گویا یہ دو پرہیز ہیں، ایک غیبت سے بچنا اور دوسرے بدنگاہی سے پرہیز رکھنا۔ انشاء اللہ ان دو پرہیزوں کے ساتھ تقویٰ حاصل کرنے کا نسخہ زود اثر ثابت ہوگا۔

صادقین کے ساتھ رہنے کا مطلب

فرمایا: اب سنئے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی تشریح۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اب تو صادقین رہے ہی نہیں، ہم کن سے تعلق جوڑیں۔ یہ غلط بات ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ہو جاؤ صادقین کے ساتھ۔ یہ حکم ایک دو دن اور ایک دو ہفتہ کے لئے نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر کوئی باپ اپنے گھر میں تمام لڑکوں پر حکم لگا دے کہ روزانہ سب لوگ آدھا لیٹر دودھ پیا کرو تو یہ حکم لگا دینے کے بعد باپ ہی کا ذمہ بھی ہے کہ وہ سب کے لئے آدھا لیٹر دودھ کا روزانہ انتظام کرے۔ اگر روزانہ دودھ کا انتظام نہ کرے گا تو وہ باپ جھوٹا ثابت ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی فرما رہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں تو ان کے ہی ذمہ صالحین اور صادقین کا پیدا کرنا بھی ہے، تو ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ ہی کہیں کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ اور صادقین کو پیدا نہ کریں۔ جس طرح وہ باپ اپنے بچوں کو دودھ پینے کا حکم لگانے کے بعد اگر دودھ کا انتظام نہ کرے تو جھوٹا ثابت ہوگا، اسی طرح نعوذ باللہ، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اُوپر بھی یہ بات صادق آئے گی۔ حضرات، اس قسم کی بات کرنے والے کہ صادقین اب رہے ہی نہیں قرآن پاک کو جھٹلاتے ہیں۔ اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ کلام پاک کس کا کلام ہے۔ گویا کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے قول کو جھٹلا رہے ہیں (نعوذ باللہ) میں سچ کہتا ہوں کہ جس طرح پہلے صادقین اور صالحین

تھے اسی طرح اس وقت بھی صادقین اور صالحین موجود ہیں۔ طلب اور جستجو ہو تو وہ نظر آجاتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی دو نصیحتیں

فرمایا: میں حضرت تھانویؒ کے دو ملفوظ پیش کر رہا ہوں۔ اگر ان کو سونے کے پانی سے بھی لکھا جائے تو بھی ان کا حق ادا نہ ہوگا۔ وہ دو ملفوظ یہ ہیں:۔

(۱) دنیا میں خواہ کتنے ہی کارخانے لگوا لو، کتنے ہی خدام رکھ لو، کتنا بھی آرام راحت کا انتظام کر لو سب ہیچ ہے۔ اگر دنیا میں کوئی چیز حاصل کرنے کی ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا کرنا ہے۔ اور صحیح تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی رکھو۔

(۲) دوسری نصیحت یہ ہے کہ بعض لوگوں میں ناز اور فخر کا مادہ ہوتا ہے۔ دوسروں کو حقیر اور خود کو بڑھیا سمجھنے لگتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کسی کے دل میں رائی کے برابر بھی کبر ہوگا تو وہ جنت میں نہیں داخل ہو سکتا جب تک وہ پاک نہ ہو جائے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو کبھی اپنے اوپر بفضلہ تعالیٰ ناز اور فخر نہیں ہوا کہ میں اچھا ہوں کیونکہ میں اپنے دل میں سوچتا رہتا ہوں کہ لوگ یہاں تو خوب حضرت اور شیخ و مرشد کہہ رہے ہیں، ہر سمت خوب عزت ہوتی ہے مگر کیا معلوم کہ آخرت میں کیا حال ہو۔ اور یہی تکبر کا علاج بھی ہے کہ اپنے دل میں سوچتا رہے کہ خدا جانے آخرت میں کیا حشر ہوگا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

اپنے اوپر انسان کیا ناز اور فخر کرے۔ کیا معلوم کہ آخرت میں کیا حال ہوگا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کوڑھی کہیں زکامی پر ہنسا کرتا ہے کہ اس کو چھینک آرہی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرا کوڑھ اس کی چھینک سے کہیں زیادہ خراب ہے۔ میں نے حضرت تھانویؒ کے اس ملفوظ کو نظم کر دیا ہے ؎

نامناسب ہے اے دلِ نازاں اک جذامی ہنسے زکامی پر

ہر شخص اپنے کو مثل کوڑھی کے سمجھے اور دوسروں کو مثل زکامی کے تب ان شاء اللہ کبر کا نام بھی دل میں نہ آئے گا۔

سینما، ٹی وی اور ویڈیو

فرمایا: آج جو نوجوانوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ سینما بینی ہے۔ مخرب اخلاق اور عریاں فلموں کو دیکھ کر یہ اپنی بھری جوانی تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ شراب نوشی، زناکاری، مار دھاڑ، چوری ڈکیتی یہ سب بُری عادتیں عام طور پر نوجوان یہیں سے سیکھتے ہیں۔ گویا سینما کا پردہ مخرب اخلاق چیزوں کے لئے "ٹریننگ سنٹر" بنا ہوا ہے۔ گھر کے بڑے بزرگ جو نوجوان کو روک ٹوک کر ان کی اصلاح کر سکتے تھے وہ خود اس میں مبتلا ہیں۔ بے غیرتی کی حد ہوگئی کہ سینما کے پردہ پر عریاں تصاویر آتی ہیں، بوس و کنار کے مناظر دکھائے جاتے ہیں، عشق و محبت کے فحش گانے گائے جاتے ہیں، حیا اور شرم جس سے پانی پانی ہو وہ مکالمے مردوں اور عورتوں کے درمیان ہوتے ہیں اور یہ سب مناظر گھر کے بڑے بزرگ، ساس، خسر، باپ، ماں اور دادا دادی کی حیثیت سے، بیٹے بیٹیوں اور پوتے پوتیوں، نواسہ نواسیوں کو پہلو میں بٹھائے ہوئے بڑے مزے سے دیکھتے ہیں۔ ع

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

(آسماں کو حق ہے کہ ایسے اعمالِ قبیحہ پر زمین پر خون کی بارش برسائے)

آج کل تو ٹی وی اور ویڈیو نے تو لوگوں کو سینما گھروں تک جاتے اور ٹکٹ کی لائن بنانے کی زحمت سے بھی بچا دیا ہے۔ ہر گھر سینما گھر کا منظر پیش کر رہا ہے۔ جو برائی کسی نہ کسی درجہ میں گھر کے باہر تھی اب تو گھر کے اندر گھس کر آگئی ہے، جس کی وجہ سے گھر کا پورا ماحول بگڑتا جا رہا ہے، حد تو یہ ہے کہ .... بلو فلموں سے جی بہلایا جا رہا ہے۔ اس لعنت کو رکھتے ہوئے خدا کی رحمت کی تلاش ایسا ہی ہے جیسے کہ جلتے ہوئے چولھے میں کوئی شخص کاغذ تلاش کر رہا ہو۔

اس طرح کی چیزوں میں آخرت کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سوائے گناہِ بے لذت کے ـــ ٹی وی اور ویڈیو سے انسان کی آنکھوں کی روشنی کمزور ہو رہی ہے، کاہلی اور سستی آ رہی ہے۔ محنت جفاکشی اور وقت کو صحیح طور پر استعمال کرنے سے

بے نیازی بڑھ رہی ہے، بچوں کی تعلیم خراب ہورہی ہے۔ ان کی تربیت کا نظام بگڑ رہا ہے۔ اس لئے مسلمانوں، خصوصیت کے ساتھ دیندار گھرانوں کو اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے۔ کیونکہ ان چیزوں کے "ام الخبائث" ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

موسیقی اور گانا باجا

فرمایا: بھائیو! آج کے زمانہ میں موسیقی اور گانا باجا بہت عام ہوگیا ہے۔ اب یہ فتنہ مسلمانوں کے دروازہ تک نہیں بلکہ ان کے گھروں میں بُری طرح گھس گیا ہے۔ بڑے، بچے، بوڑھے، عورتیں سب اس فتنہ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ لوگوں نے اسے "ضروریاتِ زندگی" میں داخل کر لیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اس نبیؐ جس سے یہ عشق ومحبّت کا دم بھرتے ہیں، کا فرمانِ مبارک سُنا ہی نہیں ہے: یعنی

اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔	راگ گانا قلب کے اندر نفاق (عدم خلوص) کو اسی طرح اُگاتا ہے جس طرح پانی ترکاری سبزی کو اُگاتا ہے۔ [۱]

اس قول کے ساتھ آپؐ کا عمل یہ تھا کہ جب کسی راستہ اور گلی میں باجے کی آواز کان میں پڑجاتی تو وَضَعَ اِصْبَعَیْهِ عَلٰی اُذُنَیْهِ وَ نَایٰ عَنِ الطَّرِیْقِ ــــ یعنی اپنے کانوں پر انگلی رکھ لیتے اور اس راستہ ہی سے ہٹ جاتے ــــ اب حال یہ ہے کہ گانے باجے کی اگر آواز دور سے بھی آرہی ہو تو ہم نزدیک جاتے ہیں تاکہ خوب اچھی طرح سن سکیں۔

غور کیجئے، ہمارے اور ہمارے نبیؐ کے عمل میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ہم آپؐ کو معلّم اکبر اور ہادی اعظم مانتے ہیں اور آپ کی تعلیم اور ہدایت کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے۔ یہ بات نہایت فکر کی ہے۔ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے اعمال دکھائے جاتے ہیں۔ گانے باجے والے اعمال کو دیکھ کر آپؐ کا دل کتنا دُکھتا ہوگا۔ اس اذیتِ رسولؐ پر کسی کی نظر نہیں ــــ بھائیو! اس قسم کے شوق سے توبہ کرو۔ قرآن کو تجوید سے پڑھو اور سنو۔ دل میں ایمان ہو تو اس کے پڑھنے اور سننے میں گانے باجے کی لذّت سے کہیں زیادہ

---

[۱] نفاق سے مراد نفاق عملی ہے نہ کہ نفاق اعتقادی

لذت ہے، آزما کر دیکھو ۔ وہ عمل کرو جس میں حضورؐ کی اتباع ہو اور خدا خوش ہوتے ہوں ۔

ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

مُرتّب عرض کرتا ہے: گانا باجا اور موسیقی انسان کے ذہن و دماغ کو پراگندہ کرتی ہے، اس سے اخلاق و کردار پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے رومانیت اور شہوانیت کے جال میں ایک انسان پھنستا ہوا زندگی کے ٹھوس اور بنیادی حقائق سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر وہ انسان جو موسیقی کا رسیا اور دلدادہ ہو وہ موسیقی کے ماحول میں کیوں کر اپنے مقصدِ حیات (پروردگار عالم کی عبادت وسیع ترمعنی میں) کی تکمیل کر سکتا ہے ؟

سورۂ لقمٰن میں ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

اور لوگوں میں کوئی آدمی ایسا ہے جو بے ہودہ حکایتوں کو خریدتا ہے تاکہ بغیر جانے لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے یہی لوگ ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے

جمہور صحابہ اور تابعین اور عام مفسرین کے نزدیک "لھوالحدیث" عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالے ۔ اس میں غنار اور مزامیر بھی داخل ہے اور بے ہودہ قصے کہانیاں، ناول اور واہیات مشغلے بھی۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ایک جگہ کافروں کی سرکشی اور مخالفت کا ذکر کر کے حضرت آدمؑ کے ساتھ شیطان کی دشمنی کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیطان کے لئے ابن آدم کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کھلی آزادی دی گئی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ میرے خاص بندے جو مخلص ہیں ان پر تیرا قابو نہ چلے گا۔ ابن آدم کو گمراہ کرنے کی آزادی دیتے ہوئے شیطان سے کہا گیا ہے کہ: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (بنی اسرائیل ۶۴) ۔ یعنی اس (آدمؑ) کی اولاد میں سے جس کسی کو (پُرفریب) آواز سنا کر بہکا سکتا،

ہے بہکا ـــــ اِسْتِفْزَاز کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ مراد اس جگہ حق سے قطع کر دینا ہے۔ صوت کے عام معنی تو آواز کے ہیں لیکن شیطان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے مراد یہاں شیطان کی وہ آواز ہے جو خدا کی نافرمانی اور عصیان کی طرف بلاتی ہو۔ اس میں شیطانی وسوسہ تو داخل ہے ہی لیکن حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق گانے، مزامیر اور لہو ولعب کی آوازیں بھی شیطان کی آوازیں ہیں جن سے وہ لوگوں کو حق سے قطع کرتا ہے۔ سورۂ فرقان کے آخر میں "رحمٰن کے بندوں" (عباد الرحمٰن) کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (الفرقان ۷۲)	اور جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر سے گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

زُور کے معنی جھوٹ کے آتے ہیں۔ ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ رحمٰن کے بندے کسی جھوٹی بات کی گواہی نہیں دیتے، دوسرے یہ کہ وہ جھوٹ کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ اس دوسرے مطلب کے اعتبار سے جھوٹ کا لفظ باطل اور شر کا ہم معنی ہے۔ انسان جس بُرائی کی طرف بھی جاتا ہے لذت یا خوشنمائی یا ظاہری فائدے کے اس جھوٹے ملمع کی وجہ سے جاتا ہے جو شیطان نے اس پر چڑھا رکھا ہے۔ یہ ملمع اُتر جائے تو ہر بدی سراسر کھوٹ ہی کھوٹ ہے جس پر انسان کبھی نہیں ریجھ سکتا۔ لہذا ہر گناہ اور ہر بدی اس لحاظ سے جھوٹ ہے کہ وہ جھوٹی چمک دمک کی وجہ ہی سے اپنی طرف لوگوں کو کھینچتی ہے۔ اس زور یا جھوٹ میں علماء نے مشرکین کی عیدوں، میلوں ٹھیلوں، شراب پینے پلانے کی مجلسوں، بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلوں کے ساتھ گانے بجانے اور ان کی مجالس کو بھی داخل کیا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ مومن چونکہ حق کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اس لئے وہ اس زور یا جھوٹ کو ہر رُوپ میں پہچان جاتا ہے خواہ وہ کیسے ہی دلفریب دلائل یا نظر فریب آرٹ یا سماعت فریب خوش آوازی کا جامہ پہن کر آئے اور پھر وہ بڑی شرافت اور سنجیدگی کے ساتھ ایسی چیزوں سے دامن بچا لے جاتا ہے۔ اگر اتفاقاً ایسی کسی لغو اور بے ہودہ مجلس پر گزر ہو تو ایک نگاہ غلط انداز تک ڈالے

بغیر اس پر سے اس طرح گزر جاتا ہے جیسے ایک نفیس مزاج آدمی گندگی کے ڈھیر سے گزر جاتا ہے۔
سورۂ نجم کے آخر میں قرآن اور آخرت کے منکرین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ○ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ○ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ○ (النجم ۵۹ تا ۶۱)	اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہارِ تعجب کرتے ہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ اور گا بجا کر انھیں ٹالتے ہو۔

سٰمِدُوْنَ، سمود سے ہے جس کے دو معنی اہلِ لغت نے بیان کئے ہیں۔ ایک معنی ہے تکبّر کے طور پر سر اُوپر اُٹھانا۔ چنانچہ کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے تو غصے اور تکبّر کے ساتھ منہ اُوپر اُٹھائے ہوئے نکل جاتے۔ دوسرا معنی ہے گانا بجانا۔ اس لحاظ سے آیت کا اشارہ اس طرف ہے کہ کفار مکہ قرآن کی آواز کو دبانے اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف ہٹانے کے لئے زور زور سے گانا بجانا شروع کر دیتے تھے۔ اس معنی کے اعتبار سے صاف ظاہر ہے کہ حق کی آواز کو دبانے اور عبادت کے رجحان کو ختم کرنے میں "موسیقی" خاص اثر رکھتی ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار مکہ کی اس روش پر سرزنش فرمائی۔

موسیقی کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینے کے بعد دربارِ نبویؐ میں آئیے، اس تصور واحساس کے ساتھ کہ آپ کے گرد کلمہ گوؤں کا ایک بڑا حلقہ ہے جو جذبۂ اطاعت سے سرشار، پوری توجہ اور انہماک سے آپ کی باتوں کو سُن رہا ہے اور آپؐ ارشاد فرمارہے ہیں:

"مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے ہدایت و رحمت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے آلاتِ لہو (طبلہ وڈھول وغیرہ) اور باجے اور بتکدے اور صلیب اور جاہلیت کی رسمیں مٹانے کا۔[1]

"اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، ڈھول اور بربط کو حرام کر دیا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"[2]

"لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا اور ان کی خرید و فروخت کرنا حلال نہیں ہے اور ان کی قیمت حرام ہے۔"[3]

---

[1] مسند احمد [2] ایضاً [3] ترمذی

"مغنیہ عورتوں کا بیچنا اور خریدنا اور ان کی تجارت کرنا حلال نہیں ہے اور نہ ان کی قیمت لینا حلال ہے[1]۔ جو شخص گانے والی لونڈی کی مجلس میں بیٹھ کر اس کا گانا سنے گا قیامت کے روز اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا[2]۔

• ملاہی (یعنی باجے وغیرہ) کی آواز سننا گناہ ہے اور اس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے[3]۔"

" ایک رات ایک شخص کو گاتے ہوئے سُنا تو فرمایا لَاصَلٰوۃَ لَہٗ، لَاصَلٰوۃَ لَہٗ، لَاصَلٰوۃَ لَہٗ — یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی، اس کی نماز نہیں ہوتی اس کی نماز نہیں ہوتی[4]۔"

مذکورہ بالا احادیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ گانا باجا حرام ہے۔ اس لئے اس کا سننا اس کی مجلس میں جانا، اس کی تعلیم، اس کی فیس لینا اور دینا اس کے آلات اور ان آلات کی خرید وفروخت کرنا سب حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن اسے کیا کہئے کہ دنیا کے بتکدے میں جس طرح توحید کی آواز نئی اور نرالی سمجھی گئی اور آج تک مہذّب و متمدن دنیا کی سمجھ میں اس قدر خشک اور کھُرّی توحید نہیں آرہی ہے، اسی طرح "بے عقل عقلمندوں" کو غنا اور موسیقی کے اس دائمی اور ابدی قانون کے ایک ایک جزئیہ سے بغاوت کرنے ہی میں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کی ترقی دکھائی دے رہی ہے۔ اور جوں جوں تہذیب جاہلی کا رعب دلوں پر مسلط ہوتا جاتا ہے گانے بجانے کی بھی قدر و منزلت اعلیٰ اور ادنیٰ ہر سطح پر بڑھتی ہی جارہی ہے۔ رنج اس پر جتنا چاہے کر لیجئے لیکن حیرت کا قطعاً کوئی محل نہیں، اس لئے بھی کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم قرب قیامت کی نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ارشاد فرما چکے ہیں:

وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ۔	گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے سامان رائج ہوجائیں گے۔

چنانچہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں کہ جہاں کچھ پیسے پاس ہوجاتے ہیں یا معقول ملازمت مل جاتی

---

[1] ترمذی [2] احکام القرآن لقاضی ابوبکر ابن العربی [3] بزازیہ — کفر کا مطلب کفرانِ نعمت ہے کہ اس نے اعضاء کو ایسے کام میں صرف کیا جس کے لئے وہ بنائے نہیں گئے۔ [4] جمع الفوائد

ہے تو سب سے پہلے لہو ولعب اور گانے بجانے کا سامان خریدنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ گھر میں ریڈیو کا ہونا ترقی کا معیار اور آسودگی کی علامت بن چکا ہے۔ ریڈیو بج رہا ہے اور سب چھوٹے بڑے مل کر عشقیہ غزلیں، فحش گانے اور گندہ مذاق سنتے ہیں۔ شادی بیاہ اور دوسری تقریبوں میں گانے باجے کا انتظام نہ ہو تو اس تقریب کو بدمزہ اور پھیکا سمجھا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوا جاتا ہے کہ مسلمان جنھیں دنیا کی امامت سونپی گئی تھی اور اصلاح وتعمیر کے یہ ذمہ دار تھے اس بگاڑ میں بگڑی ہوئی قوم اور بگڑے ہوئے لوگوں کے شانہ بہ شانہ ہیں ۔۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ فخرِ کائنات نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے بے حیائی مٹانے اور گانے باجے نابود کرنے اور لہو ولعب سے ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تشریف لائے تھے مگر دورِ حاضر کے نام نہاد مسلمان خاص سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک قوالی کی مجلس منعقد کر کے ہارمونیم اور طبلہ وغیرہ اور دیگر سازوں پر سنتے ہیں۔ ان مجلسوں کا مقصد دراصل آپ کا ذکرِ پاک سننا نہیں بلکہ نغموں اور باجوں کے ذریعہ نفس کو خوش کرنا ہے۔ خدائے قدوس کے مقدس نبیؐ کے ذکر کا بہانہ لے کر نفس کو لذت پہنچانا یقیناً بڑی بدبختی ہے ۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مشائخ "سماع" کے قائل ہیں لیکن جو لوگ موجودہ قوالی کے تانے بانے سماع سے جوڑتے ہیں وہ اپنے آپ پر ظلم تو کرتے ہی ہیں مگر اس کے ساتھ اپنے دین اور حضرات مشائخ اور اولیاء کرام پر کھلی زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نیک توفیق اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ بعض احادیث سے جو "غنا" کا جواز معلوم ہوتا ہے تو اس سے مراد خوش آوازی کے ساتھ اشعار پڑھنا ہے۔ پھر اشعار کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے مضامین صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں، فحش اور گندے نہ ہوں، اجنبی عورت یا اَمرد نہ گائیں۔ محفل بھی تمام خرافات سے پاک ہو۔ اس میں مشغولیت کی وجہ سے دین کا کوئی اہم تقاضا متروک نہ ہو رہا ہو۔ ان شرائط کے ساتھ خوش الحانی کے ساتھ اشعار پڑھنے میں کسی قسم کا مضائقہ اور قباحت نہیں ہے۔

اُوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں نفع ونقصان، خیر وشر کے پہلو ہوتے ہیں لیکن فیصلہ میں "غلبہ" کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ موسیقی میں یقیناً نقصان

اور شر کا پہلو بدرجہ اتم غالب ہے۔ اس لئے افراد اور قوم کے لئے اس کا مضرت رساں ہونا کوئی مخفی نہیں۔ اس میں مشغولیت اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محرومی کا باعث بنتی ہے۔ نفس اور حسی خواہشات کے شرارے بلند ہوتے ہیں۔ بقول ابن جوزیؒ غنا زنا کی طرف لے جانے میں بہت زور آور ہے۔" موسیقی میں انہماک اور دلچسپی، زندگی کے ٹھوس مقاصد اور سنجیدہ مسائل سے دور رکھ کر سطحی اور ہیجانی ذہن پیدا کرتی ہے۔ حال میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "جدید موسیقی کی اذیت" (HENRY PLEASANTS, THE AGE OF MODERN MUSIC) اس میں دکھایا گیا ہے کہ عام تصور کے برعکس موسیقی انسان کے لئے نفسیاتی اور حیاتیاتی طور پر بھی اذیت بخش زیادہ ہے اور مسرت بخش کم:

مسلمانوں کو چاہئے کہ موسیقی کے موجودہ رجحان کی اصلاح کرتے ہوئے قرآن سے تعلق جوڑیں اور اسے خوش الحانی اور تجوید و قرأت سے پڑھیں اور پڑھائیں، سنیں اور سنائیں کہ بخدا اس کی لذت چکھنے کے بعد پھر کہیں کی اور کسی قسم کی موسیقی میں لذت نہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے:

"میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کر گانے میں مشغول ہو جائے اور سورۂ بقرہ پڑھنے سے گریز کرے:"

راگ باجا تو بڑی چیز ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں۔ اگر کوئی لڑکی ان کے گھر میں گھنگرو پہنے ہوئے داخل ہونا چاہتی تو واپس کر دیتیں۔ حضورؐ کے حوالہ سے فرمایا کرتی تھیں کہ جس گھر میں راگ باجے وغیرہ کی آوازیں آتی ہیں اس میں فرشتے نہیں آتے۔"

اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ لہو و لعب اور گانے بجانے وغیرہ کی ایسی چیزیں جن کا استعمال شرعاً ناجائز ہے ان کو گھر میں رکھنا بھی گناہ ہے اگرچہ ان کا استعمال نہ کیا جائے۔

(دیکھئے خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ ص ۳۳۸)

آخر میں شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام بھی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب نے ز رقص دخترانِ بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ روست نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست
محکمی روزانہ از لادینی ست نے فروغش از خط لاطینی ست
قوتِ افرنگ از علم و فن ست از ہمیں آتش چراغش روشن ست

اچھے بُرے کا سوال الگ ہے، لیکن نفس قوت، غلبہ و اقتدار تو مغرب کو بہرحال حاصل ہی ہے حضرت اقبال فرماتے ہیں کہ قوت اسے کہاں سے آخر حاصل ہوئی ہے؟ کیا گانے بجانے سے؟ کیا بے حجاب عورتوں کے رقص سے؟ کیا عورت کے نیم عریاں لباس یا کھلے ہوئے بالوں کے فیشن سے؟ کیا اس کی لادینی حکومت سے؟ کیا لاطینی رسم الخط سے؟ اور پھر ان تمام ظاہری اور نمائشی چیزوں کی نفی کر کے فرماتے ہیں کہ ؎

قوتِ افرنگ از علم و فن ست
از ہمیں آتش چراغش روشن ست

یعنی افرنگ نے جو قوت حاصل کی ہے اور جس کے زور سے وہ آج دنیا کو اپنے تابع فرمان کئے ہوئے ہے وہ علوم و فنون کا ثمرہ ہے۔ اس کا چراغ جو سارے عالم کو روشن کئے ہوئے ہے، وہ آخر علم و فن ہی کی آگ سے تو جل رہا ہے ___ تو حضرت اقبال کا فرمانا یہ ہے کہ یہ ہم پر کیا شامت سوار ہے کہ فرنگیوں سے ہم لیتے بھی ہیں تو صرف ان کی بے حیائی، موسیقی، بے دینی و گمراہی اور یکسر چھوڑے رہتے ہیں ان کی علمی ترقیوں اور ذہنی کاوشوں کو۔

صدہا ایجادات اور سینکڑوں انکشافات ہر سال ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں نام کسی بھی مسلمان کا نہیں آتا۔ ہم جب بھی کمال حاصل کریں گے اور نام جب بھی پیدا کریں گے تو بس ناول نگاری میں قلم ایکٹری میں یا موسیقاری میں۔ حُبِّ دنیا کی اجازت اسلام یقیناً نہیں دیتا بلکہ اسے جرم ٹھیراتا ہے۔ لیکن آخر تسخیر قوائے کائنات سے کس نے ہم کو روکا ہے؟ برق و مقناطیس کے خواص و تاثیرات کے علم سے کون باز رکھے ہوئے ہے؟ کیا تعلق مع اللہ و تبتل کے معنی حقائق تکوینی و طبعی کی طرف سے یکسر آنکھ بند کر لینے کے ہیں؟ ___ نہیں، مگر اس کے لئے چنگ و رباب اور رقص و سرود کی محفلوں سے نکلنا پڑے گا۔

رقص ونغمہ کے تعلق سے شاعر کا یہ شعر بھی قوموں کے عروج وزوال کی پوری تاریخ کا نچوڑ ہے ؎

رقص ونغمہ، شراب وعیش ونشاط
ان دریچوں سے جھانکتا ہے زوال

ایک بڑے خطرے کی بات

مُرتّب عرض کرتا ھے: مالک بن الوالسمح عباسی دور میں مشہور مغنّی تھا۔ ہر طرف اس کے نغمے کی دھوم تھی اور ہر خاص وعام اس کے سننے کا شوقین تھا۔ پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن محمد بن عبیداللہ قریشی عراق جانے کے لئے مکہ مکرمہ سے چلے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر مالک بن الوالسمح کو ساتھ لے لیا اور عراق کے لئے ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ راستے میں مالک مغنی اچھے اچھے اشعار اپنے خاص نغمہ میں سناتا تھا۔ البتہ جمعرات کی شام ہی کو قافلہ والوں سے کہہ دیتا تھا کہ دیکھو ساتھیو! آج جمعہ کی رات ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ حسب عادت تم لوگ گانے کے لئے اصرار کروگے، پھر طرح طرح کی قسمیں کھا کر کہتا تھا کہ میں جمعہ کی رات میں گانا نہیں گا سکتا۔ اگر تم لوگوں کو کچھ سننا ہو تو کہو ابھی سنا دوں۔ اس پر اہلِ قافلہ اس سے گانے کی فرمائش کرتے اور وہ گانا شروع کر دیتا تو سورج ڈوبتے ڈوبتے خوب جوش اور رنگ میں آتا اور اس رات اس قدر زیادہ گاتا تھا کہ ہفتہ کی دوسری راتوں میں اتنا زیادہ نہیں گاتا تھا، قسموں کا بالکل خیال نہیں کرتا تھا۔ (اغانی ج ۴ ص ۱۷۰)

گانے بجانے میں حد سے زیادہ دلچسپی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ہاں، ایک گانے بجانے پر کیا موقوف، جو بھی برائی عادت میں داخل ہو جاتی ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ زنا، ہم جنسی، بدنگاہی، شراب نوشی، چوری، دھوکہ بازی، جھوٹ، رشوت، حرام خوری، فحش کلامی، ایذا رسانی، ظلم وتعدی، قتل وغارت گری، سینما بینی، رومانی ناول وافسانہ کے ذریعہ ذہنی آوارگی آخر کس کس برائی کا ذکر کیا جائے! سب کا یہی حال ہے۔ ایک دفعہ منہ کو لگ گئی اور عادت کے درجے میں داخل ہو گئی تو پھر چھوٹنا مشکل۔ اس موقع پر سارے تکلفات برطرف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس بوالہوسی میں عظمت، احترام اور تقدیس کے آبگینے پاش پاش ہوتے ہوں تو کوئی پرواہ

کی بات نہیں۔ اگر صالح معاشرے کے لئے خدا اور انسان نے کچھ اُصول، ضابطے، آداب اور حدود متعین کئے ہیں اور وہ اس مرحلے پر ٹوٹ رہے ہوں تو کیسی فکر اور کہاں کا خیال۔ بس اس عادت قبیحہ کی اَنا کو تسکین چاہئے جس میں وہ اپنے آپ کو غلطاں و پیچاں کر چکا ہے۔ پھر یہ بدمستی ایک انسان کو "جو گنہ کرو ثواب ہے آج" کے خطرناک موڑ پر لے آتی ہے۔

اسی لئے کسی گناہ کا ایک دو بار سرزد ہو جانا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا خطرناک کہ گناہ کی عادت اور اس پر اصرار ہے۔ اس لئے اس پر نگاہ رکھئے کہ آپ اچھی عادتوں کے خوگر بن رہے ہیں یا بُری عادتوں کے شیدائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکیمانہ ارشاد ہے:

"نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (معروضات مرتب جتم)

عشقِ مجازی کا انجام

فرمایا: عورتوں اور حسین لڑکوں سے عشق تو درحقیقت فسق اور دونوں جہاں میں عذاب و رسوائی ہے۔ مجازی حسینوں کے عاشقوں کو ایک پل کو چین حاصل نہیں، ان کی دوزخ دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ ہر وقت دل جلتا رہتا ہے اور حسن فانی کے زوال کے بعد ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

ایک آدمی ایک لڑکے پر عاشق ہوا، جب اس کے داڑھی مونچھ نکل آئی تو دیکھ کر منہ پھیر لیا اور یہ شعر پڑھا ؎

گیا حسن خوباں دلخواہ کا ہمیشہ رہے نام اللہ کا

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

کودکے از حسن شد مولائے خلق
بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

(ترجمہ) جو حسین لڑکا مخلوق میں سردار بنا پھرتا ہے بوڑھا ہوتا ہے تو وہی مخلوق میں رُسوا پھرتا ہے۔

؎ چوں بہ بدنامی برآید ریش او
ننگ آید دیو از تفتیش او

جب بدنامی کے ساتھ اسی حسین لڑکے کے چہرہ پر داڑھی آجاتی ہے تو شیطان بھی اس کی مزاج پرسی سے شرم کرتا ہے۔ احقر کا ایک شعر ہے ؎

ہر عشقِ مجازی کا آغاز بُرا دیکھا
انجام کا یا اللہ کیا حال ہوا ہوگا

(معارف شمس تبریز صـ ۹۱، ۹۲)

بدنگاہی کے نقصانات

فرمایا: اس زمانہ میں بدنگاہی عام ہے جس کا سبب بے پردگی کا عموم ہے اور اس سے روحانی صحت کی خرابی کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کو بھی شدید اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ بعض تو عشقِ مجازی کا شکار ہو کر علم سے محروم ہو گئے اور بعض کا کاروبار تو ستیاناس ہو گیا، بعض کی بیویاں رو رہی ہیں اور بعض نامرادی کے غم سے پاگل یا خودکشی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور جو عشق میں نہ مبتلا ہوئے صرف سرسری مطالعۂ حسن کرتے رہے ان کے دل و دماغ کا سکون چھنا ہوا ہے۔ جریان و احتلام اور رقت و سرعتِ انزال کی بیماریاں ہو رہی ہیں۔

حاصل یہ کہ پاکیزہ خیالی صحت کی بڑی ضمانت ہے اور یہ بدنگاہی اور پاکیزہ خیالی میں تضاد ہے جیسے پانی اور آگ میں اس کا علاج صرف ایمان اور خوفِ خدا ہے اور یہ نعمت حق تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت ہی سے مل سکتی ہے۔ اللہ والوں کی مجالس میں اہتمام سے شرکت ہو اور تنہائی میں ان سے وقت لے کر اپنا حالِ زار بتا کر مشورہ کریں اور عام حالات میں تبلیغی جماعت میں نکلنا بھی عجیب کیمیا ہے۔ کیونکہ اس جماعت میں آدمی اپنے ماحول سے دُور ہو کر صالحین کے ماحول میں رہ کر اچھے اثرات کو قبول کر لیتا ہے۔ اور مشاہدات ہیں کہ اس جماعت کے اندر دفتر کے ملازمین، کالج کے لڑکے اور تاجر طبقہ مل جل کر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دینی درس گاہ کے طالب علم یا اُستاد۔ یعنی ظاہری صورت صالحین کی معلوم ہوتی ہے۔

احقر نے بدنگاہی کے علاج پر ایک نظم بھی لکھی ہے جو حسبِ ذیل ہے:

حفاظتِ نظر

بے پردہ حسینوں سے ہُوا تنگ زمانہ — آنکھوں نے شروع کر دیا اب دل کو ستانا
ممکن نہیں صورت میں نہ ہو کوئی تغیّر — بیکار ہے پھر ان سے تیرا دل کا لگانا
لیکن اگر آنکھوں کو نہ تو ان سے بچائے — ممکن نہیں پھر دل کا ترا ان سے بچانا
آنکھوں کی حفاظت میں ہے اس دل کا سکوں بھی — گو نفس کرے تجھ سے کوئی اور بہانا
دھوکہ ہے تجھے لطف حسینوں سے ملے گا — ابلیس کے کہنے سے کبھی اس پہ نہ جانا
پاگل کی طرح پھرتے ہیں عشاق مجازی — بے چین ہیں دن رات یہ بدنام زمانا
رہنا ہے اگر چین سے سن لو یہ مری بات — آنکھوں کو حسینوں کی نظر سے نہ ملانا

آختر کی ایک بات نصیحت کی سُنو تم
ان مردہ حسینوں سے کبھی دل نہ لگانا

؎ ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے (مجذوب)

اس کے عارض کو لغت میں دیکھو — کہیں مطلب نہ عارضی نکلے (اختر)

یہ احقر کا عجیب پر لطف شعر ہے۔ اہلِ علم و اکابر نے بھی بہت پسند فرمایا۔ عارضی لذت اور چند روزہ بہار کے لئے آخرت کی دائمی راحت کو کھو کر دائمی کلفت مول لینا کس درجہ خسارہ اور نادانی کی بات ہے ؎

جلد توبہ کر کے بھاگو سوئے حق — کہ بہارِ بے خزاں ہے کوئے حق (اختر)

بدنگاہی سے بچنے کا نسخہ

فرمایا: حسنِ مجازی اور عشقِ مجازی کے عذاب اور فتنے سے نجات کے لئے حق تعالیٰ نے آنکھوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے یعنی بدنگاہی سے سخت احتیاط کرے اور اس کے لئے لوگ

وظیفہ پوچھتے ہیں مگر وظیفوں سے یہ عادت نہیں جاتی۔ یہ بری عادت تو دعا و ہمت اور ارادہ سے جاتی ہے۔ جب تک ہمت اور ارادہ ترک گناہ کا نہ کرے گا زندگی بھر پریشان رہے گا۔ اور آخرت کا عذاب الگ بھگتنا پڑے گا۔ بس ارادہ کرے کہ اگر جان بھی جائے گی پھر بھی نہ دیکھوں گا انشاء اللہ تعالیٰ اس مرض سے نجات حاصل ہوگی اور ہر بدنگاہی پر کم از کم ۴ رکعات نوافل جرمانہ بھی اپنے نفس پر کرے اور گڑگڑا کر استغفار بھی کرے۔

پس حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب شیطان دیکھے گا کہ یہ ہر گناہ کو استغفار سے معاف کرا لیتا ہے اور نوافل کا ثواب الگ جمع کر لیتا ہے تو وہ بھی اپنی تجارت میں ایسا زبردست خسارہ دیکھ کر مایوس ہو کر تمہارا پیچھا چھوڑ کر دوسرا شکار تلاش کرے گا۔ واقعی اللہ والوں کی نظر کس قدر وسیع ہوتی ہے، وہ نفس و شیطان کی چالوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ بدنگاہی کے علاج پر یہ دو شعر احقر کے ہیں ؎

نہیں علاج کوئی ذوقِ حُسن بینی کا — مگر یہی کہ بچا آنکھ بیٹھ گوشہ میں
اگر ضرور نکلنا ہو تجھ کو سُوئے چمن — تو اہتمام حفاظتِ نظر ہو توشہ میں

کتنی ہی حسین صورت سامنے آجائے دل مضبوط کر کے آسمان کی طرف دیکھو کہ اُوپر بھی کوئی دیکھ رہا ہے اور وہ ان آنکھوں کا مالک ہے اور حق تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دو۔ نگاہ نیچی کر لو، اسی وقت نقد انعام ملے گا اور وہ انعام ایمان کی حلاوت ہے (جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے) یہی وہ جہاد ہے کہ کفار سے جہاد کرنے سے بھی بڑا جہاد ہے۔ نفس کے مقابلہ کو جہاد اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر وقت یہ شہادت مومن کو عطا ہوتی رہتی ہے یعنی امر الٰہی کے خنجر کے سامنے اپنے خواہشاتِ نفسانیہ کی گردن کو خوشی خوشی پیش کرتے ہیں اور اسی مجاہدہ سے حق تعالیٰ کا عظیم قرب عطا ہوتا ہے جب بندہ بزبانِ حال کہتا ہے ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں
(مجذوب)

بدنگاہی کا علاج

فرمایا: بدنگاہی کا علاج یہ ہے:۔

(۱) ہر بدنگاہی پر دو چار رکعت نفل توبہ پڑھنا۔ موت اور دوزخ کا ہر روز کچھ دیر مراقبہ کرنا اور حسینوں کے حسن کے زوال کو اور قبروں میں ان کے جسم کا سڑنا گلنا اور کیڑوں کی غذا بننا سوچنا۔

(۲) اور اللہ والوں کی صحبت کا التزام یعنی پابندی سے ان کے پاس جانا۔

(۳) اور حسینوں سے بہت دور رہنا، بالخصوص آنکھوں کی حفاظت کا اہتمام اور قلب کو ان کے تصورات سے بچانا اور پاکیزہ اور جائز کاموں میں اپنے کو مصروف رکھنا۔

(۴) اور کسی بزرگ سے مشورہ کر کے ذکر داثبات کرنا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۵۰۰) مرتبہ اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۱۱۱ مرتبہ اول آخر درود شریف (۳) بار۔ نیز کسی مرشد کامل سے رجوع کرنا اور ان کے مشوروں پر عمل کرنا اس بیماری کا مکمل اور شافی علاج ہے۔

ہائے اک عمر کیوں برباد کیا تھا ہم نے!

فرمایا: ———— ایک عاشق مجاز ایک فلم ایکٹریس فردوس پر عاشق تھا۔ لیکن عشق مجازی میں چونکہ سکون نہیں ملتا۔ ہر وقت بے چینی اور عذابِ الٰہی میں مبتلا تھا، مجھ سے ملا اور کہا کہ میں اپنی اصلاح چاہتا ہوں۔ احقر نے کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کی بیماری آپ کو بتا دوں۔ اس نے کہا بتائیے۔ احقر نے کہا کہ آپ عشق کی بیماری میں مبتلا ہیں اس کو بہت تعجب ہوا اور بے چارہ نے اس کو احقر کا کشف سمجھا اور معتقد ہو کر بیعت بھی ہو گیا حالانکہ یہ کشف نہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا، احقر نے ذوقاً اور وجداناً اس کی آنکھوں کو دیکھ کر محسوس کر لیا کہ یہ کسی کے عشق میں مبتلا ہے یا یہ کہ مزاج عاشقانہ رکھتا ہے۔ بعد میں معلوم

ہوا کہ وہ عشقِ مجاز میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ بہرحال جب توبہ کر کے وہ ذکر اللہ میں لگ گیا، تو چند دن کے بعد مجھ سے کہا کہ عشقِ مجازی تو عذابِ الٰہی ہے اور خدا کے عشق میں سکون اور اطمینان ہے اور کہا کہ فردوس کے عشق میں رات کی نیند بھی حرام اور سکونِ قلب بھی چھن گیا تھا اور اب سکون اور اطمینان سے سو جاتا ہوں۔ احقر نے ان کو مبارکباد دی اور ایک شعر ان کو بنا کر دیا ؎

نام فردوس تھا لیکن تھی سراپا دوزخ
ہائے اک عمر کیوں برباد کیا تھا ہم نے

مسلمانوں کو چاہئے کہ فلم ایکٹرس کا یا سینما جیسے لعنت گاہوں اور شیطان ہاؤس کا نام فردوس نہ رکھا کریں۔ یہ تو چوری اور سینہ زوری ہے اور عظیم ترین گستاخی ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

غصّہ اور شہوت کا علاج

فرمایا۔ نفس کے تقاضے تقویٰ کے حمام کو روشن کرنے کے لئے مثل ایندھن دیئے گئے ہیں۔ پس یہ تمنا کہ پیدا ہی نہ ہو غلط آرزو ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالکاظمین الغیظ۔ ہمارے خاص بندے غصّے کو پی جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر غصہ نہ ہو تو غصہ کو پینا کیسے ثابت ہوگا۔ پس غصہ کا آنا بُرا نہیں اس پر عمل کرنا بُرا ہے۔ اسی طرح بُری خواہش کا پیدا ہونا مضر نہیں اس پر عمل کرنا مضر ہے۔ لکڑی اور ایندھن مضر نہیں ان کو کھانا مضر ہے۔ پس نفس کے بُرے خواہشات پر عمل نہ کر کے ان لکڑیوں کو حمامِ تقویٰ کے اندر ایندھن کی طرح ڈال کر نورِ تقویٰ دل میں روشن کر لینا چاہئے۔ یہ مختصر مضمون ہے جو تفصیل کا محتاج ہے۔ کسی بزرگ سے بالمشافہ سمجھ لینا چاہئے۔

اور انھوں نے معاف کردیا

فرمایا: حضرت علی بن حسینؒ کی باندی سے آپ کے اُوپر گرم پانی گرگیا۔ آپ کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا۔ باندی نے تلاوت کی وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ ـــ آپ کے چہرہ سے اس کو سنتے ہی غصہ کا رنگ ختم ہوگیا۔ پھر اس نے پڑھا وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ۔ آپ نے فرمایا کہ معاف کردیا۔ پھر اس نے پڑھا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ آپ نے فرمایا' جا تجھے آزاد بھی کردیا۔ غصہ میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ انجام اور نتیجہ سوچنے کا ہوش نہیں رہتا۔ اس لئے ہاتھ اور زبان سے ایسی نامناسب حرکتیں انسان سے صادر ہوجاتی ہیں جس سے قتل، خون، بے عزتی اور لبا اوقات گھر کے گھر اُجڑ جاتے ہیں اور نہ جانے کتنی قیمتی جانیں اور مال واسباب تباہ ہوجاتے ہیں اور کتنی مقدمہ بازیوں نے دل کا سکون رات کی نیند حرام کررکھی ہے جس سے دنیا کی ترقی اور آخرت کی تیاری کے لئے وقت اور فراغ اور اطمینانِ قلب بھی میسر نہیں ہوتا۔ غصہ کی تباہ کاریوں سے کتنے بچے یتیم اور بیویاں بیوہ اور گھروں کے چراغ بجھ گئے۔ اس خطرناک بیماری کی فکر نہایت ضروری ہے۔ غصہ سے مغلوب ہونا اور مخلوقِ خدا کو ستانا نہایت درجہ بدبختی اور شقاوت اور سنگدلی ہے۔ بزرگوں کا طریقہ تو یہ رہا ہے کہ جس نے ستایا اس کو معاف کردیا اور اس کے لئے دعا کا بھی معمول رکھا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب کا عجیب نافع شعر ہے ؎

جو رو ستم سے جس نے کیا دل کو پاش پاش
احمدؔ نے اس کو بھی تہہِ دل سے دعا دیا

حضرت مولانا رومیؒ کے سامنے دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک نے کہا، اگر ایک کہے گا تو مجھ سے دس سُنے گا۔ مولانا نے فرمایا ہم کو ایک ہزار کہہ لو اور ہم سے ایک بھی نہ سنو گے۔ بس دونوں پاؤں میں گر گئے اور توبہ کی صلح کرلی۔

غصہ سے بچنے کا طریقہ

فرمایا: سب سے پہلے یہ کرے کہ جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹادے اگر وہ نہ ہٹے تو خود ہٹ جائے۔ پھر سوچے کہ جس قدر یہ شخص میرا قصور وار ہے اس سے زیادہ میں خدائے تعالیٰ کا قصور وار ہوں۔ اور جس طرح میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا قصور معاف کر دیں مجھ کو بھی چاہیئے کہ میں اس کا قصور معاف کر دوں اور زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بار بار پڑھتا رہے اور پانی پی لے اور وضو کرلے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ پھر جب عقل ٹھکانے ہو جائے اس وقت بھی اگر قصور پر سزا دینی مناسب معلوم ہو مثلاً سزا دینے میں قصور وار کی بھلائی ہو جیسے اپنی اولاد ہے کہ اس کی اصلاح ضروری ہے۔ یا کسی مظلوم کی مدد کرنا ہے اور اس کی طرف سے بدلہ لینا ہے تو اول خوب سمجھ لے کہ اتنی خطا کی کتنی سزا ہونی چاہیئے۔ جب اچھی طرح شریعت کے مطابق تسلی ہو جائے تو اسی قدر سزا دے دے۔ چند روز اسی طرح کرنے سے غصہ قابو میں آجاوے گا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کا ایک واقعہ

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ایک خادم کو ڈانٹ رہے تھے۔ اس نے کہا معاف کر دیجئے۔ شیخ نے فرمایا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں، تم تو بار بار غلطیاں کرتے ہو، میں تمہاری کتنی غلطیوں کو بھگتوں۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ بحیات تھے، پاس بیٹھے تھے، کان میں حضرت شیخ کے فرمایا کہ مولانا جتنا اپنا قیامت کے دن بھگتوانا ہو اتنا یہاں بھگت لو۔ عجیب اصلاح کا عنوان ہے اور نہایت موثر ہے۔ جس پر غصہ آئے یہ بات یاد کرلے، انشاء اللہ تعالیٰ معاف کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی نصیحت

فرمایا: حضرت سعدی شیرازیؒ نے دو شعر میں اپنے پیر کی دو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے ہمیں دو ۲ نصیحتیں ارشاد کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے اوپر کبھی نگاہِ خود بینی کی مت ڈالنا، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے پر بد بین مت ہونا۔

اصلاحِ نفس کے لئے حضورؐ کی ارشاد فرمودہ دُعا

فرمایا: حضرت پھولپوری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نفس کی چالوں سے بچنے کے لئے عجیب جامع دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ اس دُعا کو ہر روز کم از کم ستر بار ضرور معمول بنالینا چاہیے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی درستی اس دُعا کی برکت سے ہو جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ
شَانِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ۔

(ترجمہ) اے حقیقی زندہ! اے حقیقی سنبھالنے والے! میری ہر حالت کو
درست کر دیجئے اور مجھے پلک جھپکنے تک کو بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے۔

جب آدمی اس راستہ کو قطع کرتا ہے اور کسی عارف کامل کی صحبت میسر ہو جاتی ہے تب نفس کے خفیہ مکاید کا ادراک ہوتا ہے۔

زبان کی حفاظت

تالیف
حضرت مولانا
عاشق الٰہی صاحب
بلند شہری

حسب الحکم
حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں
صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، لیکن جس طرح یہ ایک بے بہا نعمت ہے اسی طرح یہ ایک خطرناک اور نقصان دہ آفت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگ اوندھے منہ جہنم میں اسی زبان کے باعث ڈالے جائیں گے۔ اس لئے زبان کی حفاظت کے سلسلہ میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری کی ایک اہم اور پُر مغز کتاب "زبان کی حفاظت"، منظر عام پر آچکی ہے، جس کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ پہلی ہی فرصت میں اس کتاب کو حاصل کریں۔

حضرت مولانا شاہ محمد زکریا صاحب اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں:-

"تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے احباب سے خصوصاً درخواست کرتا ہوں کہ اس رسالہ کو خود پڑھیں۔ گھروں اور مسجدوں میں اور مجلسوں میں سنائیں"۔

کتاب بہت اہم ہے۔ قیمت صرف

زمزم بکڈپو دیوبند

ذکر و فکر

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

(جگر مراد آبادی)

ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

فرمایا: اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ ذکر دراصل ایک کنجی ہے جس سے دل کا قفل کھلتا ہے اور طاعت و فرماں برداری میں جی لگتا ہے اور اس کے لئے جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کنجی کے دندانے کو بھی درست رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ دل کا قفل آسانی سے کھلے، کوئی مشکل اور دشواری پیش نہ آئے۔ اور ذکر کی کنجی کے دندانے کو درست رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکر...... خشوع و خضوع کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے ہی ذکر کے خاطر خواہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ذکر کی کنجی کی جو بات میں نے کہی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔ ارشاد ہے اَللّٰھُمَّ افتح اقفال قلوبنا بذکرك یعنی اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دے اپنے ذکر کے ذریعہ۔

فرمایا: ذکر میں صرف کمیت یعنی مقدار و تعداد مطلوب نہیں ہے بلکہ کیفیت بھی مقصود ہے۔ یعنی اللہ کا خیال اور دھیان جس قدر ذکر میں جمایا جائے گا اسی قدر ذاکر کو نفع اور فائدہ ہوگا۔ اور اتنی ہی اس کے اندر طاقت و قوت پیدا ہوگی۔ دیکھئے لومڑی کس قدر بزدل اور ڈرپوک ہے لیکن شیر اگر اس کی پشت پر ہاتھ پھیر دے اور یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تو اس وقت لومڑی چیتے کا جگر بھی نکال سکتی ہے اور اس کے لئے اس کے اندر ہمت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ذاکر کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت ہوتی ہے اور کسی حال میں تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ نورِ ذکر کی برکت سے ذاکر اپنے قلب میں حق تعالیٰ کا

خاص تعلق محسوس کرتا ہے جس کو مشائخ معیتِ خاصہ کہتے ہیں۔ معیتِ عامہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے۔

فرمایا: علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ایک شعر "ذکر" کے سلسلہ میں بڑا حقیقت آفریں اور حلاوت آمیز ہے ؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

چین کی نگری

فرمایا: آج لوگ سمجھتے ہیں کہ چین بیوی میں ہے، اولاد میں ہے، دوست احباب میں ہے، مال و دولت میں ہے، حکومت و سلطنت میں ہے، زمین جائداد میں ہے، تجارت و ملازمت میں ہے، لیکن سب جانتے ہیں اور سب کا تجربہ ہے کہ ان چیزوں میں چین تلاش کرنے والے بے چین ہیں، ان کو سکون و قرار نہیں، اس بھری دنیا میں ان کا دل بڑا اُجڑا سا ہے، پھر آخر ایک انسان چین کہاں اور کس طرح پا سکتا ہے؟ اس کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے:

الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۝ (الرعد: ۲۸)

وہ لوگ جو ایمان لائے ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل چین پاتے ہیں۔

یعنی دنیا کی کسی چیز میں چین نہیں ہے، چین کی نگری تو اس دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے، جس دل کو تعلق مع اللہ ہوتا ہے اور جو دل اللہ کے ذکر اور اللہ کی یاد سے کسی لمحہ غافل نہیں رہتا۔

فرمایا: دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔ جب انسان کسی چیز سے یہاں اپنا دل جوڑ لیتا ہے تو اس کے فنا اور زائل ہو جانے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں دل چین کیسے پا سکتا ہے؟ اللہ کی ذات چونکہ باقی ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا

اس لئے جب کوئی شخص اللہ سے تعلق قائم کرلیتا ہے اور اسی کو اپنے دل میں بسالیتا ہے اس کے ذکر سے اپنی زبان کو تر رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے دل کو دوام سکون حاصل ہوجاتا ہے۔ ذکر اللہ کا نور ایسے شخص کے قلب سے ہر طرح کی دنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کردیتا ہے اور حقیقی اطمینان سے اسے ہمکنار کرتا ہے۔

اللہ میں اپنی آہ کو سمو دیجئے

فرمایا: اللہ کو ہمیشہ یاد کیجئے، اسی سے لَو لگائیے اور تعلق جوڑیئے۔ "اللہ" کہتے ہوئے اسے قدرے کھینچئے۔ پھر دیکھئے کتنا مزہ آتا ہے۔ اس وقت ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اس لفظ "اللہ" میں آپ نے "اپنی آہ" بھی سمو دی ہے اور اپنی ساری فریاد اس لفظ کے ادا کرنے کے ساتھ ہی اس کے دربار میں پیش کردی۔

بزرگانِ دین کو اہلِ دل کہنے کی وجہ

فرمایا: ایک دن مجھے خیال آیا، دل تو ہر انسان کے سینہ میں ہے، اس لئے ہر شخص اہلِ دل ہے۔ پھر اللہ والے کو یہ خصوصیت کے ساتھ "اہل دل" کیوں کہتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں "اہلِ دل" اس لئے کہنا مناسب ہے کہ یہ اپنا دل، اللہ کو دے چکے ہوتے ہیں۔ ہر وقت ان کا دل اللہ کے پاس ہی ہوتا ہے۔ جب دل، دل دینے والے کو کسی نے دے دیا تو اسے اہلِ دل ہی کہنا چاہئے ؎

اہلِ دل آں کس کہ حق را دل دہد
دل دہد او را کہ دل را مید ہد (آختر)

ذکر و فکر ــــ عقلی و طبعی

فرمایا: عقلی و طبعی محبت میں عقلی محبت کافی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ طبعی محبت بھی عطا فرمادیں تو سبحان اللہ! اگر طبعی طور پر کسی کا دل ذکر و فکر میں نہ لگے

تو کوشش کر کے دیکھ لو۔ عقلی طور پر ذکر و فکر اور محبت کافی ہے ــــ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں دو قسم کی شراب کا وعدہ فرمایا ہے ــــ ایک سونٹھ والی اور ایک کافور والی ــ سونٹھ گرم ہے اور کافور ٹھنڈی ہے۔ سونٹھ والی ان کو پلائی جائے گی جن کی طبیعت ذرا گرم ہے۔ شور و فغاں اور آہ و داویلا کرتے ہیں۔ اور کافور والی ان کو پلائی جائے گی جن کی طبیعت ذرا ٹھنڈی ہے، جوش و خروش نہیں ہے ــــ بہر حال دونوں طرح کی طبیعت والے جنتی ہیں، کوئی جہنمی نہیں ہے۔

اصل سرمایہ ذکرِ خُدا ہے

فرمایا: بھائیو! یہ دنیا فانی ہے، ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ یہ دُنیا دار لوگ جس چیز کو جمع کرنے میں خدا کی یاد کو بھی بھلا بیٹھے ہیں اور جو کچھ دنیا کا سرمایہ "جمع کر رہے ہیں، یہ چند دنوں کا سرمایہ ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب افسانہ ہو جائے گا۔ اصل سرمایہ تو خدا کا ذکر ہے جس کو کبھی فنا نہیں اور دنیاوی سرمایہ کو بقا نہیں۔ ہر چیز سے اپنے کو فارغ کر کے خدا کی یاد میں بیٹھ جائیے، پھر دیکھئے کیسا سکون ملتا ہے۔ کتنی فرحت و شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ اس مسرت و فرحت کے مقابلہ میں تو دنیا ہیچ نظر آتی ہے۔ اپنا بوریا بھی تختِ سلیمانی سے کم نظر نہیں آتا ہے ــــ حضرت خواجہؒ نے اس استغناء اور آسودگی کو کس قدر عمدگی کے ساتھ قلمبند کیا ہے! ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا، پھر ہمیں تختِ سلیمانؑ تھا

ذکر کا ناغہ، رُوح کا فاقہ

فرمایا: بھائیو! خدا کا ذکر کرو، اور اس کے لئے وقت نکالو، اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے مکمل وظیفہ نہیں پڑھ سکتے ہو تو جتنا ممکن ہو سکے اتنا ہی پڑھ لو، مگر کبھی ناغہ نہ کرو۔ اس لئے کہ ذکر کا ناغہ رُوح کا فاقہ ہوتا ہے اس سے تمہاری رُوح کمزور

ہو جائے گی اور شیطان غفلت میں ڈال کر خدا سے دُور کر دے گا۔ ذکرِ خدا سے رُوح میں تازگی اور بالیدگی ہوتی ہے، ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا۔ "اے ایمان والو ایمان لاؤ۔" اس کا کیا مطلب ہے؟ ایمان تو ہے ہی، پھر بھی ایمان لانے کو کہا جا رہا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ: "ایمانِ حاصلہ" میں ترقی کرو۔ اور الیٰ غیر النہایہ ترقی۔ اور یہ ترقی خدا کی یاد سے ہوا کرتی ہے۔ اس کے لئے اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھا کرو، وہاں تمہیں ذکر کی بھی توفیق ملے گی اور محبتِ خداوندی کی چاشنی بھی ملے گی۔ علامہ عبدالوہابؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

"اللہ والوں کے آنسو مجلس والوں کے دل کو ہیرا بنا دیتے ہیں۔"

بھائیو! خدا کی یاد میں مشغول رہو اور ہر چیز کو دل و دماغ سے تھوڑی دیر کے لئے سہی خالی کر کے روزانہ خدا کو یاد کرو، ناغہ نہ کرو۔ حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ اپنی دعاؤں میں یوں کہا کرتے تھے:

"دل مرا ہو جائے ایک میدانِ ہُو — تو ہی تو ہو، تو ہی تو ہو، تو ہی تو
اور میرے بدن میں بجائے آب و گِل — دردِ دل ہو، دردِ دل ہو، دردِ دل
غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر — تو ہی تو نظر آئے، دیکھوں جِدھر

اور حال یہ ہو کہ:

جو آہ نکلی تو حُور بن کر — جو نکلے آنسو تو بن کے گوہر
یہ کون بیٹھا ہے میرے دل میں — یہ کون چشمِ پُرآب میں ہے

حضرت تھانویؒ کا ذکر و فکر اور اشغال کا عجیب حال تھا۔ حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ حضرت تھانویؒ کے بارے میں کیا خوب اور صحیح لکھا ہے ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں — اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

خُدا کی دوستی اتنی سستی نہیں ہے

فرمایا: آج سب سے بڑی کمی ذکر و مجاہدہ کی ہے۔ خدا کی یاد اور وہ تڑپ جو ہونی

چاہیئے، وہ دن بدن لوگوں میں کم ہوتی جارہی ہے۔ اس کے لئے کسی کو وقت نہیں ملتا ہے۔ وقت ملتا ہے تو دنیا کے کاموں کے لئے۔ بھلا خدا نوازے تو اپنی محبت سے کیسے نوازے؟ دنیا کی محبت تو دلوں میں پہلے سے بیٹھی ہوئی ہے۔

خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ باوجودیکہ بہت مالدار تھے، ڈپٹی کلکٹر تھے، پھر بھی عین جوانی کے دنوں میں ۲۴ ہزار مرتبہ اللہ اللہ کا ورد کیا کرتے تھے۔ آج تو یہاں چار سو دفعہ بھی مشکل ہے۔ بزرگانِ دین نے وقت کے لحاظ سے اوراد و وظائف میں بھی کمی کردی ہے۔ پھر بھی وقت نہیں ملتا ہے۔ بھلا آخر "خدا کی دوستی" اتنی سستی کیوں کر ہو سکتی ہے؟

ذکر مقصود ہے، مزہ نہیں

فرمایا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ذکر کرتا ہوں مگر مزہ نہیں ملتا، دل نہیں لگتا اور یہ سوچ کر بہت سے لوگ "ذکر" ہی کو ترک کر دیتے ہیں مگر ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ مقصود ذکر کرنا ہے مزہ کا ملنا نہیں ہے۔ مزہ مل جائے تو یہ انعام خداوندی ہے۔ ورنہ صرف ذکر ہی مقصود اور مطلوب ہے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ جو جس چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے وہ اس کا تذکرہ بھی زیادہ کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے، دوستوں میں، جب بھی کہیں کسی سے ملتا ہے تو مختلف طریقوں سے اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ میرے بھائی، آپ بھی خدا سے محبت کیجئے اور بار بار ذکر کیجئے۔ خدا اپنی محبت سے ضرور نوازے گا۔

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری

فرمایا: ہر انسان کی روح ذاتی طور پر فقیر ہے۔ پیدائش کے وقت وہ کچھ بھی ساتھ نہیں لاتا۔ دنیا میں جیسا وہ عمل کرتا ہے "روح" اسی عمل کا مالک بنتی ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: .... انتم الفقراء .... اے انسانو، تم فقیر ہو یعنی ہر انسان ذاتی طور پر فقیر ہے۔ غنی اور بے نیاز، خوبیوں اور کمالات سے لبریز تو وہ ذات خداوندی ہے تم خدا کی یاد کرو تمہاری رُوح مالا مال ہو جائے گی، تم خدا سے اس کی محبت مانگو

رُوح کو خدا کی یاد اور اس کی محبت سے لبریز کرو۔ یہ ہماری سب سے بڑی طاقت ہے۔

بقول اکبرالٰہ آبادی ؎

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری — مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ — ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

پیش کردہ مرتّب

ذکر کی راحت

فرمایا: ایک شخص کو بے خوابی کی بیماری تھی، نیند نہیں آتی تھی، وہ یہاں آئے تو نیند آنے لگی اور وہ مجلس میں سونے لگے۔ کسی نے کہا صاحب آپ کو تو نیند نہیں آتی تھی، یہاں تو آپ سو رہے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں ایرکنڈیشنڈ کمرے میں داخل ہو گیا ہوں۔ میرے دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچ رہی ہے — تو میں نے کہا، یہ ذکر کی برکت و رحمت ہے، ذکر سے رُوح کو سکون ملتا ہے، تسبیح لیا، ذکر لیا اور نیند آنے لگتی ہے اور اگر کوئی سینما اور ناچ دیکھ رہا ہے تو اس کو نیند آئے گی؟ نہیں آئے گی، کیونکہ روح کو عذاب ہو رہا ہوتا ہے، عذاب میں نیند کیسے آئے گی؟

خُدا کی یاد کا اثر

فرمایا: تختِ سلیمانؑ کوئی عام تخت نہیں تھا۔ جس طرح عام بادشاہوں کے تخت ہوا کرتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ کمیت و کیفیت کا حامل وہ تخت تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ چھ لاکھ کرسیاں، سونے اور چاندی کی اس پر سجی ہوتی تھیں۔ اور اس پر آپ کے صحابہ اور دیگر افراد جو امورِ سلطنت میں ہاتھ بٹاتے تھے وہ بھی اس پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ جہاں کہیں جانا ہوتا "ہوا" کو حکم دیتے اور ہوا تخت کو اُٹھائے منزل تک سبک و نرم رفتاری کے ساتھ پہنچا دیتی تھی — یہ شان تھی تختِ سلیمانؑ کی — مگر جب کوئی بندۂ بے غرض ہو کر صرف خُدا کی محبت میں اس کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو اس میں وہ آسودگی اور استغناء کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنا بوریا بھی تختِ سلیمانؑ نظر آتا ہے۔ اللہ اللہ!

حضرت سلیمانؑ کو بھی اپنے عظیم ہوائی تخت سے زیادہ خدا کا ذکر محبوب تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے ہوائی سفر کے وقت پورے راستہ میں سر جھکائے ہوئے اللہ کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے تھے، دائیں بائیں کچھ نہ دیکھتے تھے اور اپنے عمل سے تواضع کا اظہار فرماتے تھے۔

ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے کی اہمیت

فرمایا: ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ اپنے تخت پر بیٹھے مع احباب کہیں تشریف لے جا رہے تھے، آپ کا تخت اس کی شان و شوکت اور خود حضرت سلیمان کی بادشاہت، دبدبہ سے متاثر ہو کر ایک امتی نے کہا "سبحان اللہ، اللہ نے آل داؤد (حضرت سلیمانؑ) کو کس قدر نوازا ہے؟" — اس کی اطلاع حضرت سلیمانؑ کو مل گئی۔ آج کل جس طرح حکومت میں سی آئی ڈی کا محکمہ ہوتا ہے اور وہ خفیہ راز کو حکومت تک پہنچاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے لئے یہ کام ہوا کرتی تھی۔ ہوا نے فوراً یہ بات حضرت سلیمانؑ تک پہنچا دی کہ فلاں اُمتی نے رشک سے یہ کہا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا، فوراً ان کو حاضر کیا جائے۔ وہ حاضر کیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے دریافت فرمایا، کیا آپ نے ایسا کہا ہے؟ امتی نے فوراً اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے ایسا کہا ہے۔ آج کل کے طرح کے لوگ تو نہیں تھے کہ جھوٹ سے ذرا دریغ نہیں کرتے۔ گواہ و شہادت کی ضرورت پیش آتی۔ انھوں نے بغیر کسی ادنیٰ توقف و تردّد کے اقرار کر لیا۔ حضرت سلیمانؑ نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا: لَتَسْبِيحَةٌ وَاحِدَةٌ خَيْرٌ مَا أُوتِيَ آلَ دَاوُدَ "بے شک ایک تسبیح بہتر ہے ان تمام مال و دولت اور شان و شوکت سے جو آل داؤد کو دی گئی ہے۔" یہ اس لئے کہ مال و دولت، حکومت و بادشاہت سب ختم ہو جانے والی چیزیں ہیں اور اللہ کی ایک تسبیح بھی باقی رہنے والی ہے اور آخرت کی زندگی میں وہی کام آئے گی۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللہ کے معنی اور اس کے برکات

فرمایا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے معنی بہت اہم بھی ہیں اور دور رس نتائج کے حامل

بھی ہیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے دریافت فرمایا "جانتے ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے کیا معنی ہیں؟ صحابی نے عرض کیا "اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "اس کے معنی ہیں" نہیں ہے طاقت گناہوں سے بچنے کی اور نہیں ہے قوت نیک اعمال کرنے کی، مگر اللہ کی مدد سے:

یہاں "ب" استمداد کے لئے ہے۔ جیسے کہتے ہیں کَتَبْتُ بِالْقَلَم یعنی میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔ اسی طرح یہاں اللہ کی مدد مراد ہے۔ بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ بندہ جب ان کلمات کو ادا کر کے اپنی کمزوری اور عجز کا اظہار کرتا ہے اور خدا سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے تو رحمتِ خداوندی جوش میں آجاتی ہے اور بندے کی دُعا قبول کر لی جاتی ہے۔

حضرت ہردوئی فرمایا کرتے ہیں، جب کوئی شخص بُرے اعمال سے نہیں بچ پا رہا ہو یا نیک اعمال میں سستی ہو رہی ہو تو اسے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر کرنا چاہئیے۔ اور کم سے کم ۷۰ دفعہ کرنا چاہئیے۔ پھر اس کے واسطے سے دُعا کرے انشاء اللہ سستی دور ہوگی۔ اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگی۔ اس طرح یہ وظیفہ جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے گا اور اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ایک دفعہ بھی یہ وظیفہ پڑھ لے تو اس کی نماز وساوس سے محفوظ رہے گی، افکار و خیالات کا ہجوم اور ذہنی پراگندگی کا وہ شکار نہیں ہوگا۔ اور وہ نماز کی لذّت سے آشنا ہوگا، ذہن و دل کی حضوری حاصل ہوگی۔

فرمایا: ہمارے سلسلہ میں یہ وظیفہ (لاحول کا وظیفہ) پابندی سے پڑھا جاتا ہے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ "تھانہ بھون کے کنوئیں کا پانی کھارا تھا، مگر اس دُعا کی برکت سے میٹھا ہو گیا، نہ کوئی دوا ڈالی گئی، نہ کوئی اور چیز ــــ صرف دعا اور لاحول کے وظیفہ کی برکت سے یہ سب ہوا۔

لاحول کے ذکر سے شرحِ صدر کا حصول

فرمایا: اس وظیفہ سے شرحِ صدر کی نعمت حاصل ہوگی جو بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ نے فرمایا:

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء۔ (سورۃ الانعام: ۱۲۵)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ کھول دیتا ہے اور کافروں کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور وہ ہر خیر کے کرنے کے لئے اپنے اندر گھٹن محسوس کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ شرح صدر کس طرح ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "اللہ کے ذکر سے اس کے دل میں نور بھر جاتا ہے اور سینہ کھل اٹھتا ہے اللہ نے حضورؐ سے فرمایا تھا۔

الم نشرح لک صدرک، و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور بوجھ نہ اُتارا جو آپ کی کمر توڑے دے رہا تھا۔ اور آپ کا ذکر بلند کیا۔

شرحِ صدر کی علامتیں اور ذکر کے برکات

فرمایا: بھائیو! جب شرح صدر ہوتا ہے تو دل روشن ہوتا ہے، تنگی و تاریکی دور ہوتی ہے اور افکار کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اور اس طرح بندہ جب خدا کی یاد میں لگ جاتا ہے اور اپنی طاقت کی نفی کر کے خدا کے حضور جھک جاتا ہے تو اللہ اس کا نام روشن کر دیتا ہے۔ بڑے سے بڑے جاہ و مال کا مالک مر جاتا ہے اور اس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر خدا کو یاد کرنے والے ہمیشہ یاد کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے اولیاء ہیں سب کا نام روشن ہے اور عزت و احترام کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر دنیاوی وجاہت کا مالک اس دولت سے محروم ہے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث

فرمایا: امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں آخری حدیث یہی درج فرمائی ہے کہ:۔

كَلِمَتَانِ خفيفتان على اللسان و ثقيلتان في الميزان سبحان الله بحمده و سبحان الله العظيم۔

دو کلمے جو زبان سے ادا کرنے میں بہت آسان اور ہلکے ہیں مگر میزان یعنی ترازو پر بڑے بھاری اور وزنی ثابت ہوں گے (وہ دو کلمے یہ ہیں) سبحان اللہ بحمدہ و سبحان اللہ العظیم۔

دیکھیے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں، نہ وقت زیادہ لگتا ہے اور نہ محنت ومشقت اُٹھانی پڑتی ہے، مگر قیامت کے دن جب میزانِ عمل قائم کی جائے گی تو ان کے وزن بہت زیادہ ہوں گے اور ان کا ورد کرنے والا کامیاب رہے گا۔

میرے بھائی! ذکر خدا کیا کرو، کام آئے گا اس وقت جب دنیا کی کوئی چیز کام نہ آئے گی یہی نیک اعمال اور خدا کی یاد اور اس کا ذکر ہوگا جو اس سخت اور کٹھن وقت میں کام آئے گا۔

بھائیو! غور سے سن لو اور یاد رکھو، یہ زندگی اور اس کا چراغ بجھ جائے گا۔ موت کی تاریکی تم پر مسلط ہو جائے گی۔ جب زندگی کا چراغ بجھ جائے گا تو محبت الٰہی اور ذکرِ خدا کا چراغ روشن ہو جائے گا۔ اور یہی روشنی آخرت میں کام آئے گی۔ اس لئے میرے بھائیو! دُنیا کے چراغ ہی کی نہیں بلکہ آخرت کے چراغ کی فکر کرو۔ عبادت کا تیل مہیا کرو۔ خدا اور اس کے رسولؐ سے غیر معمولی محبت ہو، وارفتگی اور بے تابی ہو تب کہیں جاکر وہ چراغ روشن ہوتا ہے، جو قبر کی تاریکی اور آخرت میں روشنی دے گا۔

جب خُدا بندے کو یاد کرتا ہے

فرمایا: مولانا رومؒ فرماتے ہیں، اے ذاکرِ حق جب تو اللہ کا نام لیتا ہے، تو اس کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے بہت سے لبیک موجود ہیں، کیونکہ تیرا اللہ کہنا قبول نہ ہوتا تو دوسری مرتبہ توفیق اللہ کہنے کی نہ ہوتی۔ پس اللہ اللہ کا ذکر کرنا ہی دلیل ہے کہ ہر

اللہ کہنا تیرا قبول ہو رہا ہے۔

ایک بزرگ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ ہم کو یاد فرماتے ہیں۔ مرید نے کہا یہ کس طرح؟

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے، میں بھی اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اکیلے یاد کرتا ہوں۔ اگر کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہوں۔ پھر ان بزرگ نے فرمایا کہ جب مجھے ذکر کی توفیق ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اس وقت حق تعالیٰ مجھے یاد فرما رہے ہیں

خُدا سے غفلت ــــ ایک واقعہ

فرمایا: ایک بزرگ، ایک بزرگ سے ملاقات کے لئے سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک درخت کے سائے میں آرام کرنے لگے۔ چڑیوں نے کہا، جہاں یہ جا رہے ہیں، وہ بزرگ انتقال کر گئے۔ یہ بزرگ جب ان سے ملے تو وہ زندہ تھے۔ فرمایا، اب تو چڑیاں بھی جھوٹ بولنے لگیں۔ فرمایا، کیا بات ہے؟ قول چڑیوں کا نقل کیا۔ پوچھا، کیا وقت تھا جب یہ خبر دی۔ بارہ بجے دن کا تھا۔ فرمایا چڑیوں نے صحیح خبر دی تھی میں آج ۱۲ بجے خدا سے غفلت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور خدا سے غافل کی مثال حدیث شریف میں مُردہ سے دی گئی ہے اور ذاکر کی مثال زندہ سے دی گئی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا شعر یاد آیا ؎

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا　　برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

جس نے دنیا میں خدا کا قرب و رضا نہ حاصل کیا وہ دنیا میں آکر دنیا سے کچھ نہ پایا۔

افسوس کہ اہلِ آخرت کو آج کل کے عقلاء زمانہ بے وقوف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عقل کی تعریف یہ ہے کہ جو نفع و ضرر سمجھ سکے۔ پھر نفع و ضرر میں فیصلہ کر سکے، نفع دائمی کے لئے

ضررِ عارضی کو گوارا کرلے اور نفع عارضی کو ضررِ دائمی کے خوف سے ترک کردے۔ اب ان کا حال ظاہر ہے کہ دنیا کے چند روزہ آرام کے لئے آخرت کے دائمی عذاب سے بے فکر ہیں اور عارضی نفع کو دائمی ضرر کے مقابلہ میں ترجیح دے رہے ہیں۔ پس عقل کی صحت کا فیصلہ اس تعریفِ مذکور کی کسوٹی پر خود کرلیں اور عقل کی تعریف مذکور بین الاقوامی تعریف ہے۔ کوئی عاقل اس کے خلاف بول نہیں سکتا، یہ کلمات مسلمات ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا تبلیغی کام کرنے والوں کو مشورہ

فرمایا: ہمارے مرشد مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ تبلیغ وارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں ان کو چاہئے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لئے بھی مقرر کرلیں، دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بے فکر نہ ہوں۔

اور فرمایا کرتے تھے کہ تلقی موقوف ہے تخلی پر، یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القا ہوتے ہیں۔ اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنویں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جائے۔ اور سر چشمہ سے پانی جمع ہونے کا وقفہ نہ دیا جائے، تو پھر اس کنویں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح معمولات کی پابندی نہ کرنے والے کی باتیں ظلمت آمیز ہو کر غیر مفید ہو جاتی ہیں

استغفار کے ثمرات وبرکات

فرمایا: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جو شخص کثرت سے استغفار کرتا رہتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا رہتا ہے گناہ سے جو تعلق ٹوٹ گیا ہو گڑگڑا کر الحاح کر کے اشکبار آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بندگی کا جوڑتا رہتا ہے اس کو ایک انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اس کو نجات دیدیں گے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تنگی میں پھنسا ہوا ہوں کیا کروں۔ اس کا علاج استغفار ہے۔

جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ مَخْرَجًا یعنی اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اس کو نجات دیدیں گے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تنگی میں پھنسا ہوا ہوں کیا کروں۔ اس کا علاج استغفار ہے

دوسرا انعام: ہے وَمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا اور ھم سے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیتا ہے اور ھَمّ کے معنی کیا ہیں. ملا علی قادری فرماتے ہیں۔ اَلْھَمُّ ھُوَ الْغَمُّ الَّذِیْ یُذِیْبُ الْاِنْسَانَ ھم وہ غم ہے جو انسان کو گھلادے وَالْحُزْنُ لَیْسَ کَذٰلِکَ حزن سے ہم زیادہ شدید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اور دنیا میں بھی کوئی شخص اپنے محبوب دوست کو غم میں نہیں دیکھ سکتا تو حق تعالیٰ بھی کوئی شخص اپنے محبوب دوست کو غم میں نہیں دیکھ سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنا محبوب بنالیں وہ کیسے غم میں نہیں دیکھ سکتا تو حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنا محبوب بنالیں وہ کیسے غم میں رہ سکتا ہے۔

تیسرا انعام ہے: وَرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ اور مستغفرین تائبین کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث پاک میں گنہگاروں کے لئے بڑی تسلّی ہے کہ متقین کو نعمت تقویٰ پر جو انعامات ملتے ہیں رونے والوں کو، توبہ کرنے والوں کو، مستغفرین نادمین کو بھی استغفار و توبہ پر انہیں انعامات کا وعدہ فرمایا گیا ہے فَنُزِّلُوْا مَنْزِلَۃَ الْمُتَّقِیْنَ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک اس آیتِ شریفہ سے استفادہ کی گئی ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (الطلاق ۳،۲)

ان آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی رح نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہونچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (اور کیونکہ ایک شعبہ تقویٰ کا توکل ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قربان جایئے کہ آپ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میری امت کے خطا کار بندے محروم رہ ہیں مستغفرین و تائبین کے لئے بھی ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا جو متقین کو عطا ہوں گے۔ اور یہ کیا کم نعمت ہے کہ متقین کے درجہ کو پہنچ جائیں، چاہے صف ثانی میں رہیں۔

صبر و شکر

غم میں بھی قانون فطرت سے میں کچھ بد ظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں

(اکبر الہ آبادی)

مصیبتوں اور بلاؤں سے کسی کو نجات نہیں

فرمایا: دنیا میں کسی شخص کو بلاؤں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات نہیں، چاہے وہ اولیاء اللہ ہوں یا کوئی بھی ہوں، ان پر مصیبتیں آئیں گی، اولاد کا نقصان ہوگا۔ خود انھیں بھی دنیا سے جانا پڑے گا۔ بھائیو! یہ سوچنا کہ کوئی پریشانی نہ ہو، مصیبت نہ ہو بس آرام ہی آرام رہے تو یہ ایک غلط نظریہ ہے۔ عافیت کی دعا کا تو حکم ہے، اللہ سے تم بلا نہ چاہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، تم اللہ سے عافیت مانگو کہ اے اللہ ہمیں ہر بلا سے محفوظ رکھ، مگر یہ بلا آئے گی ضرور مگر مانگنا ہمارا کام ہے۔ کبھی بچے بیمار ہوں گے اور کبھی نہ کبھی کوئی پریشانی ضرور آئے گی۔ مانگنا ہمارا کام ہے، بندے کا کام مانگنا ہے۔ غلام مانگے گا اور آقا بھی اپنا کام کریں گے۔ مالک ہمارے فائدے کے لئے سوچے گا، کیا ہمارے لئے مفید ہے اور کیا مفید نہیں ہے۔ مگر ہم یہ سوچیں کہ ہم پر مصیبت نہ آئے، یہ سوچنا غلط ہوگا۔ مصیبت میں تو انسان کی مخفی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور حوصلہ معلوم ہوتا ہے بقول شاعر ؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا
اسی میں آدمی کا حوصلہ معلوم ہوتا ہے

پیش کردہ: مرتب

امتحان لازمی ہے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ہم امتحان ضرور

لیں گے، پرچے تمہارے پاس آئیں گے۔ مگر پرچے آسان ہوں گے، زیادہ گھبرانا مت، بس تھوڑا سا خوف ڈال دیں گے "بِشَیْءٍ مِنَ الْخَوْفِ" بہت تھوڑا سا خوف ہوگا۔ کسی پڑوسی سے ڈر لگے گا، کہیں کوئی مار نہ دے یا کوئی اور خوف، کبھی کوئی آفیسر ناراض ہو جائے گا یا کبھی نوکری کا خوف، ہے نا بھائیو! وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ ـــ دیکھئے فرمایا گیا ہے، ضرور ضرور آزمائیں گے۔ یہ نہیں فرمایا کہ آزمائیں گے بلکہ فرمایا ہم ضرور ضرور آزمائیں گے تاکید کے ساتھ فرمایا ـــ وَالْجُوْعِ، اور کبھی بھوک بھی لگے گی۔ کیا مطلب ہوا یعنی کبھی روزی بھی تنگ ہو جائے گی تمہاری ـــ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ ـ کبھی تمہارے مالوں میں بھی نقصان آئے گا، تجارت ہو رہی ہے کبھی چوری ہوگئی کوئی نقصان ہوگیا، وضو کر رہے تھے وضو خانہ میں گھڑی گم ہوگئی، کسی کا قلم گم ہوگیا۔ کسی کا کچھ ـ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے یہ بھی امتحان ہے وَالْاَنْفُسِ، اور کبھی تمہاری جانیں، یا عزیز و اقارب کی جانیں جائیں گی ـــ انتقال ہوگا ـــ وَالثَّمَرَاتِ کبھی تمہارے باغوں اور پھلوں میں کمی آجائے گی۔ میرے بھائیو! یہ سب پرچے ہوں گے۔

صبر کرنے والوں کے لئے بشارت

مگر آگے فرمایا گیا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ، صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے اَلَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ" ـ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے۔ بھائیو! صابر کون ہے؟ صابر وہ ہیں جو ایسی مصیبت کے وقت کہا کرتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ۔ ہم تو اللہ کے غلام ہیں۔ بھائیو! یہاں "لام" ملکیت کے لئے ہے یعنی ہم لوگ اللہ کی ملکیت ہیں۔ مالک کو تو اپنے ملک پر اختیار ہوتا ہے جیسا چاہے کرے، جیسے ہم اپنی پیالیوں کو جہاں چاہتے ہیں رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ جس طرح چاہے رکھے، کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ پوچھے، کیوں صاحب میرے لڑکے کو کیوں لے گئے؟ آپ نے اپنا کیوں سمجھ رکھا تھا، تمہارا تو تھا مگر اصل میں تو اللہ ہی کا تھا۔

دفعِ غم کی حکیمانہ تعلیم

بس بھائیو! اس طرح اِنَّا لِلّٰہِ کی تعلیم دی گئی۔ ایک جملہ میں سبق سکھا دیا گیا کہ تم کو جو رنج ہوتا ہے تو اس لئے ہوتا ہے کہ تم لوگ خود تُرم خاں بنے ہوئے ہو، اپنے کو اللہ کی ملکیت اور اس کا غلام نہیں کہتے ہو، اس کا سبق بتایا گیا کہ تم خود رَو پودوں کی طرح نہیں ہو، تمہیں باقاعدہ اور بامقصد پیدا کیا گیا ہے۔ تم خود پیدا نہیں ہو گئے ہو، رحمِ مادر میں "قدرت" کام کرتی رہی تھی تم نے کچھ نہ کیا، نہ کر سکتے ہو۔ پھر یہ "میں" اور "ہمارا" کیا مطلب؟ سب تو اللہ ہی کا ہے، اسی کا حکم ہر چیز پر جاری ہے۔ اگر ہمارا کوئی عزیز چلا گیا تو ہمیں بھی وہیں جانا ہے، ہمیں تو اس موقع پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ ہی کے ذریعہ صبر و سکون حاصل کرنا ہے[1]

---

[1] اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں (خواہ آج خواہ چند روز بعد)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اپنی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں ــــ "اس آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبدِ محض ہیں اور تمام تر اسی کی مِلک۔ خود ہم بھی اور ہماری ہر چیز بھی، اپنی کوئی شئی بھی نہیں، نہ بیوی نہ بچے نہ مال نہ جائداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان۔ ؏ جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گماں ہمارا۔ (اکبرؔ) ــــ انسان کے سارے رنج و غم درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے۔ لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہو گیا اور کوئی سی بھی شئی ہو سرے سے اپنی رہی ہی نہیں تو اب گلہ و شکوہ، رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟

دوسری بات یہ کہ بڑے سے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں۔ رہ جانے والے کوئی بھی نہیں۔ عنقریب انھیں چھوڑ چھاڑ مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بے باق ہو جائیں گے۔ ہر کھوئی ہوئی چیز وصول

(مسلسل)

صبر، کمالات کا زینہ ہے

فرمایا: صبر سے انسان کے اندر قوت اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔
ایک بزرگ تھے، ان کی بڑی شہرت تھی۔ ایک شخص ان سے ملنے گیا۔ دروازہ

(بقیہ حاشیہ) ___ ہو کر رہے گی۔ یہ تینوں عقیدے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن وسکون حاصل رہے گا۔ غم و حزن کے بار کو ہلکا کرنے کا جو عارفانہ اور تیر بہدف نسخہ یہاں بتا دیا گیا ہے۔ یہ صحائف کائنات میں بے نظیر ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن مجید میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی تو یہی اسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لئے واللہ کافی تھی۔

صبر ایک کیفیت نفسی کا نام ہے اور اصلاً اس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے کلمۂ صبر دہرانے کا حکم اسی کیفیت کو قوی اور موکد بنانے کے لئے ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ آیت میں جو حکم ہے اس کی تعمیل کے تین مرتبے ہیں۔ (۱) درجۂ اعلیٰ۔ دل میں آیت کے معنی منقش ہوں اور زبان پر بھی اس کے الفاظ جاری ہوں۔ (۲) درجۂ اوسط۔ دل میں معنی کا خیال کرلے اور زبان سے ادا نہ کرے۔ (۳) درجۂ ادنیٰ۔ دل میں استحضار نہ ہو مگر زبان سے دہرا دے۔ چوتھی ممکن صورت یہ ہے کہ دل میں اعتقاد کسی درجہ میں بھی موجود نہ ہو محض زبان سے دہرا دے۔ اس مقام کا نام منافقت ہے۔ اور یہ ایمان والوں کی دنیا سے خارج ہے۔ رسول اللہ صلعم کی بابت تاریخ کا بیان ہے کہ آپ ادنیٰ ادنیٰ تکالیف یا ناگواری کے موقع پر بھی یہ کلمہ زبان پر لاتے رہتے تھے اور یہی معمول آپ کے صحابہؓ کا رہا ہے ___

راجعون سے یہ مراد نہیں ہے کہ انسان ابھی کہیں اور ہے، اور پھر کسی ایسے مقام یا جہت میں آجائے گا جہاں خدا ہے۔ خدا کے پاس تو وہ اب بھی ہے۔ مراد یہ ہے کہ عالم آخرت میں جس طرح اللہ کی ملکیت و ربوبیت اور سارے ظاہری اسباب کے ٹوٹ جانے سے بالکل واضح و نمایاں ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ خدا ہی کی طرف رجوع بالکل آشکار ہو کر رہ جائے گا۔ درمیانی واسطے سب غائب ہو کر رہیں گے۔

مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ کلمہ استرجاع تمام مصیبتوں کا علاج ہے اور انہی میں قبض بھی داخل ہے جو سالکوں کو اکثر پیش آتا رہتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

پر دستک دی۔ ایک عورت نکلی۔ آنے والے نے پوچھا حضرت کہاں ہیں، میں ان سے بہت دُور سے ملنے آیا ہوں۔ بیوی نے کہا، تم عجیب بے وقوف معلوم ہوتے ہو، وہ کہاں کے بزرگ ہیں، وہ تو ایک مکّار اور دھوکہ باز آدمی ہے۔ آنے والے کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا: چلو جو کچھ بھی ہو، وہ جیسے بھی ہوں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ پھر لوگوں سے پوچھا، لوگوں نے بتایا کہ جنگل گئے ہیں لکڑی لانے کے لئے۔ یہ شخص جنگل گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص شیر پر چلا آرہا ہے لکڑی کا گٹھر شیر پر رکھا ہے اور ہاتھ میں سانپ کا کوڑا ہے۔ وہ شخص یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ علیک سلیک کے بعد بزرگ نے ان کی حیرانی بھانپ لی۔ پوچھا، کیا میرے گھر سے آرہے ہو؟ انھوں نے کہا، جی ہاں۔ آپ کی گھر والی نے تو مجھے بدگمان کر دیا۔ یہ سن کر جو کچھ فرمایا، اس کو مولانا رومؒ نے اس طرح قلم بند فرمایا ہے: ؎

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن
کے کشیدے شیرِ نر بے گارِ من

(اگر میرا صبر بیوی کے بوجھ کو نہ اٹھاتا (یعنی بیوی کی گالی، بدکلامی وغیرہ کو نہ برداشت کرتا) تو یہ شیرِ نر میرا بے گار کیوں کھینچتا؟)

بھائیو! صبر اور ہر وقت کا صبر بڑے اونچے مقامات تک پہنچا دیتا ہے۔ بیوی اگر موافق طبیعت کی نہ ہو تو زندگی بڑی تلخ ہو جاتی ہے، اسے صبر کر لینا بڑی بات ہے۔ صبر سے عارفین کے درجات بلند ہوتے ہیں اور بہت سارے کمالات پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ مظہر جان جاناںؒ کی بیوی کا واقعہ

فرمایا: حضرت خواجہ مظہر جان جاناںؒ بڑے نازک طبع اور نفاست پسند تھے شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ جب ان کو بندوق کی گولی سے دشمنوں نے نشانہ بنایا تو لوگوں نے پوچھا، حضرت کو تو بڑی تکلیف ہو رہی ہوگی۔ فرمایا کچھ تکلیف نہیں ہے صرف بارود کی بدبو سے تکلیف ہو رہی ہے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ جب ان سے ملنے آیا تو اس نے

گھڑے کے اُوپر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا۔ حضرت کو بڑی تکلیف ہوئی مگر برداشت کرلیا۔ تھوڑی دیر بعد، بادشاہ نے عرض کیا، حضرت کو تو بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔ اگر اجازت ہو تو ایک ملازم کو بھیج دوں، تنخواہ میں دوں گا اور خدمت آپ لیں گے۔ اب حضرت خواجہ کو بولنا ہی پڑا۔ فرمایا بھائی بس کرو، تم بادشاہ ہو مگر تمہیں پیالہ تک رکھنے کا سلیقہ نہیں ہے تو تمہارے خادم کو کیا سلیقہ ہوگا؟ بہر حال حضرت جان جاناں بڑی لطیف اور پاکیزہ طبیعت کے حامل تھے۔ مگر اللہ ایسے بزرگوں کے لئے سخت امتحان اور مضبوط ہتھوڑا بھی رکھتے ہیں۔ ایک دفعہ الہام ہوا، محلہ کی فلاں عورت سے شادی کرلو، تمہارے مراتب بلند ہوں گے۔ بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت نے پیغام بھیجا اور شادی ہوگئی۔ مگر وہ عورت اپنی بدکلامی اور تندخوئی میں مشہور تھی۔ حضرت خواجہ برداشت کرتے رہے، طنز وطعنہ کی آگ پر جلتے رہے۔ خدا کی یاد اور اس کی تپش سے دل کو گرماتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کا شہرہ آفاق میں پھیلا دیا۔ ایک کابلی پٹھان آیا اور لوگوں سے پوچھا، حضرت کا گھر کدھر ہے۔ لوگوں نے بتا دیا۔ حضرت اس وقت تشریف نہیں رکھتے تھے۔ بیوی سے دریافت کیا تو وہی لعن وطعن، کہاں کے حضرت؟ ایک مکّار اور شریر کا نام حضرت وغیرہ وغیرہ تم لوگوں نے رکھ دیا ہے۔" بہر حال حضرت جانِ جاناںؒ یہ سب تکلیف برداشت کرتے رہے۔ اسی لئے بھی اللہ نے ان کا مرتبہ بلند فرمایا۔

بھائیو! صبر ہی بلندی کا ذریعہ ہوتا ہے ورنہ انتقام سے معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں لڑائی ہوگئی، مقدمہ ہوا۔ جب غریب نے دیکھا کہ مقدمہ کے لئے میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو وہ فریق کو قتل ہی کر دیتا ہے۔ دیکھئے مال رہ گیا اور مالدار چلا گیا۔ اس لئے صبر ہر حال میں بہتر ہے۔ صبر بیوی کی جفاؤں پر ہو یا غیروں کے ستانے اور لعن طعن اور دشمنی پر ــــ ہر حال میں مفید ہوا کرتا ہے۔

مصیبت اور معصیت ــــ ایک بزرگ کا واقعہ

فرمایا: ایک بزرگ کو چیتا نے زخمی کر دیا تھا۔ خون سے جسم اور کپڑے لت پت تھے۔ وہ اس حالت میں بھی ایک ندی کے کنارے بیٹھے جسم اور کپڑے کو دھو رہے تھے اور زبان پر

حمد و شکر کے کلمات تھے۔ ایک راہ گیر نے قریب آکر پوچھا کہ جناب! آپ تو خستہ، شکستہ اور کس مپرسی کے عالم میں یہاں پڑے ہوئے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے ہیں اور بدن سے خون رس رہا ہے، پھر بھی آپ اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں؟ ــــ بزرگ محترم نے کتنا معقول اور سبق آموز جواب دیا! فرمایا "بھائی، میں اس پر اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوں کسی معصیت میں نہیں"

بھائیو! معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لئے خطرے، ہلاکت اور تشویش کی چیز کوئی مصیبت نہیں بلکہ معصیت ہے۔ مصیبت میں گرفتاری اللہ کی جانب سے انعام واکرام کا باعث بن سکتی ہے جبکہ معصیت میں مبتلا ہونا خدا کے قہر و غضب کے نزول کو دعوت دینا ہے۔

مصیبت کی لذّت ــ ایک مثال

فرمایا:۔ ایک بچے کی طبیعت فطری طور پر کھیل کود سے مانوس ہوتی ہے وہ پڑھنے لکھنے سے بھاگتا ہے۔ تعلیم، کتاب اور مدرسہ سے اس کا دل اُچاٹ ہوتا ہے ــــ ماں کہتی ہے، بیٹا! مدرسہ جاؤ، آنے کے بعد میں تم کو لڈو دوں گی ــــ اب بچہ لڈو کی مٹھاس اور شیرینی پر ریجھ جاتا ہے۔ مدرسہ جانا پہلے اس کے لئے ایک بڑی مصیبت تھی لیکن لڈو کے انعام نے اس کے لئے اس مصیبت کو آسان کر دیا۔ وہ ہنسی خوشی مدرسہ چلا جاتا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت دیکھا جائے تو تعلیم کے مقابلہ میں لڈو کی کیا حقیقت ہے۔ لڈو تو تعلیم کا کوئی صلہ ہی نہیں مگر بچے کی جو ذہنی سطح ہوتی ہے اس لحاظ سے اس کے نزدیک تعلیم کے مقابلہ میں لڈو کی اہمیت ہے اور لڈو کی اسی اہمیت نے اسے مدرسہ جانے کی مصیبت کو گوارا کرا دیا۔

اسی طرح ایک بندہ مصیبت کو اپنی ظاہر بین نظر میں ناگوار سمجھتا ہے مگر اس مصیبت کے پردہ میں خدائی انعام واکرام چھپا رہتا ہے، وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے، اگر اس سے باخبر ہو جائے تو اسی طرح اس کو حوصلہ و ہمت کے ساتھ گوارا کرے جس طرح ماں کے مٹھائی کے وعدہ پر بچہ مدرسہ جانے کی مصیبت گوارا کرتا ہے۔ اس وقت مصیبت اس کے لئے باعثِ زحمت نہیں بلکہ موجب رحمت ہوگی۔ مصیبت کی لذّت کو کسی بھی مسرّت کی

راحت سے وہ کم محسوس نہیں کرے گا۔ شاعر کہتا ہے ؎

ہر اک مصیبت کی تہہ میں چھپی رہتی ہے راحت بھی
شبِ تاریک کے دامن سے ہوتی ہے سحر پیدا

ہر مصیبت میں ہمارا ہی فائدہ ہے

فرمایا: ہم پر جو مصیبت اور تکلیف آتی ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظلم کیا (نعوذ باللہ)۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نور اللہ مرقدہٗ نے اس اعتراض کو تین حصوں میں کر کے چوتھے حصہ میں جواب دیا ہے کہ:

(۱) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

(۲) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ بندے کا بھی فائدہ ہو اور اللہ کا بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔

(۳) جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ نہ بندے کو فائدہ ہو نہ اللہ کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لغو سے پاک ہیں۔

اب ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں اس کا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان چار صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلی تین صورتوں سے پاک ہے اور چوتھی صورت انسان کے فائدے ہی کے لئے تصدیق کر رہی ہے کہ جو تکلیف اور مصیبت انسان پر آتی ہے اس میں انسان ہی کا فائدہ ہوتا ہے۔

ایک بزرگ تھے، وہ استنجا کرنے کے لئے پانی لئے باہر جا رہے تھے۔ جیسے ہی چلے بس فوراً ان کا سر ایک دیوار سے بہت تیزی سے ٹکرا گیا۔ ان بزرگ نے فوراً الحمد للہ پڑھا۔ ان کے خادم نے اس حال کو دیکھ کر کہا کہ حضرت یہ شکر کا موقع کیسا ہے کہ آپ کے سر میں اتنی

تیزی سے چوٹ لگ گئی اور آپ شکر ادا کر رہے ہیں ۔ انھوں نے کہا کہ اس میں ہمارے لئے فائدہ تھا ۔ اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہوا کہ جس طرف یہ استنجاء کے لئے جا رہے تھے ادھر ہی ان کے بعض دشمن مہلک ہتھیار لئے ہوئے ان کی جان لینے کے لئے بیٹھے تھے ۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ جو بھی انسان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہر مصیبت میں انسان کی منفعت پوشیدہ رہتی ہے ۔

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا

فرمایا :- مولانا رومیؒ نے ایک عاشق کا واقعہ بیان کیا ہے ۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب وہ اپنے معشوق کے عشق سے سرشار دنیا و مافیہا سے بے نیاز سڑک پر گھوم رہا تھا محافظ پولیس کی نظر پڑی اور قریب آکر ایک ڈنڈا رسید کیا ۔ اس نے کہا ، میں چور ، ڈاکو یا رہزن نہیں ہوں ، تم نے کیوں مارا ، میں تو اپنے معشوق اور محبوب کے فراق اور اس کی ملاقات کی آرزو اور تمنّا دل میں لئے پھر رہا ہوں ۔ پولیس نے کہا ، مجھے اس سے کیا مطلب تم چور ہو یا عاشق ؟ میں تو اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہوں ۔ میں تو ہر اس شخص کو پکڑوں گا ، ماروں گا جو شب میں یوں گردش کرتا رہے ، خواہ وہ کوئی بھی ہو ۔ یہ کہتے ہوئے پولیس نے پھر ڈنڈے مارے ۔ عاشق وہاں سے تیزی سے بھاگا ۔ بھاگتے ہوئے سامنے ایک باغ آیا ۔ وہ باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا ۔

باغ کے اندر اس نے جوں ہی قدم رکھا اس کا وہ محبوب اچانک نظر آگیا جس کی محبت میں گرفتار اور عشق سے سرشار تھا ۔ نہ جانے کتنی ہی راتیں آنکھوں ہی آنکھوں میں اور سڑک پر ٹہلنے اور گھومنے پھرنے میں کٹی تھیں ۔ محبوب کو دیکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے چاندنی اس کے آنگن میں اُتر آئی ہو ۔ وہ خوشی میں مست تھا اور پولیس کو گالی کی بجائے دعائیں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا ، کہاں ہے کوتوال ؟ مجھے تو اس کے ڈنڈے کو بوسہ دینے اور چومنے کو جی چاہتا ہے ۔ کتنا پیارا تھا وہ ڈنڈا جس کی مار نے مجھے اپنے پیارے سے ملا دیا ۔

مولانا رومیؒ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ کوتوال کی مار اولاً عاشق

کے لئے ایک مصیبت تھی، لیکن جب یہ مصیبت محبوب کی ملاقات کا ذریعہ بنی تو عین نعمت بن گئی۔ پہلے تو کوتوال کے خلاف اس کے دل میں نفرت کے جذبات تھے مگر اب محبت کا دریا موجزن ہونے لگا۔

یہی حال بعض دنیوی مصیبتوں کا ہے۔ ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ مصیبت میرے لئے پراگندہ ذہنی اور انتشار فکری کا باعث ہے۔ روح کا سکون اور دل کا چین لٹ گیا۔ مگر جب انسان اس پر حوصلہ اور ہمت کے ساتھ صبر کرتا ہے، زبان پر شکوہ کے کلمات نہیں لاتا۔ "رضا بالقضا" اس کا مسلک ہے تو یہ مصیبت اللہ کی ملاقات کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ایسی صورت میں مصیبت، مصیبت نہیں بلکہ نعمت بن جاتی ہے۔

ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کے لئے قرب و ترقی کا ایک خاص مقام متعین فرما دیتے ہیں مگر وہ بندہ عبادت و ریاضت کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ اس مقامِ رفیع پر اس بندے کو فائز کرنا چاہتے ہیں اس لئے کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور پھر جب بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو اس کے اجر کے سہارے اس مخصوص اور قابلِ رشک بلند و بالا مقام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

اس لئے کسی مصیبت کو بار نہ سمجھو، آہ و واویلا نہ کرو، خدا کی شان میں گستاخانہ کلمات نہ نکالو، بہت ممکن ہے کہ صبر کے بعد یہ مصیبت تمہارے لئے کسی عظیم نعمت کے حصول کا ذریعہ بن جائے [صفی اورنگ آبادی فرماتے ہیں ؎

مصیبت نام ہے اہلِ وفا کی آزمائش کا
اسی میں آدمی کے حوصلے معلوم ہوتے ہیں] پیش کردہ : مرتب۔

راحتوں پر شکر کرنا چاہیئے

فرمایا: بھائیو! جب اللہ نعمت سے نوازے تو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ مگر آج کل حال اُلٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ شکایت کے طور پر فرماتے ہیں کہ انسان کی فطرت ایسی ہے:

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو دعا نا وہ

ہمیں پکارتا ہے، یا اللہ ہمیں اچھا کر دے، یا اللہ میری ماں اور میری بیوی کو اچھا کر دے، اے اللہ ہماری مصیبت دُور کر دے۔ دعائیں کرتا ہے، بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس جاتا ہے دَعَانَا لِجَنْبِهٖ ۔ اپنے پہلوؤں پر داہنے بائیں پہلوؤں پر یا اللہ یا اللہ کرتا ہے۔ قَاعِدًا، قَائِمًا بیٹھتے اُٹھتے کہتا ہے یا اللہ رحم کیجئے ہم پر فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَا اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ اور جب ہم اس سے تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح ہو جاتا ہے گویا جیسے کبھی اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا مصیبتوں میں ـــــ! بھائیو! معاملہ ایسا ہی ہے حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیئے۔

مجرم کا عیش قابلِ رشک نہیں

فرمایا: اگر کوئی بادشاہ پھانسی پر لٹکائے جانے والے مجرم کو اگر کچھ دنوں کی مہلت دے دے اور اس کے لئے ہر طرح کا سامانِ عیش فراہم کر دیا جائے۔ شاہی گاڑی پر اس کو ٹہلایا جائے۔ عمدہ کھانا کھلایا جائے کہ ایک ماہ بعد پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ اس کی ہر آرزو پوری کی جائے جیسا کہ انگریزی حکومت میں ہوا کرتا تھا۔ اب کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو اس کی حالت اور عیش و آرام پر رشک کرے گا اور اس جیسی "راحت" کی تمنا کرے گا ـــ تو اگر ایسے مجرم اور گنہ گار کو اللہ تعالیٰ نے عیش و آرام دے رکھا ہے تو قطعاً وہ قابلِ رشک نہیں۔ ہمیں آرزو اور خواہش تو جنت کی نعمت اور وہاں کے آرام کی ہونی چاہیئے۔

کافر کے عیش پر لالچ نہ کرو

فرمایا: کافروں کے لئے بھی خدا کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ کافر کے عیش پر کبھی لالچ نہیں کرنا چاہیئے، پناہ مانگنی چاہیئے۔ اللہ نے فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ کہ اے نبی کافروں کے مال اور اولاد آپ کو اچھے نہ معلوم ہوں۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا ۝ ـــــ کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا دے کر اسی دنیا سے عذاب دینا چاہتے ہیں۔ جب کو تم دیکھو کہ دنیا اس کے پاس کافی

ہے، کار بھی ہے، کوٹھی بھی، سب کچھ ہے مگر ایمان نہیں ہے یا ایمان تو ہے مگر نماز نہیں پڑھتا، نیکیوں میں سستی کرتا ہے، شراب بھی پیتا ہے، چھپ کر سینما بھی دیکھتا ہے، تو اس مال کو تم نعمت نہ سمجھو، وہ اللہ پاک کی طرف سے عذاب ہے اس کے لئے۔

اصل نعمت

فرمایا: اصل نعمت اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اھدنا الصراط المستقیم کے ساتھ صراط الذین اَنْعَمْتَ عَلیھم فرمایا کہ صراط مستقیم کی دُعا کے ساتھ یہ بھی کہو کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے ـــ یہاں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انعام والے کون لوگ ہیں؟ عام طور پر ذہن اس طرف جا سکتا تھا کہ برطانیہ والے انعام والے ہیں، فرانس والے انعام والے ہیں، امریکہ والے انعام والے ہیں، روس والے انعام والے ہیں یا جو بڑے بڑے مالدار اور ملوں کے مالک ہیں، وہ لوگ انعام والے ہیں۔ اس لئے آگے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ: غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین انعام والے وہ ہیں جو غضب والا راستہ اختیار نہیں کرتے ہیں اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اب پھر بھی یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ بھائی وہ غضب والے کون ہیں، وہ غضب تو نظر نہیں آتا۔ دیکھتے ہیں شراب بھی پی رہا ہے، کوٹھی بھی ہے، کار بھی عیش ہی عیش ہے۔ تو کیسے معلوم ہو کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا ہے؟

نعمت والے کون ہیں

فرمایا: اس کی وضاحت اور تشریح اللہ تعالیٰ نے دوسرے پارہ میں فرما دی ہے، الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین جن پر اللہ نے نعمت فرمائی ہے وہ جماعت ہے نبیوں کی، صدیقین کی، شہداء کی اور صالحین کی۔ بس یہ ہیں انعام والے لوگ۔ نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں اور صالح لوگ ہیں۔ تو سمجھ لو کہ یہ انعام والے ہیں۔ اور جو شخص صالح نہ بن سکا اس میں تقویٰ و صالحیت نہیں ہے،

تو سمجھ لو کہ "انعام والوں" کی فہرست میں ان کا نام نہیں ہے چاہے وہ پوری سلطنت کا مالک ہو، مگر اللہ کے نزدیک قرآن کی اصطلاح میں وہ "نعمت والا" نہیں ہے۔

میرے بھائی، اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہی پہچان اور معیار ہے نعمت والوں کا۔ اگر ان کے پاس پیوند لگے کپڑے ہیں، روکھی سوکھی روٹی کھاتے ہیں مگر اللہ کی رضا کے لئے جیتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے بچتے ہیں تو یہی اصل نعمت اور کامیابی ہے۔ اس دُنیا کی زمین پر جس بندے سے خدا راضی ہے اور وہ اللہ کی رضا والے اعمال کو اختیار کر رہا ہو تو وہی نعمتوں والا" ہے۔

شُکر اور فخر میں فرق

فرمایا: شکر اور فخر کے نتائج میں فرق ہے۔ ظاہر صورت تو دونوں کی ایک ہی ہے۔ ایک شخص شکر کے طور پر کہتا ہے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ میں یہ ہوں۔ اور فخر والا بھی کہتا ہے کہ شکر ہے کہ میں پروفیسر ہوں — ایک شکر سے کہہ رہا ہے اور ایک فخر سے۔ اس کے فرق کا پتہ نتیجہ سے چلے گا۔ شکر میں آدمی جھکتا ہے۔ اس میں انکساری پیدا ہوتی ہے۔ کہتا ہے کہ یہاں کیا اکڑنا ہے؟ اصل تو اللہ کے پاس پہنچنے کے بعد دیکھنا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کیا خوب کہا ہے: ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے ۔۔۔ وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

فخر والا۔ اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے اور اس پر اتراتا ہے کہ ہمارے پاس یہ ہے وہ ہے۔ بھائی یہاں کا کیا ہے۔ اصل فکر وہاں کی کرو کہ کیسے رہے۔

علی گڑھ میں کہی ہوئی ایک موثر نظم

میں نے ۱۹۵۸ء میں علی گڑھ کا ایک سفر کیا تھا۔ یہ سفر حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوریؒ اور حضرت مولانا محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ کے ہمراہ ہوا تھا۔ اس سفر میں ہم لوگوں کی ملاقات ریاست چھتاری کے نواب چھتاری سے بھی ہوئی اور انھیں کے یہاں بیان طے ہوا،

میں جب نواب چھتاری ــــــــــ کے یہاں پہنچا تو ان کے وسیع و عریض اور خوبصورت بنگلے اور مکانات دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور دل میں خیال آیا کہ اکثر حالات میں ایسے حسین و جمیل مکانات اور عیش و آرام کے نقشے ایک انسان کو خدا سے دور کر دیتے ہیں حالانکہ انسان کا کمال یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسا نہ کھو جائے کہ وہ نعمت دینے والے اپنے منعمِ حقیقی ہی کو بھول جائے۔

اس موقع پر علی گڑھ کے معززین بھی موجود تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شعبۂ دینیات کے صدر بھی تشریف فرما تھے۔ میں اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ! موقع اور محل کی مناسبت سے ایک نظم موزوں کرا دے جس میں آپ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہو، اس پر شکر کا بیان ہو دنیا اور دنیا کی چیزوں کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی ہو۔ اس دعا اور توجہ الی اللہ کے نتیجہ میں اس وقت ایک ایسی ہی نظم بفضلِ خدا موزوں ہو گئی جسے میں نے سنایا۔ وہ نظم یہ ہے:

فریادِ اختؔر در یادِ دلبر

رہوں روز و شب گرچہ باغِ ارم میں ۔۔۔ وہ دونوں جہاں دیں عموم کرم میں
کروں عیش گو ہر طرح کی نِعَم میں ۔۔۔ عطا ہفت اقلیم ہو ہر قدم میں
مرے دل میں تیرا اگر غم نہیں ہے
تو یہ ساری راحت کم از سم نہیں ہے

بہت خوش نما ہیں یہ بنگلے تمہارے ۔۔۔ یہ گملوں کے جھرمٹ یہ رنگیں نظارے
ارے جی رہے ہیں یہ کس کے سہارے ۔۔۔ کہ مرنے سے ہو جائیں گے سب کنارے
اگر قربِ جانِ بہاراں نہیں ہے
یہ ننگِ خزاں ہے گلستاں نہیں ہے

تمہیں سے ہے جنّت بھی جنّت ہماری ۔۔۔ نہ ہو تم تو جنّت میں بھی ہوں میں ناری
محبت کی دل میں لگے ضرب کاری ۔۔۔ مری کامیابی کی آجائے باری

مری جاں کا کوئی سہارا نہیں ہے
بجز تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے

یہ ہے عشق میں امتحاں کس بشر کا   بنائے ذبیحہ جو اپنے پسر کا
پدر سے ہے اعجاز قلب و جگر کا   پسر سے ہے اعجاز تسلیم سر کا
ترے حکم پر کیا گوارہ نہیں ہے
کوئی تجھ سے بڑھ کر پیارا نہیں ہے

ترے عشق کے غم کا ادنیٰ اثر ہے   کہ جاں سر بکف زیر تیغ و تبر ہے
بکوئے ملامت کوئی دربدر ہے   بشوقِ شہادت کوئی دار پر ہے
اگر آپ کا غم ہمارا نہیں ہے
مجھے ہر دو عالم گوارا نہیں ہے

ملائک زخونِ شہیدانِ ملّت   محبّت کی ہمّت سے ہیں محوِ حیرت
کہا تھا کہ مفسد بشر کی ہے فطرت   ولے شاد باش اے جنونِ محبت
ترے غم سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہے
بشر سے یہ اعجاز غم کم نہیں ہے

بہت سے سلاطیں ہوئے گھر سے بے گھر   دلوں میں جب ان کے کیا عشق نے گھر
مزہ ان کو آیا جو اس سنگِ در پر   تو پایا فقیری کو شاہی سے بہتر
وہ دل جس میں جلوہ تمہارا نہیں ہے
وہ دل سب کا ہو پر تمہارا نہیں ہے

کبھی تو بآہ و فغاں رو رہا ہوں   کبھی دل ہی دل میں فقط رو رہا ہوں
کبھی اک خلش سی محض پا رہا ہوں   کبھی خون آنکھوں سے برسا رہا ہوں
ترے غم کا جو ہائے مارا نہیں ہے
کسی کا وہ ہو پر تمہارا نہیں ہے

جو اماں ملی تو کہاں ملی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک منکرِ خدا نے کہا کہ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ فرمایا، دریافت کرو، مگر میں خدا سے معلوم کر کے بتاؤں گا۔

کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے مقابل پر مسلسل تیر کی بارش کر رہا ہو تو اس سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے معلوم کیا، ارشاد ہوا کہ اے عیسیٰ! آپ جواب دے دیں کہ تیر چلانے والے کے پاس آکر کھڑا ہو جائے تو پھر اس کے تیروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ جواب سنتے ہی وہ حیران ہو گیا اور اس نے تصدیق کی کہ بے شک آپ سچے نبی ہیں۔

مثنوی شریف میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جب مصائب کے تیر خدا کی طرف سے آتے ہیں تو مصائب سے محفوظ رہنے کی صورت یہی ہے کہ خدائے پاک سے قریب ہو جاؤ اور ان سے تعلق پیدا کرو ؎

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہنشہاں ہے
اسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں (مجذوبؔ)

بلا سے عافیت کی دُعا

فرمایا: ہر بلا سے عافیت کی دُعا بھی مانگنا چاہیے اور اگر قضاءِ الٰہی سے آجائے تو صبر و تسلیم سے پریشان نہ ہو۔ دُعا، عافیت و استغفار کی کثرت کرتے ہوئے اس میں اپنے لئے حکمتِ خیر کی سوچتا رہے۔ عنقریب پھر حق تعالیٰ اس بلا کو بھی دور فرما دیتے

ہیں۔ کیونکہ علاج مقصود ہے، جب وہ حاصل ہو جائے گی بلا بھاگ جائے گی۔ ہاں اگر علاج کبھی طویل ہوتا ہے یا رفع درجات کے لئے تاخیر ہو تو گھبرائیے نہیں ۔ حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام چالیس برس تک حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی دعا فرماتے رہے اور مایوس نہ ہوئے۔

حق تعالیٰ کی رحمت کے برابر امید وار رہے۔ یہ سبق ہے ان لوگوں کے لئے جو بہت جلد قبولیتِ دُعا کے آثار نہ دیکھنے سے مایوس ہونے لگتے ہیں۔

غم زدہ دلوں کے لئے تسلّی کا سامان

فرمایا: ایک دن قبر میں اترنا ہے اور رب کو جانا ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو دنیا میں آیا ہو اور نہ جائے ہم لوگ دنیا کے نیشنل نہیں ہیں یہاں کا قیام ایک عارضی نیشنلٹی ہے لیکن حقیقت میں ہم یہاں کے نیشنل نہیں ہیں۔ پردیسی ہیں۔ اور یہی دلیل ہے کہ ہمارے جو عزیز جاتے ہیں اس کا ثبوت پیش کرکے جاتے ہیں کہ دیکھو دنیا پردیس ہے، اس سے دل نہ لگانا۔

اللہ تعالیٰ غم زدہ دلوں کے لئے اِرشاد فرمایا: جب تم کو کوئی صدمہ اور غم پہنچے جب کوئی مصیبت کا واقعہ پیش آجائے تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے لوگوں کو بشارت دے دیجئے خوشخبری سنا دیجئے جو کسی مصیبت کے وقت میں اپنے رب کی مرضی پر راضی رہتے ہیں اور ان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے کوئی اعتراض اور شکایت نہیں ہوتی اور کہتے ہیں

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط میں زبردست تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ اس آیت میں دو جملے ہیں ایک اِنَّا لِلّٰہِ، دوسرا وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اِنَّا لِلّٰہِ کے معنی ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک ہیں غلام ہیں۔ لام ملکیت کے لئے آتا ہے یعنی ہم اپنی ذات کے مالک نہیں، اگر اپنی ذات کے ہم مالک ہوتے تو خودکشی جائز ہوتی۔ کیوں کہ اپنی چیز میں آدمی کو تصرف کا حق ہے، اگر ہم اپنی چیز ہوتے تو گلے میں پھندا ڈالنا جرم نہ ہوتا لیکن خودکشی اس لیے حرام ہے کہ تم اپنے مالک نہیں ہو تم ہماری امانت ہو ہماری چیز ہو تمہیں اپنا گلا گھونٹنے کا کیا حق ہے یعنی خودکشی کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے مالک نہیں ہیں۔ ہمارے جسم و جاں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ کے معنی ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں۔ لہٰذا اس جملہ میں ایک تسلّی تو یہ ہے کہ جب ہم مملوک اور غلام ہیں تو مالک کو ہمارے اندر ہر تصرّف کا حق حاصل ہے جو چیز چاہے ہم کو دے، جس کو چاہے ہم سے لے لے۔ کیوں کہ صدمہ کے وقت میں دو خیال آتے ہیں، ایک تو یہ کہ ہماری ماں، باپ یا شوہر کو جلدی بلا لیا، ہم سے چھین لیا۔ اس کا جواب اِنَّا لِلّٰہِ ہے کہ تمہاری ماں، باپ، شوہر یا بیٹا بھی ہماری ملکیت، تم بھی ہمارے غلام۔ اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عمر ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے۔ اب اس عزیز کی جدائی سے جو غم ہو رہا ہے اس کا کیا علاج ہے۔ تو اس کے لئے تسلّی کا دوسرا مضمون وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں نازل فرمایا کہ اللہ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ جدائی دائمی تھوڑی ہے عارضی جدائی ہے۔ آج تمہاری ماں گئی ہے ایک دن تم بھی ہمارے پاس واپس ہو گے،

ع

آج وہ کل ہماری باری ہے۔

اور وہاں سب اعزاء و اقرباء پھر مِل جائیں گے اور پھر کبھی جدائی نہ ہو گی لہٰذا کیوں گھبراتے ہو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت اِنَّا لِلّٰہِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں اس حقیقت کو ایک عجیب مثال سے سمجھایا فرماتے ہیں کہ مثلاً

کسی شخص نے ایک الماری خریدی جس میں دو خانے ہیں نیچے کے خانے میں اس نے ایک درجن گلاس اور ایک درجن چائے کی پیالیاں لاکر رکھدیں سال بھر تک اسی خانے میں وہ گلاس اور چائے کی پیالیاں رکھی رہیں پھر اس الماری کے مالک نے حکم دیا اپنے نوکر کو کہ سال بھر پہلے جو چائے کی بارہ پیالیاں اور بارہ گلاس میں نے نیچے کے خانے میں رکھے ہیں تم اس نیچے والے خانہ سے ایک گلاس اور ایک پیالی اٹھاکر اوپر والے خانہ میں رکھ دو' ملازم نے کہا کہ حضور آپ ایسا حکم کیوں دے رہے' مالک کہتا ہے کہ نالائق یہ الماری میری اس کے دونوں خانے میرے گلاس اور چائے کی پیالیاں میری اور تم بھی میرے نوکر تم کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں جو میں کہتا ہوں ویسا کرو۔ لہٰذا اس نے ایک پیالی اور ایک گلاس اٹھاکر اوپر والے خانہ میں رکھ دیا' پھر نوکر نے کہا کہ حضور اب بات سمجھ میں آگئی کہ آپ الماری کے مالک ہیں اور اس کے دونوں خانوں کے بھی مالک ہیں اور گلاس اور چائے کی پیالیوں کے بھی مالک ہیں جس گلاس اور پیالی کو چاہیں آپ نیچے والے خانے سے اوپر والے خانہ میں رکھنے کا حکم دے دیں۔

لیکن حضور مجھے ایک اشکال ہے وہ بھی آپ حل فرمادیں اور وہ اشکال یہ ہے کہ یہ بارہ پیالیاں اور بارہ گلاس جو ایک سال سے آپس میں ساتھ تھے ان کی آپس میں محبت ہوچکی تھی اب ایک گلاس اور ایک پیالی کو ان سے جدا کر کے آپ نے اوپر کے خانہ میں رکھ دیا تو یہ گیارہ پیالیاں اور گیارہ گلاس رو رہے ہیں جو ساتھ رہتے تھے اس کا کیا علاج ہے' مالک نے کہا۔ گھبراؤ مت یہ گیارہ پیالیاں اور گیارہ گلاس جو نیچے والے خانہ میں ہیں ان سب کو ہم یکے بعد دیگرے اوپر والے خانہ میں لے جانے والے ہیں۔

لہٰذا یہ غم عارضی غم ہے یہ ان کا دائمی غم نہیں ہے۔ اب حکیم الامت فرماتے ہیں کہ یہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کی ایک الماری ہے' ایک خانہ

آسمان کے نیچے ہے اور ایک خانہ آسمان کے اُوپر ہے۔ آسمان کے نیچے والے خانہ کا نام دنیا ہے اور آسمان کے اوپر والے خانہ کا نام آخرت ہے ہم لوگ اللہ کے گلاس اور پیالیوں کی طرح ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ جب تک چاہتے ہیں ہمیں نیچے والے خانہ میں رکھتے ہیں۔ اور جب ان کا حکم ہو جاتا ہے کہ اب اس کا وقت پورا ہو گیا۔ تو اس خانہ سے اٹھا کر آسمان کے اوپر والے خانہ میں اپنے پاس بلا لیتے ہیں۔

تو دوستو! آپ کی والدہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس خانہ سے اٹھا کر دوسرے خانہ میں منتقل کر دیا ہے الماری بھی اللہ کی نیچے والا خانہ بھی خدا کا آسمان سے اوپر والا خانہ بھی اللہ کا اور ہم لوگ بھی اللہ کے، ہمارے ماں باپ بھی اللہ کی ملکیت اللہ کو اختیار ہے۔ اتنے ہی دن کا ویزا دیا تھا اس کے بعد ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تھا ساری دنیا کے ڈاکٹر بھی جمع ہو جائیں تو کسی کو روک نہیں سکتے جب کوئی مرتا ہے تو سمجھ لو کہ یہی وقت تھا اس کے جانے کا۔ حتیٰ کہ جب وقت آجاتا ہے تو خود ہارٹ اسپشلسٹ بھی اپنے کو نہیں روک سکتا اور اپنے دل کی رفتار جاری نہیں رکھ سکتا دل کے ماہر ڈاکٹر جمعہ کا ہارٹ فیل ہوا۔ دوسرے کے دل کی رفتار گن رہا ہے دل کی حرکت کا شمار کر رہا ہے اور خود کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ پیاروں کی جدائی کا غم تو ہوتا ہے میری ماں کی جدائی کا کیا علاج ہے اسی طرح باپ یا بیوی یا کسی کا شوہر چلا گیا تو ان کے غم کا کیا علاج ہے اس کا علاج ہے وانا الیہ راجعون کہ یہ جدائی عارضی ہے اور اس اوپر والے خانہ میں ہم لوگ بھی یکے بعد دیگرے جانے والے ہیں اور ہمارا زیادہ خاندان تو وہیں ہے ہمارے دادا اور نانا، اور دادا کے دادا اور نانا کے نانا جن کو ہم نے دیکھا بھی نہیں سب اوپر ہیں زیادہ رشتہ دار تو وہیں ہیں۔ آپ سوچئے وہاں کتنا بڑا خاندان ہے جو پردیس سے وطن

چلے گئے۔ سب خاندان والوں نے ان کا استقبال کیا ہوگا !

تو غمزدہ دلوں کے لئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کا زبردست مضمون نازل فرمایا ہے اور اس سے قبل ہی صبر کرنے والوں کو یہ بشارت بھی سنادی کہ ان اللّٰہ مع الصابرین یعنی ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں پس کسی کے انتقال پر یا مصیبت پر جو اجر و ثواب ہم نے تمہارے لئے رکھا ہے وہ تو ہے ہی لیکن اگر تم سے تمہاری کوئی چیز کھو گئی تمہاری اولاد ماں باپ، بیوی یا شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کے بدلہ میں ہم تمہیں اپنی معیت خاصہ اپنا قرب خاص عطا کرتے ہیں۔ ان اللّٰہ مع الصابرین صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

آپ سوچئے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوں اس کی کیا قسمت ہے اور اس کے لئے کتنی بڑی دولت کی بشارت ہے۔

اور مظہر در حقیقت گھر گیا

فرمایا : کہ موت سے آدمی فنا نہیں ہوتا دنیا سے آخرت میں منتقل ہوتا ہے۔ موت دراصل انتقال ہے پردیس سے اپنے وطن کی طرف جہاں وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں دہلی میں ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ جن کا نام مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ تھا جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے پہلے ہی اپنی ڈائری میں ایک شعر لکھ دیا تھا۔ اس شعر کو پڑھ کر گھر والوں کو تسلی ہوگئی وہ شعر کیا تھا؟ فرماتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا
اور مظہر در حقیقت گھر گیا

اللہ اکبر کیا شعر ہے۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ مظہر مر گیا اور مظہر تو اپنے گھر گیا پردیس سے اپنے وطن چلا گیا، جہاں سے آیا تھا، اللہ میاں کے پاس یہ

مرنا نہیں ہے یہ تبدیلی ہے جیسے ایک شہر سے دوسرے شہر آدمی منتقل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی اپنے گھر جائے تو آپ کیوں اتنا زیادہ روتے ہیں۔

میں نے جہاں جہاں بیان کیا اس شعر کو سنتے ہی لوگوں کو بڑی تسلّی ہوئی ابھی الٰہ آباد میں بھی بیان کیا تھا ایک صاحب بڑے رئیس زمیندار تھے ان کو ڈاکوؤں نے فائر کر کے شہید کر دیا' ان کے برادر نسبتی انیس صاحب الٰہ آبادی ہمارے دوست ہیں وہ کہنے لگے کہ بڑا حادثہ پیش آگیا سارے گھر والے بے چین ہیں میں ان کے یہاں گیا اور تقریر کی سب نے کہا کہ صاحب دل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ ایسی تسلّی ہوئی کہ غم بالکل ہلکا ہو گیا۔

اور تھوڑا سا غم ہونا بھی اللہ کی مصلحت ہے

فرمایا: یہ مرنے والے کی محبت کا حق ہے لہٰذا غم تو ہوگا وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ہلکا ہو جائیگا تب ہی تو تسلی دینا سنت قرار دیا' غم نہ ہوتا تو تسلّی دینا سنت ہی نہ ہوتا کسی ایسے شخص کو جا کر تسلّی دیجئے جس کو غم نہ ہو تو وہ کہے گا آپ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں۔ کہیں زخم نہ ہو اور مرہم لگائیے تو کہے گا کہ بھائی آپ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہیں ارے زخم تو ہے ہی نہیں پھر مرہم سے کیا فائدہ۔

تسلّی دینا سنّت ہے

تو تسلّی سنّت جب ہے جب غم ہو۔ معلوم ہوا کہ پیاروں کے انتقال سے غم ہوتا ہے اس لئے غم کو ہلکا کرنے کے لئے تعزیت کو سنّت قرار دیا۔ اللہ سے زیادہ کون جانے گا جس نے ہمیں زندگی دی جو غم اور خوشی کا خالق اور مالک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد حضرت عبّاس رضؓ،

کا جب انتقال ہوا تو بہت لوگوں نے تعزیت کی لیکن ایک بدوی (دیہاتی) بزرگ آئے اور انہوں نے ایسی تعزیت کی جس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت تسلّی ہوئی انہوں نے کہا کہ اے عبداللہ ابن عباس تمہارے والد کا انتقال ہوگیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے والد کے لئے تم زیادہ بہتر ہو یا عباس کا اللہ زیادہ بہتر ہے اور عباس کی وفات سے جو تمہیں غم پہنچا اور اس مصیبت پر صبر کے بدلہ میں جو تمہیں اجر و ثواب ملا بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ مل گیا تو یہ بتاؤ کہ یہ انعام عظیم تمہارے لئے کیا عباس سے بہتر نہیں ہے۔ سبحان اللہ کیا عنوان ہے دیہات کے تھے وہ لیکن اللہ جس کو چاہے مضمون عطا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت پرتاب گڈھی دامت برکاتہم فرماتے ہیں ؎

جو آسکتا نہیں وہم و گماں
اسے کیا پاسکیں لفظ و معانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کر دیا رُوح المعانی

عجب تسلی کا مضمون ان کے منہ سے نکلا۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے ابا کیلئے رو رہے ابا کیلئے رو رہے ہو اور تمہارے ابا اپنے ربا کے پاس چلے گئے جو ارحم الراحمین ہے پس ان کا رب تم سے بہتر ہے اور ان کی جدائی پر صبر کے بدلہ میں تمہیں اللہ مل گیا۔ ان اللہ مع الصابرین اور اجر و ثواب ملا تو یہ انعام تمہارے لئے تمہارے ابا سے بہتر ہے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور جدائی بھی عارضی ہے۔ سب چند دن کی باتیں ہیں پھر سب کو وہیں جانا ہے، وہاں پھر سب سے ملاقات ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ گھر میں کسی کی موت آجانا یہ بھی اللہ کی رحمت ہے اس لئے کہ آج آپ اپنی اماں کے انتقال کو نہیں چاہتے دل سے یہی چاہتے ہیں کہ میری اماں ابھی کچھ دن اور زندہ رہتی۔ تو آپ کی اماں بھی

یہی چاہتی کہ میری اماں بھی نہ مریں یعنی نانی۔ اور نانی بھی یہی چاہتی کہ میری اماں بھی نہ مریں تو اگر سب کی آرزو اللہ پوری کر دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک گھر میں زیادہ نہیں صرف پانچ نانے اور پانچ نانیاں لیٹی ہوں اور پانچ دادے اور پانچ دادیاں لیٹی ہوں کوئی پانچ سو برس کا ہے کوئی تین سو برس کا ہے کوئی دو سو برس کا ہے سب کے چارپائی پر پیخانے ہو رہے ہیں تو آپ نہ تو نوکری کر سکتے نہ بال بچوں کی پرورش کر سکتے۔ یہ ہمارے دو سو چالیس گز کے پلاٹ بھی ناکافی ہو جاتے پھر تعویز دباتے اور دعائیں کرتے کہ یہ جلدی سے مریں، اس لئے یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے وقت پر پردیس سے وطن اصلی کی طرف منتقل فرماتے رہتے ہیں جب بال سفید ہو گئے سمجھ لو کھیتی پک گئی اور کھیتی پک جانے کے بعد کسان کہاں کھیت میں چھوڑتا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب بال سفید ہو جائیں تو ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہاری زندگی کی کھیتی پک چکی ہے، لہٰذا تیار رہو اب کسی بھی وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام درانتی لے کر آئیں گے اور تمہاری زندگی کی کھیتی کاٹ لیں گے۔

مولانا رومی بھی کیا انداز بیان فرمایا ہے کہ جلدی جلدی تیاری کر لو کٹائی کا وقت قریب آچکا ہے۔

جو کچھ ہے سب خدا کا وہم وگماں ہمارا

فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی اللہ جو چیز ہم سے لیتا ہے وہ ہماری نہیں اللہ ہی کی ہے اس کا مالک اللہ ہے جو چیز اس نے لے لی وہ اسی نے عطا فرمائی تھی اگر کوئی اپنی امانت واپس لے لے تو آپ اس پر زیادہ غم نہیں کرتے کیوں کہ وہ آپ کی چیز ہی نہیں تھی جس کی تھی اس نے لے لی وہ اس کا مالک ہے۔ ہم کو جو حد سے زیادہ

غم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ غلطی سے اس کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔
حالاں کہ الفاظ نبوت یہ ہیں اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ جو کچھ اللہ نے تم سے لیا
جس کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا وہ اللہ ہی کا تھا اُسے تم کیوں اپنا سمجھتے
ہو اگر آپ کو کوئی شخص اپنی گھڑی دے دے کہ آپ دو مہینے اس کو استعمال
کر لیجئے پھر دو مہینے کے بعد وہ آپ سے گھڑی مانگے کہ میری گھڑی واپس
کر دیجئے تو آپ روئیں گے نہیں آپ یہی کہیں گے کہ ٹھیک ہے صاحب
لیجئے یہ آپ کی گھڑی ہے بلکہ آپ کا شکریہ کہ اتنے دن تک آپ نے
اپنی گھڑی مجھے دی تھی۔ تو آپ بھی شکر کریں گے کہ ہماری والدہ کو اللہ تعالیٰ نے
اتنی زندگی دی ورنہ اس سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ ان کو اٹھا سکتے تھے بچپن ہی
میں آپ کو چھوٹا سا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اُٹھا سکتے تھے یہ ان کا احسان ہے کہ آپ
لوگ بڑے ہو گئے ماشاء اللہ بال بچے دار ہو گئے تب بُلایا اتنے روز تک آپ
کے پاس رکھا۔ لہٰذا شکر ادا کیجئے کہ اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہماری والدہ
کو اتنے عرصے ہمیں دیئے رکھا جیسے وہ شخص کہتا ہے جس کو آپ نے گھڑی
دی کہ ہم آپ کے شکر گذار ہیں کہ اتنے عرصہ تک اپنی گھڑی آپ نے ہمیں
دی ہوئی تھی جو کچھ لے لیا وہ بھی اللہ کا وَلَہٗ مَا اَعْطٰی اور جو کچھ عطا فرمایا
وہ بھی اللہ ہی کا ہے جو چیزیں دی ہیں ان کا بھی شکر ادا کیجئے ان کا شکر کیا ہے
کہ یا اللہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے میرے والد کا سایہ میرے سر پر
عطا فرمایا ہوا ہے اور کتنی نعمتیں دی ہوئی جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، اُن
کا شکر ادا کیجئے کہ اے اللہ آپ کی بے شمار نعمتوں کا بے شمار زبانوں سے
شکر ادا کرتا ہوں۔

وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا
ایک وقت مقرر ہے جو کچھ اللہ لیتا ہے اور جو کچھ عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ
کے یہاں پہلے ہی سے مقدر ہے یہاں تک کہ برتنوں کا وقت بھی مقرر ہے

مثلاً آپ مدینہ شریف سے ایک گلاس لائے لیکن اچانک کسی بچہ سے وہ گر گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس کا یہی وقت مقرر تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ برتنوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس لئے اپنے بچوں کی بے طرح پٹائی نہ کرو کہ نالائق تو نے مدینہ شریف کا گلاس کیوں توڑ دیا۔ مار پٹائی کر رہے ہیں گھر میں ایک شور مچا ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس معاملہ میں بچوں پر زیادتی کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں چاہیئے نرمی سے سمجھا دو کہ بیٹے گلاس کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑا کرو لیکن زیادہ پٹائی نہ کرو بلکہ کہو۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اس کی زندگی کا وقت ختم ہو گیا تھا اور اس کا یہی وقت مقرر تھا۔

خلوص و للٰہیت

خلوصِ نیتِ رہبر پہ منحصر ہے عظیمؔ
مقامِ عشق بہت دور بھی ہے پاس بھی ہے

(عظیمؔ مرتضیٰ)

خُدا کی نظر کی قیمت کو جانو

فرمایا: ہر وقت یہ خیال رکھو کہ ہم خدا کی نظر میں کیسے ہیں؟ مخلوق کی نظر کو اہمیت نہ دو۔ خدا کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہ بھولو۔ جب تک سانس باقی ہے خدا کو یاد کرو یہ سانس بھی ایک نعمت ہے۔ ہم سو رہے ہیں اور پھر بھی نعمتیں لوٹ رہے ہیں: صاف ہوا لے رہے ہیں اور زہریلی ہوا پھینک رہے ہیں۔ یہ کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے ــ کسی سائنس داں نے نہیں بنایا۔ ریسرچ کر لینے سے آدمی خالق نہیں بن جاتا۔ یا دہی کافی نہیں ہے۔ جیسے حلوائی کی دکان پر جا کر کوئی مشین لگا دو اور بتا دو کہ اس مٹھائی میں فلاں فلاں چیز اتنی اتنی مقدار میں ہے تو اس سے مٹھائی نہیں مل جائے گی بلکہ وہ پیسہ مانگے گا۔ اسی طرح ریسرچ ہی کافی نہیں ہے بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ بھائیو! ہر وقت خیال رکھو کہ تم خدا کی نظر میں کیسے ہو؟ مخلوق کی نظر کو اہمیت نہ دو۔ خدا کے پاس سب کچھ ہے اور انسان کی حیثیت یا اس کی نظر کی کیا اہمیت ہے؟

ہر کام کی غرض و غایت کیا ہونی چاہیئے

فرمایا: آج کل کوئی کہتا ہے کہ میں ایک شاندار اسکول چلا رہا ہوں۔ کوئی کہتا ہے میں نے اسپتال بنا دیا ہے، کوئی کہتا ہے میں نے ایک لاکھ روپے کی مسجد بنوادی ہے۔ مجھے نماز پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ سیٹھ لوگ سمجھتے ہیں، مسجد میں چندہ دے دو بیڑا پار ہو گیا۔ جی نہیں دیکھو کافروں نے کعبہ شریف بنوایا اپنے حلال پیسوں سے۔ جب حلال پیسہ ختم ہو گیا تو وہیں چھوڑ دیا، ان کو بھی دل میں اتنا خوف تھا کہ حرام سے کعبہ نہ بنائے، اللہ کا گھر ہے تھوڑا سا حصّہ چھوڑ دیا

آج تک اتنا حصّہ خالی ہے یعنی کھلی چھت ہے اور وہاں راستہ بھی ہے جانے کا۔ اور وہ جو حصّہ ہے چھت والا، اس میں دروازہ لگا ہے۔ وہ وزیر اعظموں کے لئے کھلتا ہے۔ شاہ فہد ہوں یا کوئی اور بڑے ان کے لئے دروازہ کھلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب سرمایہ کی کمی نہیں تھی اس وقت بھی اس خالی حصّہ کو چھوڑ دیا گیا، بنانا کوئی مشکل نہ تھا۔ آج اس کی علّت اور وجہ سمجھ میں آتی ہے ___ آج کھلے حصہ میں ایک غریب سے غریب مسلمان داخل ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے مگر چھت والا حصّہ جو بند ہے وہ تو بڑوں ہی کے لئے ہے جیسے صدر ضیاءالحق وغیرہ جیسے لوگوں کے لئے کھلتا ہے۔ ورنہ کوئی عام انسان نہیں داخل ہو سکتا ___ تو میرے بھائیو! ___ اب یہ کافر کہہ دے کہ میں نے تو کعبہ بنا دیا تو مجھے جنّت ملنی چاہئے اور وہ لوگ حاجیوں کو پانی بھی پلاتے تھے ___ میں اس پر کہتا ہوں کہ جو لوگ "قومی خدمات" کو اہمیت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس یہی میرے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام۔ اے لوگو! تم یہ سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلا دینا اور کعبہ شریف بنا دینا ایسا ہوگا۔ کمن آمن باللہ و الیوم الآخر جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا وجاھد فی سبیل اللہ اور اللہ کے راستے میں تکلیفیں اُٹھایا، اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل چیز صرف "قومی خدمت" نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت اور اس کی رضا ہے۔ اور اللہ کی 'رضا' کا مطلب ہے کہ:

" جو (دین) رسولؐ تمہیں دیں انھیں مضبوطی سے پکڑ لو اور جن چیزوں سے روک دیں ان سے فوراً رُک جاؤ۔"

مرضیِ حق

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حال ہے اور کیسا مزاج ہے؟ ___ فرمایا، اس بندہ کا مزاج کیا پوچھتے ہو جس کی مرضی کے مطابق کائنات میں تمام کام ہوتا ہے۔

مخاطب نہایت متوحش ہوا کہ یہ کیسا جملہ ہے۔ جب تشریح کی درخواست کی تو

فرمایا کہ بات یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مرضیِ حق سے ہوتا ہے اور میں نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ پس میری مرضی اور ان کی مرضی ایک ہو چکی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہوتا ہے میں یہی سمجھتا ہوں کہ سب میری ہی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے اور میں ہر حال میں خوش رہتا ہوں۔

ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی

فرمایا: مولانا روم فرماتے ہیں، اگر تو چاہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی دل میں جلوہ فگن ہو تو جا (کسی اہلِ دل کامل کی صحبت میں) دل کو غیروں سے پاک کر لے ؎

ہر تمنّا دل سے رخصت ہو گئی   اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

جب خواجہ صاحبؒ نے یہ شعر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو سُنایا تو خوش ہو کر فرمایا، اگر میرے پاس ہوتا تو میں آپ کو بطور انعام ایک لاکھ روپیہ پیش کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ کا قلب اس نعمت سے مشرف تھا ؎

دل مرا ہو جائے اک میدانِ ہُو
تو ہی تو ہو تو ہی تو تو ہی تو ہی تو   (مجذوب)

جب دُعا میں آنسو نکل آئے

فرمایا: حضرت پھولپوری درسِ بخاری کے لئے اپنے مدرسہ بیت العلوم پھولپور سے سرائے میر ہر روز اپنے ذاتی یکّہ سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ احقر ساتھ ہوتا تھا، پانچ میل کا راستہ تھا، ہر روز باوضو تلاوت کرتے ہوئے سفر کرتے۔ ایک دن اثنائے تلاوت ہی میں احقر سے فرمایا کہ حکیم اختر جب دُعا میں آنسو نکل آئے تو سمجھ لو کہ دُعا قبول ہو گئی۔

ایک بار حضرت پھولپوریؒ نے اپنے چہرے پر بہے ہوئے آنسوؤں کو پہلے آنکھوں پر

پھر تمام چہرہ پر اور داڑھی پر مل لیا اور فرمایا کہ ہمارے پیر حضرت تھانویؒ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر احقر نے ایک حدیث کی روایت میں دیکھا کہ ایک صحابی محمد بن منکدرؓ جب روتے تھے تو اپنے چہرہ اور داڑھی پر پھیلا لیا کرتے اور فرماتے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ نہ پہنچے گی جہاں آنسو پہنچے ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف سے ذرا سا آنسو خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر نکل کر چہرہ پر گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے جیسے دودھ کا تھن میں واپس جانا۔

ایک اور حدیث میں ہے حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کی اُمت سے کچھ لوگ بے حساب جنت میں جائیں گے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا فرمائیں گے، ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

فرمایا: حضرت پھولپوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام احمد بن حنبلؒ بہت ادب اور احترام فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار امام صاحب کے شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ بشر حافیؒ کا کیوں اتنا ادب کرتے ہیں جبکہ وہ علم و فضل میں آپ سے حد درجہ کمتر ہیں؟ ــــ امام احمدؒ نے ارشاد فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور بشر حافی اللہ کے عالم ہیں، وہ اللہ کو جاننے والے ہیں۔

ایک دفعہ بعض طالب علموں نے کچھ مسائل دریافت کئے اور مقصد امتحان تھا۔ ایک سوال سجدۂ سہو کے متعلق تھا۔ حضرت بشر حافیؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سامنے بندہ کھڑا ہو اور سہو ہو جائے، یہ امر قابلِ تعجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کا مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا کہ ہم اتنا رکھتے ہی نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہو۔

حافی کا خطاب بشرؒ کو اس لئے ملا تھا کہ آپ نے جب یہ آیت سنی وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ کہ زمین کو ہم نے بچھونا بنایا ہے اور ہم بہت اچھے بچھانے والے ہیں۔ تو حضرت بشرؒ پر ایک حال طاری ہو گیا اور فرمایا کہ "بشر کی کیا مجال جو اللہ کے بچھائے ہوئے فرش پر جوتا پہن کر چلے"۔ یہ ایک حال تھا جس کی تقلید دوسروں کے لئے ضروری نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت بشر حافیؒ کی یہ قدر فرمائی کہ زمین کو حکم دیا کہ جدھر سے ننگے پیر ہمارے بشر نکلیں اے زمین تو نجاستوں کو نگل جایا کر۔ حافی کے معنی ننگے پیر چلنے والے کے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ یعنے جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔

جب عمل کا رُخ خدا کی طرف ہوتا ہے

مُرَتِّب عرض کرتا ہے، حکیم الامّت مولانا اشرف علی تھانویؒ اونچے درجے کے عالم، عارف، محقق، مصنّف اور مصلح تھے۔ خانقاہ اور کتابوں کے ذریعہ ان کا علمی اور احسانی فیضان خوب جاری ہوا۔ آج بھی ان کے مواعظ دلوں کو گرماتے ہیں، ذہن و دماغ کو آسودگی بخشتے اور قوتِ عمل میں تحریک پیدا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے یقیناً وہ "غزالیٔ وقت" تھے۔ اس غزالیٔ وقت کا ایک واقعہ سنئے، بڑا دلچسپ، نظر افروز اور دل زندہ کے لئے انقلاب آفریں۔ واقعہ ایک عارف باللہ کا ہے، اسے ایک عارف باللہ ہی کی زبانی سنئے، مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ فرماتے ہیں:۔

"حضرت تھانویؒ کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی وارد (نیا آنے والا) آئے تو بغیر سوال کئے خود بتائے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گزری" بِالدَّاخِلِ دَهْشَةٌ تَلَقَّوْنَهُ بِمَرْحَبًا (الدیلمی) یعنے نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی اور بدحواسی ہوتی ہے اس لئے اس سے آؤ بھگت کے ساتھ ملا کرو۔ تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہو جائے اور پھر حواس بجا ہو جائیں اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے"۔

حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ حدیث میری نظر سے اس وقت گزری جبکہ میری عمر اکہتر سال کی ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی برکت سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اب آنے والے سے میں خود اس کا مقام، اس کے آنے کی غرض اور اس کا مشغلہ پوچھ لیا کرتا ہوں۔ اس سے ضروری حالات معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ مانوس ہو جاتا ہے"۔ (معرفت الہیہ ص ۲۱)

اس واقعہ سے یہ تو سبق ملتا ہی ہے کہ مہمان اور نئے آنے والے کے ساتھ محبت اور اپنائیت کا کس درجہ برتاؤ کرنا چاہیئے اور مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر کس لطف و مہربانی اور خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرنا چاہیئے کہ آنے والا اپنے سفر کی صعوبت کو بھول جائے، اس کے دل سے اجنبیت کا احساس جاتا رہے اور یہ سمجھے کہ میں اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس آیا ہوں جہاں ہر طرح کے سکون کا سامان میسّر ہے۔

لیکن اس واقعہ کی تہہ میں اصل جو پیغام چھپا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی حق کا اعتراف اور اظہار انسان کی سب سے بڑی خوبی اور کمال ہے۔ یہی علمی دیانت، انسانی شرافت اور حق نگری اور حق پرستی کا تقاضا ہے، اس سے انسان کی شان گھٹتی نہیں بڑھتی ہے، عزت کم نہیں ہوتی، زیادہ ہوتی ہے، اعتماد مجروح نہیں ہوتا بحال ہوتا ہے۔

باخبر لوگ اس سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ مضبوط دلیل سامنے آجانے کے بعد اپنے کسی قول اور مانوس عمل پر جمے رہنا اور مختلف توجیہات اور دُور از کار تاویلات کے ذریعہ اس کو صحیح ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرنا اہلِ حق کا شیوہ نہیں، اہلِ باطل کا وطیرہ ہے۔

حق پرست تو حق کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ غزالیِ وقت اور ابو حنیفۂ عصر ہونے کے باوجود بشر ہونے کے ناطے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے شرماتے نہیں ہیں، نہ ہی غلطی پر پردہ ڈالنے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ ایسی کسی بھی غلطی یا چوک کے بعد اعتراف "جہل" کی علامت نہیں عین "علم" کی دلیل ہے۔ عمر کا کوئی بھی حصہ ہو اور نفسی، جاہی، مالی اور علمی شہرت کی کوئی بھی منزل ہو قبولِ حق اور اظہارِ حق کی راہ میں کسی بھی چیز کو آڑے نہیں لانا چاہئے۔ ہر حالت میں، ہر صورت میں حق حق ہے اور باطل باطل ہے جس کا برملا اعتراف اور اظہار انسان کو حق پرستوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ انسان کے عمل کا رُخ اپنے جیسے انسان کی طرف نہیں بلکہ خدا کی طرف ہو، اسی کی خوشی اور ناخوشی کو اپنے لئے معیار اور پیمانہ بنایا گیا ہو۔ خلق سے نظر ہٹ کر خالق پر جم گئی ہو۔ عمل میں اخلاص ایسی ہی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور ایسے ہی مخلصانہ عمل کی خوشبو ہر سُو پھیلتی ہے اور آج دنیا کو اس خوشبو کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

(معروضات مرتب ختم شد)

ہمارا معاشی نظام

یہ کتاب بھی مفتی اسلام حضرت مولانا تقی عثمانی کے شگفتہ قلم کی مرہون منت ہے عصر حاضر میں اسلام کے عملی نفاذ اور زندگی کے مختلف شعبوں میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل اور انکے اسلامی حل کے سلسلہ میں مفتی اسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب برابر لکھتے رہتے ہیں یہ کتاب بھی انہی مسائل پر ایک عظیم کلیدی حیثیت کی حامل ہے جسکا اندازہ آپ کو درج ذیل عنوانات سے بخوبی ہو جائے گا۔

- ہمارا معاشی نظام
- اسلامی نظام کے تحت معاشی اصلاحات
- علماء کا متفقہ معاشی خاکہ
- ہمارے معاشی مسائل اور ان کے حل کی مختلف تجاویز
- سوشلزم اور غریب عوام
- اسلام، جمہوریت اور سوشلزم
- سوشلزم اور معاشی مساوات
- سوشلسٹ اعتراضات
- زرعی اصلاحات
- سوالنامہ ربا کا جواب
- غیر سودی کاؤنٹرز
- بجٹ کا ہفتہ اور حکومت کی مالی اسکیمیں
- مشارکہ کی نئی اسکیم
- غیر سودی بینکاری، چند تاثرات
- سود کا مکمل خاتمہ
- بلا سودی بینکاری
- نیا بجٹ اور سودی اسکیمیں

دنیا کی حقیقت

لطف دنیا کے ہیں کے دن کے لئے
کھو نہ جنت کے مزے ان کے لئے
یہ کیا اے دل تو پھر بس یوں سمجھ
تو نے ناداں گل دیئے تنکے لئے

(خواجہ عزیزالحسن مجذوب)

دُنیا اور انسان

فرمایا: بھائیو! دنیا میں رہو، کھاؤ پیو، شادی بیاہ کرو، بیوی بچوں کے ساتھ بھی رہو، مگر اس میں ڈوب کر خدا کو نہ بھول جاؤ۔ اسلام ترکِ دنیا کی تعلیم نہیں دیتا ہے ہر جائز کام کرو مگر دل کو خدا سے غافل نہ کرو۔ دنیا کی مثال ایک دریا کی ہے جس میں پانی ہے اور انسان اس میں کشتی کی طرح ہے۔ کشتی پانی پر رہے تو چلتی ہے اور اگر پانی کشتی میں داخل ہو جائے تو ڈوب جاتی ہے۔ اسی طرح تم دنیا میں رہو اور دنیا سے خالی رہو، تو تمہاری کشتی چلتی رہے گی اور اگر اپنے اندر، اپنے دل میں دنیا کو سما لو گے تو تمہاری کشتی ڈوب جائے گی۔

باقی اور فانی

فرمایا: بھائیو! تجربہ کر کے دیکھو۔ جب تم اللہ کو یاد کرتے ہو اس وقت زیادہ مسرت ہوتی ہے یا جب تم نوٹ گنتے، کاروں میں پھرتے اور بال بچوں میں گُم رہتے ہو؟ بیوی بچوں سے آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے مگر خدا کی یاد سے دل ٹھنڈا اور پُرسکون اور پُرنور ہوتا ہے ___ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے "اے اللہ دنیا والوں کی آنکھیں تو ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر اور میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کر۔ یہ دعا مانگو کہ یہ باقی چیزیں ہیں۔ یہ عقل کے مطابق بھی ہے، فنا میں دل لگا رہے ہو اور باقی کو چھوڑ رہے ہو۔ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم ہم لوگ قبر کی طرف جا رہے ہیں اور دنیا کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کدھر جا رہا ہے اور کدھر دیکھ رہا ہے۔ دنیا میں رہ کر، دنیا سے بے گانہ رہنا واقعی بہت مشکل کام ہے۔ مگر اس کا حل موجود ہے۔

دُنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں کراچی میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے ہمراہ ایک جگہ جا رہا تھا۔ راستے میں بڑی بڑی بلڈنگیں اور فلک بوس عمارتیں آتی رہیں۔ سڑک کی دونوں جانبوں میں یہ حسین و جمیل اور پُرشکوہ عمارتیں کھڑی بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔۔۔ مولانا پھولپوریؒ کی سبق آموز اور عبرت خیز نگاہ ان دونوں منظروں سے سبق اور عبرت حاصل کر چکی تھی۔ محبت اور شفقت سے بھرپور لب و لہجہ میں مجھے مخاطب فرمایا "حکیم اختر!" میں نے کہا "جی ہاں، ارشاد فرمایا جائے"۔ پھر مولانا سرگوشی کے انداز میں فرمانے لگے "دیکھو! کراچی میں ان بڑی بڑی بلڈنگوں کے ساتھ یہ خستہ حال چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں بھی ہیں، بلڈنگوں میں بھی دن گزرتے ہیں اور جھونپڑیوں میں بھی عمر کٹتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بلڈنگوں میں رہنا کوئی ضروری نہیں، جھونپڑیوں میں بھی رہا جا سکتا ہے۔ اور دنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے"۔۔۔ مولانا نے آخری جملہ "اور دنیا کو یوں بھی بہلایا جا سکتا ہے"۔ اس خاص ادا کے ساتھ ہاتھ کو گھماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بے حیثیتی نگاہوں کے ذریعہ دل میں اُتر گئی ؎

مقام یوں ہوا اس کارگہِ دنیا میں
کہ جیسے دن میں مسافر سرا میں آ کے چلے

بھائیو! ظرف کچھ نہیں، اصل میں مظروف ہے۔ مکان کی اہمیت فی نفسہٖ کچھ نہیں اس کی اہمیت تو مکین سے ہے۔ اگر کسی عالی شان بلڈنگ میں خدا کا باغی اور نافرمان رہتا ہے۔ تو اس بلڈنگ کی حیثیت ایک کوڑی کی بھی نہیں۔ اگر کوئی جھونپڑی ہو مگر اس میں خدا کا نبی ہو، اس کا ولی ہو، مطیع و فرماں بردار بندہ ہو تو اس کی قیمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

یاد رکھئے اگر اللہ چاہیں تو جھونپڑیوں میں بادشاہوں کا سکون عطا فرما دیں، اور

نہ چاہیں تو بادشاہوں کے محلوں میں آپ کے دل کو مغموم، متفکر اور رنجیدہ بنا دیں۔ بس اللہ سے تعلق رکھئے، اسی سے راحت و عافیت کے طالب بنئے۔ وہ راحت و عافیت دینے میں کسی ظاہری شکل و صورت کا پابند نہیں۔

دُنیا سے قلب کو مطمئن اور مانوس نہ کرو

فرمایا: حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "دنیا سے قلب کو اطمینان نہ دو، مانوس نہ کرو"۔ یہ حدیث دراصل قرآن پاک کی ایک آیت کی تشریح و تفسیر ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ: وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا کافروں کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں کہ کافر دنیا سے دل لگا بیٹھے اور خوش ہو گئے۔ پردیس کو وطن سمجھ بیٹھے۔ یہ بیماری کہیں مسلمانوں میں نہ پیدا ہو جائے اس لئے فرما دیا گیا۔ دنیا سے دل کو مطمئن اور مانوس نہ کرو۔ کیا مطلب؟ نوٹ کی گڈیاں گنتے، کار اور بنگلے، دوست و احباب کی مجلس میں جو لطف و مزہ تمہیں آتا ہے اس سے کہیں زیادہ مزہ تمہیں نماز میں آنا چاہیے۔ بھائیو! یہ سب چیزیں زیادہ سے زیادہ حیات تک ساتھ دے سکتی ہیں اور کچھ لوگ قبر تک ساتھ جائیں گے مگر دفن کے بعد کیا کام آئے گا۔ وہ یہی نماز اور نیک اعمال ہوں گے۔

کسی خاکی پر مت کر خاک اپنی زندگانی کو

فرمایا: آج انسان اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے "خاک" پر صرف کر رہا ہے۔ خاک کا بدن، خاک کا مکان، خاک کی دکان، خاک کی فیکٹری، خاک کی غذا، خاک کے کپڑے، غرض یہ کہ جس طرف نظر اٹھائیے ہر ایک کی اصل خاک ہے اور اسی خاک کو بنانے اور سنوارنے کی محنت ہر سُو جاری ہے۔ لیکن ظاہر ہے، خاک پھر خاک ہے۔ جب "خاکی انسان" خاکی چیزوں پر اپنی زندگانی کو خاک کرے گا تو اس کا ٹوٹل اور جمع بھی "خاک" ہی ہو گا اور آخرت میں سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر کوئی ان "خاکی چیزوں" کی "آخرت" میں قیمت چاہتا ہے۔

تو انھیں احکام الٰہی کا پابند بنا دے اور اپنی پوری جوانی و زندگانی اس کے دینے والے اللہ پر فدا کر دے، پھر دیکھے کہ وہ کس قدر دنیوی اور اخروی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے اور اسے کتنا اعلیٰ اور ارفع مقام ملتا ہے ــــ اس سلسلہ میں یہ شعر بڑا حقیقت آفریں ہے جو احقر ہی کا ہے ؎

کسی خاکی پہ مت کر خاک اپنی زندگانی کو
جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

دُنیوی زندگی ــ دھوکہ کا سامان

فرمایا: دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے۔ یہاں نہ بہار کو قرار ہے نہ خزاں کو نہ راحت کو نہ مصیبت کو، نہ غم کو نہ خوشی کو، نہ مال و دولت کو نہ عہدہ و منصب کو نہ بیوی بچوں کو، نہ دوست احباب کو یعنی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کسی چیز کو یہاں قرار نہیں سب آنکھیں چرانے والی ہیں، یہاں تک کہ خود انسان کی زندگی اور صحت اس سے بے مروّتی اور بے وفائی کا ہر روز اعلان کرتی ہے۔ قرآن مجید نے دنیوی زندگی کی حیثیت کو بڑے دلنشیں انداز میں سمجھایا ہے۔ ارشاد ہے:

(ترجمہ) خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض ایک کھیل کود اور ظاہری خوشنمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتلانا ہے۔ گویا کہ بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر خشک ہو جاتی ہے۔ سو تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید بھی ہے اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان (متاعُ الغرور) ہے۔" (الحدید آیت ۲۰)

مطلب یہ ہے کہ اس عارضی و فانی دنیا کے برعکس عالم آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت و باقی۔ ایک کافروں کے لئے اور وہ عذاب شدید ہے۔ دوسری ایمان والوں کے لئے اور وہ اللہ کی مغفرت و رحمت ہے۔ اب انسان

کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصود اعظم بنالے ۔ احقر کا شعر ہے ؎

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھُل گئی

اس کے باوجود ہم لوگ اس پر جان نچھاور کرتے رہتے ہیں اور اس کی فکر اور چکر میں پڑکر اللہ کی بلند و بالا ذات کو بھول جاتے ہیں۔ یعنی ہم نے دنیا اور "متاعِ دنیا" کو "لیلیٰ" بنا کر اپنے "مولیٰ" کو فراموش کر دیا ہے جو کس قدر غفلت کیشی اور انجام سے بے خبری کی بات ہے ؎

قدم سوئے مرقد، نظر سوے دُنیا
کدھر جا رہا ہے، کدھر دیکھتا ہے

دُنیا چار طرح کی ہوتی ہے

فرمایا : ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا چار طرح کی ہوتی ہے :

(۱)۔ بعض کے قلب میں بھی ہوتی ہے اور ہاتھ میں بھی ہوتی ہے ۔ یہ امرا۔ دنیا دار ہیں ۔

(۲)۔ بعض کے قلب میں دنیا ہوتی ہے مگر ہاتھ میں نہیں ہوتی ۔ یہ دنیا دار تو ہے مگر بظاہر زاہد ہے کیونکہ بے چارہ محروم ہے دنیا سے ۔

(۳)۔ دنیا صرف ہاتھ میں ہوتی ہے مگر قلب میں نہیں ہوتی ۔ یہ امرا۔ صالحین بھی زاہدین کہلاتے ہیں ۔

(۴)۔ دنیا نہ دل میں ہوتی ہے نہ ہاتھ میں ہوتی ہے ۔ یہ اولیاء زاہدین اُمت کے ہیں جو ظاہراً باطناً زاہد ہی نظر آتے ہیں اور انبیاء علیہم السّلام سے مقرب ہوتے ہیں ۔

مال کی حقیقت

فرمایا : حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

انسان اپنے مال کو فخر سے کہتا ہے کہ میرا مال، میرا مال۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا مال اس کے جمع شدہ مال سے صرف تین چیزیں ہیں:۔ ایک تو جو اس نے کھالیا اور ختم کر دیا۔ دوسرے وہ جو اس نے پہن لیا اور پُرانا کر کے پھاڑ دیا اور تیسرے وہ جو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور ذخیرہ آخرت کا بنالیا۔ ان تینوں چیزوں کے علاوہ جو مال اس کا ہے وہ دوسروں کے لئے چھوڑنے والا ہے، وہ اس کا نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

فلاح پانے والے

فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس شخص نے فلاح پالی جس نے اسلام قبول کرلیا اور بقدر ضرورت رزق دیا گیا اور خدا نے اس کو اس چیز پر جو اس کو دی گئی قناعت بخشی۔ (مسلم شریف)۔

قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہے۔ اگر قناعت نہ ہوگی تو مال کی حرص آخرت کی تیاری کے لئے اس کو فرصت نہ دے گی۔ پس اس حدیث پاک سے قناعت کی نعمت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے ؎

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شد   تا صدف قانع نہ شد دُر نہ شد

حضرت رومیؒ فرماتے ہیں کہ حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہ ہوا اور سیپ جب تک قناعت نہیں اختیار کرتی یعنی اپنے حرص کا جب تک منہ بند نہیں کرتی اس میں موتی نہیں بنتا۔ حدیث مذکور میں اسلام کی نعمت کے بعد قناعت کے ذکر سے اُمت کو یہ تعلیم دی گئی کہ قناعت سے وقت فارغ ہوتا ہے جو آخرت کی تیاری میں استعمال ہو کر فلاحِ اخروی کا سبب بنتا ہے۔

محبوبیت کا نسخہ

فرمایا: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک شخص نے حاضر ہو کر

عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میں جب اس کو کروں تو خدا اور خدا کے بندے مجھ سے محبت کریں۔ آپؐ نے فرمایا دنیا کی طرف رغبت نہ کر، خدا تجھ سے محبت کرے گا اور اس چیز کی خواہش نہ کر جو لوگوں کے پاس ہے (یعنی جاہ و دولت) لوگ تجھ سے محبت کریں گے:

بزرگوں نے لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کے راستے کا پہلا قدم زہد یعنی دنیا سے بے رغبتی ہے پس جس کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنا بنانا چاہتے ہیں اس کے دل کو دنیا سے اُچاٹ دبے رغبت کر دیتے ہیں ۔۔۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا ترک کر دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کے گرد و پیش ہوتی ہے، اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کو دل دے دینا اور اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کو جسم دے دینا یعنی جسم کو احکام شرع کے تابع کر دینا ۔۔ اور جو اللہ تعالیٰ کا خاص ہو جاتا ہے وہ لوگوں کی جاہ اور دولت سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، جس کے سبب محبوب عند الخالق ہو جاتا ہے اور عند الخلق بھی۔ صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں کہ زہد کامل یہ ہے کہ دنیا پاس ہو اور پھر بھی اس کی طرف رغبت نہ کرے۔ حضرت علامہ عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے کہا یا زاہد۔ آپ نے فرمایا کہ میں زاہد نہیں ہوں، زاہد تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے کہ دنیا ان کے پاس چلی آتی تھی اور وہ دنیا کو منہ نہ لگاتے تھے اور ہم کس چیز میں زہد کریں گے۔

فقہی مقالات :-

فقیہ اسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہا کی فقہی بصیرت محتاجِ تعارف نہیں ہے، وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق پوری طرح سے ادا کردیتے ہیں، موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے۔

"فقہی مقالات" دورِ حاضر کے اہم اور پیچیدہ علمی مسائل پر وہ گرانقدر کتاب ہے جس میں شریعت کے اصول وضوابط کی روشنی میں درج ذیل عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم	کرنسی کی قوتِ خرید
قسطوں پر خرید وفروخت	شیرز کی خرید وفروخت
حقوق مجروہ کی خرید وفروخت	مغربی ممالک کے چند جدید مسائل

اسلامی بینکنگ کے چند مسائل :-

تمام اہلِ علم اور مسند افتاء کے رونق بخشنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس نادر تحفہ کو پہلی فرصت میں حاصل کریں۔ قیمت

ذکرِ موت اور فکرِ آخرت

یہ اقامت ہمیں پیغامِ سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

(ذوق دہلوی)

وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے؟

فرمایا: یہ دنیا چند روزہ ہے۔ کسی طرح گزر ہی جائے گی۔ مگر جب ہمیں یہاں کچھ کرنا ہے تو اچھا کام کیوں نہ کریں تاکہ آخرت میں کامیابی اور سرخروئی حاصل ہو جب کہ وہیں کی کامیابی اور سُرخروئی اصل ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس گہری حقیقت کو اپنے ایک سادہ شعر میں کس خوبی کے ساتھ سمجھایا ہے۔ سنئے ؎

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے   وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

زمین کی شہادت

فرمایا: جب حشر برپا ہوگا، اس دن زمین کے پیٹ اور پیٹھ کی ساری چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ مُردے، سونا، چاندی اور دیگر جو بھی دفینے اور معدنیات زمین کے اندر ہیں اس کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، خون خرابہ ہوتا ہے، لیکن اس دن یہ باہر پڑے ہوں گے اور کوئی نظر اُٹھا کر دیکھنے والا نہ ہوگا۔ اور سب جان لیں گے یہ کس قدر بے حقیقت ہیں۔

اسی طرح مومن اور کافر ہر انسان سے جو بھی اچھا عمل یا بُرا عمل صادر ہوتا ہے وہ زمین ہی پر ہوتا ہے۔ آج یہ زمین بے زبان ہے، لیکن حشر کے دن قادر مطلق کے حکم سے زمین میں قوتِ گویائی آجائے گی، یعنی ساکت، ناطق ہو جائے گی۔ اور چھوٹے بڑے اچھے بُرے ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ گویا آج یہ زمین زندگی کے تمام اقوال و

افعال اور حرکات و سکنات کو جوں کا توں ٹیپ کر رہی ہے۔ کل ٹیپ کا بند کھول دیا جائے گا اور پورا ٹیپ کیا ہوا مواد سامنے آجائے گا۔ مثلاً کہے گی، فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی، فلاں فلاں کی مصیبت میں کام آیا تھا، فلاں ہر کارِ خیر میں آگے بڑھ کر حصہ لیتا تھا، فلاں اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم نہ کرتا تھا اور اس کے ہر حکم سے سرتابی کرتا تھا۔ فلاں نے چوری کی تھی، ظلم کیا تھا، خونِ ناحق بہایا تھا۔ ان حقائق کو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے :

اذا زلزلت الارض زلزالھا الخ :

" (ترجمہ) جب کہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہی ہلا ڈالی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک نکالے اور آدمی بول اُٹھے کہ اسے (یہ) ہوا کیا ؟ اس دن زمین اپنی سب چیزیں بیان کر گزرے گی۔ یہ اس لئے کہ آپ کے پروردگار کا حکم اسے یہی ہو گا۔" (الزلزال آیت ۱ تا ۵)۔

زمین کی اس "عظیم شہادت" کے پیش نظر شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ایک بڑی "حکیمانہ بات" ارشاد فرمائی۔ فرماتے ہیں، "جس زمین پر انسان سے کسی گناہ کا صدور ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اس جگہ کوئی نیک کام بھی کر دے تاکہ وہ زمین جو حشر کے دن اس کے گناہوں کی گواہی دے، ساتھ ہی نیکی کی شہادت بھی پیش کرے اور معاملہ برابر ہو جائے۔" بلکہ نیکی پر تو وعدہ ایک پر دس دینے کا ہے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ "بیت المال" کا سارا مال "اہلِ حقوق" میں تقسیم فرما دیتے اور بیت المال خالی ہو جاتا تو اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر فرماتے" تجھے قیامت میں شہادت دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا، اور حق ہی کے ساتھ خالی کر دیا۔ اس لئے زمین پر رہتے ہوئے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیئے بلکہ ہم ہوشیار اور چوکنا رہیں کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس دن زمین ہمارے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کی ٹھیک ٹھیک گواہی اللہ کے حضور پیش کرے گی، بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے حق میں زمین کی گواہی نجات کا ذریعہ بنے۔

وطن کو واپسی

فرمایا: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرجائے تو یہ نہ کہو کہ مرگیا، بلکہ یہ کہو کہ وطن واپس چلا گیا۔ جیسے اگر یہ کشمیری بھائی جو سامنے بیٹھے ہیں کشمیر چلے جائیں تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ انتقال کرگئے۔ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وطن واپس چلے گئے، حالانکہ یہاں انتقال و تبادلہ ہو رہا ہے۔ اس لئے اگر کسی کو انتقال کی خبر دینی ہو تو کہو کہ فلاں وطن آخرت واپس چلا گیا اس سے آدمی کا آدھا غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ لفظ وطن ہی سے آدھا رنج و غم ختم ہو جاتا ہے[1]۔

موت سے گھبرانے کی وجہ

فرمایا: ایک بہت بڑے، شاہِ عرب مدینہ طیبہ کا دورہ کرتے گئے۔ وہاں پوچھ کہ یہاں کوئی "تابعی ہیں، جنھوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہو؟ ایک تابعی رہ گئے تھے، ان کے

---

[1] مشہور صاحبِ دل بزرگ مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالیؒ فرماتے ہیں "مومن کی موت پر اہلِ ایمان کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو جب کسی بندہ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں۔ اسی لئے میری پرانی عادت ہے کہ میں تعزیت کے خطوں میں رنج و قلق کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اسی طرح کا انداز اختیار کرتا ہوں۔" (صحبتے با اہلِ دل ص۸۹)۔

میں ایک دفعہ کلکتہ میں جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں ایک انگریز کا مکان تھا۔ اس کے یہاں ایک مینا پلی ہوئی تھی۔ میناؤں کا ایک جھنڈ گزرا اور انھوں نے آواز دی تو یہ مینا جو پنجرے میں تھی بے قرار ہوگئی اور بہت پھڑپھڑائی۔ بالکل یہی حالت روح کی ہے کہ وہ جب اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور وہاں سے اس کے کان میں صدا آتی ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی تو وہ بھی پھڑپھڑاتی ہے اور اس کا بھی دل چاہتا ہے کہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر وہ بھی اپنے آشیانے کی طرف پرواز کرے اور اپنے ہم جنسوں میں جا ملے لیکن وہ پنجرے سے مجبور ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق (اور جس کو ہم بوڑھا کرتے ہیں اس کو لوٹا دیتے ہیں جسمانی بناوٹ میں یعنی وہ بچپن کی طرح پھر کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے) گویا قفس کی تیلیاں پتلی اور کمزور ہو جاتی ہیں اور روح کو آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے، اس لئے بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے نہ کہ موجب شکایت و حسرت۔ بڑھاپے میں اس عالم کی تیاری اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہئے۔ (ایضاً ص۶۸، ۶۹)۔

بارے میں بتایا گیا۔ خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضرت مجھے ایک بیماری ہے، آپ اس کی دوا بتائیے۔ پوچھا کہ کیا بیماری ہے؟ بتایا کہ حضرت! دل موت سے بہت گھبراتا ہے۔ موت کے تصور سے بھی پریشانی ہوتی ہے۔ اس لئے کوئی دوا بتائیے۔ جواب دیا کہ دیکھو ہر آدمی ویرانے سے گھبراتا ہے۔ ویران اور غیر آباد جگہ جانا اور وہاں رہنا کوئی نہیں چاہتا۔ وہاں سنّاٹا ہوگا، ویرانی ہوگی اس لئے گھبراتا ہے۔ تو تم نے آخرت کو ویران اور برباد کر رکھا ہے اور دنیا کو آباد کر رکھا ہے۔ آخرت کے کاموں میں سست ہو اور دنیا کے کاموں میں چست ہو۔ اس لئے آبادی سے ویرانہ کی طرف جانے میں دل گھبراتا ہے۔ اور اگر تم دنیا کو ویران رکھو اور آخرت کو آباد کرو، سادہ زندگی گزارو، تناسب کے لحاظ سے خیال کرو۔ یہاں کتنا رہوگے اور آخرت میں کتنا؟ یہاں کتنا جیو گے بھائی۔ اگر تم نے بڑے وٹامن کے انجکشن بھی لگوائے اور انار کھاتے رہے، پھر بھی کتنا جیو گے۔ آج کل اوسط زندگی ۵۰، ۶۰ سال رہ گئی ہے۔ دن رات، صبح شام دیکھتے دیکھتے گزر جاتے ہیں۔ بھائیو! آخرت کو آباد کرنے کی فکر کرو۔ خدانخواستہ اگر آخرت ویران ہوگئی تو پھر کہاں ٹھکانا ہوگا؟

دوست کو وصیّت

فرمایا: بادشاہ ہارون رشید کے صاحبزادے نے اپنی موت کے وقت اپنے دوست ابو عامر بصریؒ کو دو شعروں میں وصیت کی تھی کہ "اے ساتھی! دنیا کی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھانا۔ عمر ایک دن ختم ہونے والی ہے اور نعمتیں تم سے ختم یا جدا ہونے والی ہیں، اور جب تم کسی جنازے کو قبرستان لے جا رہے ہو تو یقین کر آج تم اٹھانے والے ہو کل تم اٹھائے جاؤ گے۔"

نظیر اکبر آبادی کے دو شعر بھی عجیب عبرت ناک ہیں۔

کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا ۔۔۔ مشیّن بدن تھا، معطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن ان کی اُکھڑی تو دیکھا ۔۔۔ نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا

اس تذکرہ کے بعد فرمایا، کوئی فخر نہ کرے کہ میں ڈاکٹر ہوں پروفیسر ہوں، انجینئر ہوں یا دولت مند ہوں سب بے نام و نشان ہو جائے گا بلکہ شکر کرو کہ خدا نے ایسا بنایا۔ نعمت کا تقاضا ہے کہ آدمی شکر کرے۔

غنیمت جانیے

فرمایا: حضرت عمرو بن اودی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا' پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت شمار کرو۔
(۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ (۲) بیماری سے پہلے صحت کو (۳) افلاس سے پہلے خوشحالی کو۔
(۴) مشاغل سے پہلے فراغت کو' (۵) موت سے پہلے زندگی کو۔ (ترمذی)

شمار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو لہو ولعب اور فضول کاموں میں ضائع نہ کیا جائے یعنی اپنی جوانی، صحت، خوش حالی، فراغ اور زندگی کی نعمت کو قبل اس کے کہ بڑھاپا، بیماری افلاس، مشاغل، موت ان نعمتوں کو ہم سے چھین لے۔ ان لمحات میں اعمالِ صالحہ سے آخرت کا ذخیرہ کرلیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بڑھاپے میں عبادت کو دل بھی چاہے تو طاقت جوانی جیسی کہاں سے لائے گا۔ اسی طرح اگرچہ بیماری میں زیادہ خدا یاد آتا ہے لیکن عبادت کی طاقت نہیں رہتی۔ دل کی حسرت دل میں رہے گی۔ اسی طرح افلاس میں دل تو معاش کی فکر میں مبتلا رہے گا' خدا کی عبادت کی فرصت کو دل ترسے گا۔ اسی طرح مشاغل سے پہلے فراغ اور موت سے پہلے زندگی کی نعمت کو قیاس کرلیا جائے۔

دو بڑے فتنے اور ان سے نجات کے طریقے

فرمایا: روایت ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا اپنے اعمال کا حساب کرو قبل اس کے کہ قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے۔ خواہش نفس اور درازئ عمر کی آرزو یہ دو بڑے فتنے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ ان کے سبب انسان اعمالِ آخرت سے غافل ہوجاتا ہے ـــــ ان دونوں فتنوں سے نجات کے طریقے اور تدابیر جو دوسری احادیث شریفہ سے معلوم ہوتے ہیں یہ ہیں:۔

۱۔ تلاوت قرآن میں ناغہ نہ کیا جائے۔

۲۔ موت کو کثرت سے یاد کیا جائے اور رُوح نکلنے سے قبر کی تنہائی اور میدانِ حشر اور دوزخ کی آگ تک کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ گہری فکر سے سوچنا۔

۳۔ خداوند تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی صحبت میں کثرت سے حاضری دینا۔

حدیث شریف وارد ہے کہ ہر شئے کے لئے معدن ہے اور تقویٰ کا معدن (خزانہ یا کان) اللہ کے پہچاننے والوں کے دل ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ ان کی صحبت سے تقویٰ کی نعمت حاصل ہوگی اور حق تعالیٰ شانہٗ نے کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کے حکم میں اسی صحبت اہل اللہ کی ضرورت بیان فرمائی ہے۔ صادقین سے مراد مشائخ اور بزرگانِ دین ہیں۔

مسلمانوں کا زوال کب اور کیوں؟

فرمایا: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفر وضلالت کے گروہ قریب ہیں کہ ان کے بعض آدمی بعض کو تم سے لڑنے اور تمہاری شان وشوکت کو مٹانے کے لئے بلائیں گے جس طرح کہ ایک کھانا کھانے والی جماعت جمع ہوتی ہے اور اس کے بعض بعض کو کھانے کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا کیا وہ لوگ اس لئے ہم پر غلبہ حاصل کرلیں گے کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا تم اس زمانہ میں بڑی تعداد میں ہوگے لیکن ایسے جیسے نالوں کے کنارے پانی کے جھاگ ہوتے ہیں۔ (یعنی تم میں قوت وشجاعت نہ ہوگی اس لئے نہایت ضعیف وکمزور ہوگے) تمہارا رعب اور تمہاری ہیبت دشمنوں کے دل سے نکل جائے گی اور تمہارے دلوں میں ضعف وسستی پیدا ہو جائے گی، کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وھن (ضعف وسستی) کیا چیز ہے (یعنی اس کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے) فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے بے زاری اور نفرت۔

اس زمانہ میں اہل کفر سے اہلِ اسلام کا رعب جاتا رہا اور اہلِ کفر جنگ میں غالب

آرہے ہیں۔ اس کا راز یہی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے جہاد کی اصلی رُوح نہیں پیدا ہوتی۔ اور اسلامی ملک صرف نام کا تو اسلامی ہے لیکن اکثریت خدا اور رسول کی نافرمانی میں مبتلا ہے۔ بے پردگی، بیحیائی، سینما، نائٹ کلب، ٹیلی ویژن اور پوری زندگی سنّتِ نبوی سے دور اور اہلِ مغرب کی عیاشی کے خطوط پر محوِ گردش ہلاکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہماری ہدایت کے لئے اسباب پیدا فرمائیں۔ آمین۔

خطبات حکیم الامت ۹ جلدیں

دعوت تبلیغ

آداب انسانیت

جزاو سزا

حقوق الزوجین

برکات رمضان

سنت ابراہیم

دنیاو آخرت

محاسن اسلام

رحمت دو عالمؐ

تدبیر و توکل

بوادالنوادر دو جلدیں

جہاں دیدہ

تراشے

نقوش رفتگاں

فقہی مقالات دو جلدیں

اکابر دیوبند کیا تھے؟

ہمارا تعلیمی نظام

ہمارا معاشی نظام

بڑوں کا بچپن

بیس بڑے اولیاء

مجالس ابرار

مجالس حکیم الاسلام

دنیا کی حقیقت

زبان کی حفاظت

مبادیات حدیث

فیوض ربانی

خطبات مدنی

ملفوظات شاہ عبدالغنی پھول پوری

عصر حاضر کے سلگتے مسائل

حقانی تقریریں

کشکول معرفت

رسول اکرمؐ کی مسکراہٹیں

رسول اکرمؐ کے آنسو

صحابہؓ کے آنسو

صالحین کے آنسو

وقت کی حفاظت

گذر گیا ہے جو عہدِ عشرت نہ رکھ تو ناداں پھر اس کی حسرت

قیام اسی کا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے

(اکبر الہ آبادی)

وقت کی تیز رفتاری

فرمایا: مجھے محسوس ہوتا ہے کہ آج کل "وقت" بڑی تیزی کے ساتھ نکل جاتا ہے، صبح شام، صبح شام کچھ پتہ بھی نہیں چلتا۔ پڑھنے کے زمانہ میں دن پہاڑ لگتا تھا، اب تو گزرتے ہوئے کچھ دیر ہی نہیں لگتی ہے۔ ایک دن بال سفید ہو گئے، ایک دن ہوا کہ صاحب دانت ٹوٹ گئے۔ چل رہے ہیں کہ جناب "ویزا" ختم ہو گیا اور آ گئے عزرائیل یہ کہتے ہوئے کہ چلئے وقت ختم ہو چکا ہے اور پھر ہوا یہ کہ ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے　　اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب قیامت قریب آجائے گی تو اس وقت سال مہینوں کی طرح، مہینے ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزر جائے گا۔ اس لئے جو بھی وقت مل رہا ہے اسے غنیمت جانئے اور اس کی پوری حفاظت اور قدر کیجئے ؏ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

؎ لمحے کو زندگی کے لئے کم نہ جانئے　　لمحہ گزر گیا تو سمجھئے صدی گئی

؎ ایک پل کو رکنے سے دور ہو گئی منزل　　صرف ہم نہیں چلتے راستے بھی چلتے ہیں

پیش کردہ مرتب

دانشمندی کی بات

فرمایا: انسان کی دانشمندی اور ہوشیاری کی بات ہے کہ وہ آنحضرت صلعم کی اس نصیحت کو ہمیشہ سامنے رکھے جس میں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: (۱) جوانی بڑھاپے سے پہلے (۲) صحت بیماری سے پہلے۔ (۳) خوشحالی، ناداری وافلاس سے پہلے۔ (۴) فراغت مشغولیت سے پہلے۔ (۵) زندگی موت سے پہلے۔

ترقی کا زینہ

وقت کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال کے سلسلہ میں مرتب عرض کرتا ہے:
مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ کے ایک دوست وکیل صاحب تھے۔ یہ میرٹھ میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ وکیل صاحب میرٹھ سے کاندھلہ مولانا کاندھلوی سے ملنے آئے۔ مولانا نے وکیل صاحب سے خواہش کی کہ آپ واپسی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ملتے ہوئے جائیں۔ جب یہ پہنچے تو صبح کا وقت تھا۔ یہ وقت حضرت شیخ الحدیث کے لکھنے پڑھنے کا تھا۔ اپنے اس معمول کے حضرت شیخ ایسے پابند تھے کہ کبھی اس میں فرق نہیں لاتے۔ ایک مرتبہ حضرت رائپوریؒ کی آمد کے موقع پر خلاف معمول احتراماً بیٹھ گئے تو سر میں درد ہونے لگا اور اجازت لے کر اوپر حجرے میں گئے اور چند سطریں لکھ کر آئے تو سر کا درد رفع ہوا۔ وکیل صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت شیخ نے اپنا معمول بتا دیا اور فرمایا کہ میں اس وقت بات نہیں کر سکتا ۱۲/۱ بجے کے بعد ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، اور اوپر اپنے لکھنے کے مخصوص حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ ۱۲/۱ بجے نیچے اترے۔ دوپہر کے کھانے میں وکیل صاحب کو بلایا، وہ آئے اس وقت حضرت کی طبیعت خوب چلتی تھی اور پُر لطف باتیں کیا کرتے تھے۔ وکیل صاحب سے فرمایا کہ آپ وکیل ہیں، بتائیے اگر آپ مثلیں دیکھنے میں مشغول ہوں اور کوئی آپ سے آکر بات کرنا چاہے تو آپ اسے پسند کریں گے؟ گویا حضرت شیخ نے اپنے جملہ سے بتانا چاہا کہ اہم مصروفیت اور مقررہ معمول کے وقت بات اور ملاقات سے احتراز کر کے ہی ایک انسان اپنے فریضہ کو انجام دے سکتا ہے۔ اس جملہ کے بعد اور بھی حضرت شیخ نے وکیل صاحب سے باتیں کیں۔ یہ تمام باتیں نہایت بے تکلفی کے ساتھ ہوئیں۔ کھانے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ عصر کے بعد ملاقات ہوگی۔ چنانچہ عصر کے بعد وکیل صاحب مجلس میں تشریف لائے اور اس وقت کا بھی منظر دیکھا۔

دوسرے دن وکیل صاحب میرٹھ واپس آگئے۔ وہاں سے اسی دن انھوں نے مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ کو خط لکھا کہ :-

"آپ نے مجھے ایک ایسے شخص کی زیارت کرائی کہ اس ایک آدمی میں مجھے تین آدمی نظر آئے۔ جب میری ملاقات صبح کے وقت ہوئی تو مجھے بڑا غصہ آیا کہ کس آدمی کے پاس مجھے بھیج دیا مولویوں کے یہاں اخلاق نہیں ہوتے۔ اگر دوپہر کا وعدہ نہ کیا ہوتا تو اسی وقت وہاں سے چلا آتا۔ مگر دوپہر کو میں نے محسوس کیا کہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے جس سے ہمیشہ کا یارانہ رہا ہے۔ عصر کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک تیسرا آدمی ہے جو شیخِ وقت اور مرشدِ کامل معلوم ہوتا ہے"۔ وکیل صاحب نے آخر میں لکھا کہ "میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے ایک آدمی میں مجھے تین آدمی دکھا دیئے"۔

اس واقعہ پر اپنی طرف سے کچھ تبصرہ کرنے کے بجائے حضرت شیخ الحدیثؒ ہی کے الفاظ نقل کرنا چاہتا ہوں کہ: "اپنے کاموں کے لئے اوقات مقرر کرو۔ اس کے درمیان چھوٹے بڑے کسی کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے"۔ بعض لوگ اخلاق کا عذر کرتے ہیں کہ اگر کوئی آجائے تو اخلاق برتنا چاہیئے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ اگر اس وقت قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آجائے تو کیا اس کا عذر نہ کروگے؟ ؎

کیسے گلے رقیب کے، کیا طعنِ اقربا،
تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دیکھنا شروع کیا تھا کہ حضرت کا وقت پر دروازہ بند ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ یہ دونوں حضرات سے اجازت لی کہ تھوڑی دیر کے لئے "بیان القرآن" لکھنے جا رہا ہوں۔ اس وقت میرا یہی معمول ہے (حالانکہ شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ کے اُستاد تھے) چنانچہ تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آگئے مگر طبیعت کا بوجھ ہلکا ہو گیا"۔

مرتب عرض کرتا ہے کہ تقسیم کار اور اوقات ومعمولات کی پابندی کے بغیر کوئی فریضہ ذمہ دارانہ طریقہ پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ آپ بھی اپنی زندگی میں اس کا خیال رکھئے اور جو لوگ اس کے عادی ہیں ان کا بھی لحاظ رکھئے۔ بقول حضرت شیخؒ یہ ہر طرح کی ترقی کا زینہ ہے۔

۱؎ صحبتے با اولیاء

کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

فرمایا: بھائیو! آج حیدر آباد سے میری روانگی کا دن ہے۔ دیکھئے، وقت کتنی تیزی کے ساتھ گزر گیا۔ آخر دن گزرتے گزرتے گذر ہی جاتے ہیں۔ ہر آنے والا دن ہماری زندگی کا ایک دن کم کرتا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس حقیقت پر نظر رکھتے ہوں۔ ایک شعر تو بہت مشہور ہے مگر ہے بڑا معنی خیز اور حقیقت آفریں۔ شاعر کہتا ہے ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے　　عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم　　رفتہ رفتہ، چپکے چپکے دمبدم

ایک برف کا تاجر تھا، وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے خریدارو! جلدی آکر خریدو اگر تم نے دیر کی تو میری یہ پونجی ختم ہو جائے گی اور برف آہستہ آہستہ پگھل جائے گا۔ پھر ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا ۔۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جسے زندگی عطا فرمائی ہے اسے بھی چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہئے۔ اسے سوچنا چاہئے کہ برف کی طرح میری زندگی ہر آن اور ہر لمحہ پگھل رہی ہے، یہاں تک کہ ایک دن ختم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کہ زندگی ختم ہو، اسے کام میں لے آنا اور اعمالِ صالحہ سے اپنے وقت کو مسعود بنانا، یہ ہے انسان کی کامیابی۔ وگرنہ اسے عظیم نقصان اور خسران اٹھانا پڑے گا۔ اس لئے وقت کا صحیح استعمال کیجئے، خدا کی رضا والا کام کرتے رہئے۔ یوں آپ دنیا سے رخصت ہوں گے تو مرنے کے بعد بھی دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی ؎

دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے، نہ وہ دنیا کے لئے کوئی عمل کرے، نہ

آخرت کے لئے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے ہیں :

" جو زمانہ گزر چکا وہ تو ختم ہو چکا، اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آئندہ زمانہ کی طرف اُمید کرنا، بس اُمید ہی ہے۔ تمہارے اختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اس وقت تم پر گزر رہا ہے، بس اس کی قدر کر لو۔"

حضرت تھانویؒ کا یہ قیمتی جملہ لوحِ دل پر نقش کر لیجئے کہ :

" فرصتِ عمر نعمتِ مغتنم ہے، ضائع کوئی لمحہ نہ ہونا چاہئے ساری عمر تحصیلِ کمال یا تکمیل ہی میں بسر ہونا چاہئے۔"

پند و نصائح

کامیابی تو کام سے ہوگی
نہ کہ حسنِ کلام سے ہوگی
ذکر کے التزام سے ہوگی
فکر کے اہتمام سے ہوگی

(خواجہ عزیز الحسن مجذوب)

ان موتیوں سے آکر، دامن کو اپنے بھر لے

(۱) فرمایا: جو شخص اپنی نفسانی خواہشات پر قابو نہ پاتا ہو اور اس کے حملے سے مغلوب ہو جاتا ہو تو اس کا نسخہ صرف ذکر اللہ ہے۔ جب اللہ کو خوب یاد کرے گا تو اس ذکر کے پانی سے نفسانی خواہشات کی آگ بجھ جائے گی۔ پس جب آگ بجھ جائے گی تو نورِ تقویٰ حاصل ہو جائے گا

(۲) فرمایا: منزل کے عاشق اور طالب کو راستے کی ہر چیز محبوب معلوم ہوتی ہے اور جو شخص منزل کا طالب اور عاشق نہیں ہوتا اس کو راستے کی ہر چیز خراب معلوم ہوتی ہے۔

(۳) فرمایا: حضرت تھانویؒ کے پاس ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت مجھے خوفِ خداوندی سے رونا نہیں آتا ہے، دل پر بہت غم ہے۔ کاش کہ مجھے بھی خوفِ خدا میں رونے کی توفیق ہو جاتی۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا کہ یہ تمہارا نہ رونا دل کا رونا ہے اور دل کا رونا آنکھ کے رونے سے افضل ہے۔

(۴) فرمایا: انسان اللہ والا دو چیزوں سے بنتا ہے: (۱) ایمان (۲) تقویٰ۔ کلام پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کو ماضی سے استعمال کیا ہے کیونکہ ایمان زندگی بھر میں ایک بار لایا جاتا ہے مگر تقویٰ کو مضارع سے استعمال کیا ہے اور مضارع کی خاصیت تجدّد و استمرار ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ٹوٹنا بھی رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ٹوٹ جائے تو ٹوٹا ہی رہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی بھی تقویٰ ٹوٹ جائے تو فوراً رو کر اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ

سے معافی مانگ لینی چاہئے ؎

اس طرح طے کی ہیں ہم نے منزلیں — گر پڑے گر کر اُٹھے اُٹھ کر چلے

(۵) فرمایا: میں نے اپنے شیخ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ سے کہا کہ حضرت آپ کی خدمت میں بعض لوگ آتے ہیں اور ایک دو دن رہ کر آپ سے معانقہ کر کے اور فیوض و برکات لے کر چلے جاتے ہیں، ان پر کوئی ڈانٹ ڈپٹ اور گرفت و احتساب نہیں ہوتا مگر اختر ہر وقت ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹا جاتا ہے۔ اگر انھیں لوگوں جیسا فائدہ ہو تو میں بھی کہیں چلا جاؤں اور کبھی کبھی ایک دو دن کے لئے آ جایا کروں اور معانقہ و فیوض و برکات حاصل کر لیا کروں۔ حضرت پھولپوریؒ نے فرمایا کہ اختر جو شخص اپنے شیخ کی ڈانٹ کو برداشت کرتا ہے اور رگڑے کھاتا ہے وہ لال ہو جاتا ہے ؎

؎ انھیں کو وہ ملتے ہیں جن کو طلب ہے — وہی ڈھونڈتے ہیں جو ہیں پانے والے

؎ مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں — نہ گھبراؤ کوئی دل میں گھر کر رہا ہے

(۶) فرمایا: حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے پاس لکھا کہ حضرت صاحب نسبت ہونا اور نسبت کسے کہتے ہیں۔ کہیں میری نظر سے قرآن و حدیث سے نہیں گزرا۔ اگر ثبوت ہو تو ظاہر فرما دیں۔ حضرت تھانویؒ نے لکھا کہ جی ہاں اس کا ثبوت کلام پاک سے ہے کہ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ (اے ہمارے پروردگار ہمارے نور کو آخر تک باقی رکھ) جب نورِ تام حاصل ہو جاتا ہے تو صاحبِ نسبت ہو جاتا ہے اور نورِ تام حاصل ہونا ہی نسبت کا نام ہے۔

(۷) فرمایا: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے اوپر غالب کرے اللہ تعالیٰ اس کو ہر جگہ غالب رکھے گا۔

(۸) فرمایا: اسبابِ معصیت کی نزدیکی عزمِ تقویٰ کو پھسلا دیتی ہے، اس لئے اسبابِ معصیت سے بھی پرہیز رکھنا چاہئے۔ جو شخص اسبابِ معصیت سے پرہیز کرے گا، وہ انشاء اللہ کبھی گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے اندر دو مادے رکھے ہیں۔ ایک بھلائی کا اور ایک برائی کا۔ جب اسبابِ خیر کا قرب ہوگا تو بھلائی اور نیک کام

کا صدور ہوگا۔ اور جس وقت برائی کا قرب ہوگا اس وقت شر کا صدر ہوگا۔ اسی وجہ سے اسباب شر اور اسباب معصیت سے ہر وقت دُور رہنا چاہیئے۔ جس طرح ماں بچے کو گندگی سے دُور رکھتی ہے۔ اگر اس کو کہیں گندگی لگ جاتی ہے تو ماں صاف کر دیتی ہے اسی طرح اگر انسان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دُعا کرتا رہے

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

(اے اللہ! میرے اور گناہوں کے درمیان دوری رکھ جس طرح آپ نے مشرق و مغرب کو ایک دوسرے سے دور رکھا ہے)۔

(۹) فرمایا: اصلاح کا آسان نسخہ یہ ہے کہ تھوڑا سا ذکر کر لیا جائے اور اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ کر لیا جائے اور کسی اللہ والے سے صحیح اور قوی تعلق کر لیا جائے۔

(۱۰) فرمایا: جو شخص ان تین باتوں سے پرہیز رکھے' انشاء اللہ دوسرے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا: (۱) بدنگاہی' (۲) بدگمانی (۳) غیبت۔

(۱۱) فرمایا: جس کو اللہ کا عاشق بننا ہو وہ اس شعر کو پڑھا کرے ؎

جز بذکر خویش مشغولم مکن   از کرم از عشق معزولم مکن

(۱۲) فرمایا: پہلے برائی کو دُور کرنے کی فکر مت کرو جب تک اچھائی پیدا نہیں ہوگی بُرائی دُور نہیں ہوسکتی ہے۔ پہلے اللہ کا ذکر شروع کر دو اور ذکر بھی عاشقانہ ہو۔ پھر وہ خرابی اور گندگی اس کی برکت سے دُور ہو جائے گی اور بھلائی دل میں داخل ہونا شروع ہو جائے گی۔

(۱۳) فرمایا: صرف اللہ والوں سے تعلق پیدا کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک ذکر ۱ اور صحبت ۲ اور پرہیز ۳ ان تین باتوں کا اہتمام نہ رکھا جائے۔

(۱۴) فرمایا: اولیاء اللہ کی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھول کے نیچے والے کانٹے ہوتے ہیں' جس طرح ان کانٹوں کو گلاب کے درخت سے جدا نہیں کیا جاتا' اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے والے جنت میں اللہ والوں سے نہیں جدا کئے جائیں گے۔ لہٰذا اولیاء اللہ کی صحبت کو لازم پکڑلو۔

(۱۵) فرمایا: جو شخص اپنے نفس کے جتنا ہی قریب ہوگا وہ اپنے رب سے اتنا ہی دُور ہوگا۔ اور جو اپنے نفس سے جتنا ہی دور ہوگا اتنا ہی اپنے رب سے قریب ہوگا۔

(۱۶) فرمایا: اگر کئی گناہ کئے ہوں اور ایک نیکی کا موقع مل جائے تو اس خیال سے کہ اتنے گناہ کئے ایک نیکی سے کیا ہوگا، اس نیکی کو چھوڑنا نہیں چاہئیے، انشاء اللہ وہ ایک نیکی سارے گناہوں کو چھڑا دے گی اور اللہ سے ملا دے گی۔

(۱۷) فرمایا: اگر کسی کے اندر ہزار عیب ہوں اور ایک نیکی ہو تو اس کی نیکی پر نظر رکھے اور اگر اپنے اندر ہزار نیکیاں ہوں اور ایک برائی ہو تو اس برائی پر نظر رکھے۔ انشاء اللہ کبر کا نام ونشان بھی دل میں نہ پیدا ہوگا۔

(۱۸) فرمایا: بدگمانی بہت بُری بیماری ہے۔ اس سے بہت پرہیز رکھئے اس لئے کہ یہ عموماً غلط ہوتی ہے اور بدگمانی خود اپنا عیب ہے المرء یقیس علیٰ نفسہ اور مظروف کی خرابی سے ظرف کی خرابی لازم آتی ہے۔ مثال کے طور پر برتن میں پیشاب کرو، پیشاب مظروف ہے اور برتن ظرف ہے۔ پیشاب سے برتن کی خرابی لازم آئی۔ اسی طرح بدگمانی خرابی ہے اور یہ مظروف ہے اور دل ظرف ہے۔ پس بدگمانی سے دل کی بھی خرابی لازم آئے گی۔ جب اللہ والوں کی طرف سے کسی بھی قسم کی بدگمانی ذہن میں آئے تو فوراً دو رکعت "صلوٰۃ توبہ" پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب رو رو کر اور گڑگڑا کر معافی مانگنا چاہئیے۔ دراصل شیطان بدگمانی کرا کے انسان کو اللہ والوں کے فائدہ کے چشمے سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔

(۱۹) فرمایا: اللہ والا وہ ہے جو مسجد اور گھر اور بازار میں ہر جگہ اللہ والا ہو، یہ نہیں کہ صرف مسجد میں اللہ والے ہو گئے اور جیسے ہی بازار اور گھر کی طرف چلے سب مسجد ہی میں چھوڑ دے۔ اور مسجد سے باہر مسجد والی زندگی کا کوئی اثر اس کے کردار اور عمل میں نہ ہو۔

(۲۰) فرمایا: نیکیوں کے ساتھ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ کتنی ہی نیکی کیوں نہ کر لے جب تک گناہ سے نہ بچے گا سب کمایا ہوا ضائع ہوتا رہے گا۔

(۲۱) فرمایا: گناہ کی طرف دل کا میلان بُرا نہیں بلکہ گناہ کرنا بُرا ہے۔ جب گناہ کا تقاضا ہی نہ ہوگا رُکے گا کس سے کیونکہ ہر نہی کے لئے منہی عنہ کا وجود اور ثبوت ضروری

ہوتا ہے، جیسے میں اپنے ہاتھ میں گھڑی لے کر کہوں کہ دیکھو میری گھڑی کوئی نہ چھوئے تو صحیح ہوگا اور اگر ہاتھ میں گھڑی ہی نہ لیں اور نہ چھونے کا حکم لگائیں تو حکم غلط ثابت ہوگا کیونکہ ہر نہی کے لئے منہی عنہ ضروری ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں گناہ کا تقاضا رکھا ہے۔ اسی وجہ سے فالھمھا فجورھا فرمایا گیا ہے۔ گناہ کے تقاضے کو دبائے تب اجر حاصل ہوگا۔ اور یہ کہنا کہ وسوسہ ہی نہ آئے، فضول بات ہے۔

(۲۲) فرمایا: گناہ کرنے سے زندگی تلخ ہوجاتی ہے اور دل ہر وقت پریشان رہتا ہے، چین وسکون نہیں ملتا ہے مگر نیک لوگوں کو با لطف زندگی حاصل ہوتی ہے۔ حیات طیبہ کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً (

(۲۳) فرمایا: آپ دین کے کاموں میں ایک دوسرے کے رفیق بنئے، فریق نہ بنئے

(۲۴) فرمایا: حضرت ہردوئی دامت برکاتہم فرماتے ہیں، اگر کسی میں کوئی برائی نظر آئے تو نکیر تو کیجئے مگر تحقیر نہ کیجئے۔

(۲۵) فرمایا: پیر وہ ہے جو دل کا پیرا اور گناہوں کے کانٹے نکال دے۔

(۲۶) فرمایا: مفردون سے مراد وہ ذاکرین ہیں جو اللہ کا ذکر والہانہ اور عاشقانہ کرتے ہیں۔ حدیث پاک میں ان کی تعریف آتی ہے کہ وہ سب سے سبقت لے جاتے ہیں۔

(۲۷) فرمایا: کسی انسان کو خارش ہو تو جب تک وہ اپنے جسم کو کھجلاتا رہتا ہے بڑا مزہ آتا ہے لیکن چھوڑنے کے بعد ہی اس کی لہر شروع ہوجاتی ہے اور وہ اذیت محسوس کرتا ہے۔ یہی حال گناہ کی لذتوں میں پڑے ہوئے انسان کا ہے۔ جب موت اسے نکالے گی تو اس کا مزہ چکھ لے گا اور پورے طور پر اس کی لہر اور اذیت کو محسوس کرے گا۔

(۲۸) فرمایا: کسی نے پوچھا، ہلدی کے کیا دام ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ جس قدر چوٹ میں درد ہو۔ پس اللہ والوں کی قدر بھی انھیں کو ہوتی ہے جن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی طلب کا درد ہوتا ہے۔

(۲۹) فرمایا: اہل اللہ کی صحبت میں مجاہدات برداشت کر کے جس روح نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد نہ حاصل کیا ہو وہ روح اس قابل نہیں کہ زندہ رہے۔ کیونکہ ایسی روح خود بے روح اور ایسی جان خود بے جان ہے۔ اس کا وجود صفحۂ زمین اور صفحۂ ہستی پر ننگ وباعثِ شرم ہے۔

(۳۰) فرمایا: دنیا کے تمام ہنگامے ایک دن ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، مثلاً جوانی کا ہنگامہ بڑھاپے میں، بہارِ چمن کا موسم خزاں میں، بدرِ کامل کا شب تاریک میں، آفتاب کا اُفقِ غروب میں، گلِ تر کا افسردگی میں، صحت کا بیماری میں، حیات کا موت میں اور موت تو ہمیشہ کے لئے ع ہنگامۂ حیات کو خاموش کر گئی

مگر اللہ والوں کی روحانی بہار کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر رہتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ مجاہدات کے دریائے خون کو عبور کر چکے ہیں اور حق تعالیٰ کے مقرب ہو چکے ہیں۔

(۳۱) فرمایا: حق تعالیٰ کی محبت اس قدر لذیذ ہے کہ امراء و سلاطین ہفت اقلیم کی سلطنت میں بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

(۳۲) فرمایا: حق تعالیٰ کے عاشقوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھ کر حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہو اور دنیا آنکھوں میں فانی اور بے قدر ہو جائے اور خدا کے پاک پر مال و عزت، دل و جان دینے کا شوق پیدا ہو جائے اور جانِ مضطر میدانِ شہادت تلاش کرنے لگے۔

(۳۳) فرمایا: گنہ گار کا جسم عارضی لذت گناہ کی پاتا ہے مگر قلب و روح کو ہر وقت عذاب، بے سکونی میں گرفتار پاتا ہے اور اللہ والے نفس کی خواہشات کو توڑ کر اپنے قلب و روح میں لافانی سکون و بہار جنت کی دائمی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔

(۳۴) فرمایا: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گناہ کرنے سے جی بھر جائے گا پھر گناہ چھوٹ جائے گا۔ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ نفس کی مثال دوزخ کی طرح ہے کہ ایک گناہ کے بعد پھر دوسرے گناہ کا تقاضا اور شدید ہوگا۔ گناہ کے ترک کا علاج صرف ہمت، دُعا اور قوتِ ارادی کا استعمال کرنا ہے اور ذکر اللہ سے اس میں اعانت ملتی ہے۔

(۳۵) فرمایا: سچی توبہ سے گناہ کی دوری ختم ہو کر حضوری سے تبدیل ہو جاتی ہے بشرطیکہ دل سے آہ نکل جائے اور دل کی گہرائی اور جگر کے خون کی شمولیت سے استغفار ہو۔

(۳۶) فرمایا: جس قدر "لا الٰہ" قوی ہوگا اسی قدر "الا اللہ" قوی ہوگا۔ یعنی قلب کا غیر اللہ سے اور معاصی کی آلائش سے جس قدر تزکیہ ہوگا اور جس قدر اپنے نفس کی مع اس کے تقاضائے شہوانیہ کی نفی ہوگی اسی قدر حق تعالیٰ کا نور قوی قلب کو عطا ہوگا۔

(۳۷) فرمایا: امید اور خوف کے درمیان رہنا اور اعمالِ صالح میں سرگرم رہنا کمالِ عبدیت ہے۔

(۳۸) فرمایا: اہل اللہ اگر اپنی مخفی طاعتوں اور ذکر و شغل و مناجات اور شب خیزیوں اور آہ و نالوں کو چھپا بھی لیں تو ان سے پیدا شدہ ان انوار و کیف کو کہاں لے جائیں گے جو اُن کے چہرے اور ان کی آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

(۳۹) فرمایا: اللہ والے جس سے محبت کرتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ اس کے برعکس تمام اہلِ دنیا کوئی نہ کوئی غرض رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غرض پوری ہوئی تو ان کی روش میں تغیر اور زوال آجاتا ہے۔

(۴۰) فرمایا: زندگی کے ہر سانس کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ موت آجانے پر ایک سانس کی مہلت ہفت اقلیم کی دولت قربان کرنے پر بھی نہ مل سکے گی ؎

اختر جگ میں آئے ہو، کچھ دیا دھرم کا کام کرو
یہ وقت نہیں ہاتھ آوے گا جو کرنا ہے سو آج کرو

ماں کی گود سب سے پہلا مدرسہ ہے

مرتب
محمد اسحٰق ملتانی

مثالی خواتین

پہلی اُمتوں کی نیک مؤمنات • ازواجِ مطہرات • بناتِ طیبات رسول صلی اللہ علیہ وسلم • صحابیات
تابعیات • قاریات • محدثات • اکابر کی ازواجِ محترمات کے علم و فضل، زہد و عبادت،
عفت و عصمت، عزم و ہمت، ایثار و وفا اور عرفان و سلوک کے فکر انگیز حالات و واقعات

ناشر

زمزم بکڈپو دیوبند

اوراد و ظائف

مرے دوستو! سنو غور سے یہ صدائے اختر بے نوا
نہ ہو ذکر حق، نہ ہو فکر حق تو یہ جینا جینا حرام ہے

(مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

صاحبِ ملفوظات "حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ" تیسری بار حیدرآباد دکن ۳۰ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۴ھ م ۳ راپریل ۱۹۸۴ء سہ شنبہ کو تشریف لائے۔ قیام مدرسہ فیض العلوم باقر باغ سعید آباد میں طے پایا، اور یہاں سے ۹ راپریل کو براہ الٰہ آباد پاکستان واپسی کا پروگرام تجویز ہوا۔ مرتب نے ۴ راپریل کو بعد نمازِ عشاء ایک مجلس میں زیرِ نظر کتاب کے کتابت شدہ صفحات بغرضِ ملاحظہ پیش کئے تو اپنی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

ہر کام کے صلہ کی اُمید تو اللہ تعالیٰ ہی سے قائم کرنی چاہئے لیکن بزرگوں کے اس طرح کے دُعائیہ کلمات اور اظہارِ مسرت چھوٹوں کے لئے ایک "انعام" کا درجہ رکھتے ہیں جن سے بہجت و سرور ایک طبعی امر ہے۔ حدیث میں اس کیفیت کو محمود قرار دیتے ہوئے "نفعِ عاجل" سے تعبیر کیا گیا ہے

حضرت حکیم صاحب نے صفحات کے ملاحظہ کے بعد بعض اہم اوراد و وظائف اس ارشاد کے ساتھ حوالہ فرمایا کہ "کتاب ہٰذا" میں انھیں شامل کر لئے جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں شامل کئے جا رہے ہیں۔ اُمید کہ قارئین اعمال کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان اوراد و وظائف سے بھی فائدہ اُٹھائیں گے۔

محفوظ قلعہ (ہر شر سے حفاظت)

(۱) حضرت عبداللہ بن خبیبؓ صحابی روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش کی رات اور سخت اندھیری میں تلاش کر رہے تھے کہ آپؐ کو ہم پا گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ۳ بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ... اور ۳ بار قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ... اور ۳ مرتبہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ... صبح شام پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے ہر شئے کے لئے کافی ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

فائدہ

یہ وظیفہ ہر شر سے بچانے کے لئے کافی ہے یعنی نفس و شیطان اور جنّات و آسیب، جادو، حاسد اور دشمن کے ہر شر اور بُری نظر کے شر سے۔ اور یہ وظیفہ ہر وظیفہ کی طرف سے کافی ہے۔

دفعِ غم کا نسخہ

(۲) حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمُ۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اس کو ۷ مرتبہ صبح ۷ مرتبہ شام پڑھ لیا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے ہر غم اور ہر فکر کے لئے کافی ہو جائے گا۔ مشہور مفسر علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ورد اس فقیر کا بھی ہے۔

چھوٹا کام، بڑا انعام

(۳) جو شخص اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ــ ۳ مرتبہ پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیات تلاوت کرے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۤءُ الْحُسْنٰى ۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

تو اگر بعد فجر پڑھے تو ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے دن بھر دُعائے مغفرت کرتے رہیں گے ۔ اور اگر بعد نماز مغرب پڑھ لے تو رات بھر ستّر ہزار فرشتے دُعا مغفرت کریں گے ۔ اور اگر اسی دن موت آگئی تو شہید مرے گا ۔ (تفسیر روح المعانی بحوالہ ترمذی شریف)

بیماریوں سے شفایابی

(۴) اگر لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ سے آخری آیت سورہ حشر کی پڑھ لے ، سر پر ہاتھ رکھ کر ، تو تمام بیماریوں سے شفا حاصل ہوگی سوائے موت کے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دی اور فرمایا ' اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر اپنا ہاتھ رکھ لیجئے اور اس کو پڑھئے فَاِنَّهَا شِفَاۤءٌ مِّنْ كُلِّ دَاۤءٍ اِلَّا السَّامَ کہ یہ شفا ہے تمام بیماریوں سے سوائے موت کے ۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ وظیفہ دردِ سر کی شفا کے لئے بھی ہے ۔ (روح المعانی)

ایک نہایت جامع دُعا

(۵) یہ دُعا جو لکھی جارہی ہے اس کو پڑھ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ برس کی دُعائیں مل جاتی ہیں ۔ حضرت ابوامامہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دَعَوْتَ بِدُعَاۤءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْهُ مِنْهُ شَيْئًا آپ نے دعا بہت فرمائی ہے مگر ہم کو تو کچھ یاد نہیں ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو ایسی دُعا نہ سکھادوں جو میری تمام دعاؤں کو اپنے اندر جمع کرلے ۔ عرض کیا بے شک ضرور سکھائیے ۔ آپ نے پھر یہ دُعا سکھائی :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا سْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ (بخاری شریف) ۔

(ترجمہ) اے اللہ ہم آپ سے تمام وہ خیر مانگتے ہیں جو آپ سے آپ کے نبی محمدؐ نے مانگا ہے۔ اور پناہ مانگتے ہیں تمام اس شر سے جس سے پناہ مانگی ہے آپ سے آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ ہی استعانت یعنی مدد مانگنے کے اہل ہیں اور آپ پر احسانًا ہماری فریادرسی ہے اور نہیں طاقت ہے گناہوں سے بچنے کی اور نہ نیک عمل کرنے کی، مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۔ (بخاری) ۔

حضرت پھولپوریؒ کے تلقین کردہ بعض وظائف:

○ رفع قبض باطنی اور رفع ظلمت کیلئے یا حیّ یا قیوم یا لاالٰہ الاانت سبحانک انی کنت من الظٰلمین کا ورد مجرب ہے۔ کوئی سالک جو قبض باطنی طویل سے عاجز و پریشان ہو اور نجات نہ ملتی ہو، اس ورد کو ۳۶۰ بار اول آخر درود شریف تین تین بار کے ساتھ پڑھنا شروع کردے انشاء اللہ قلب انوار سے بھر جائے

○ جو شخص اپنے حاکم سے تنگ ہو، حاکم خواہ شوہر ہو یا کوئی اور ہو جس کی ماتحتی میں کلفتوں کا سامنا ہو وہ اس آیت کو ستّر بار مع درود شریف اوّل آخر تین تین بار پڑھ کر دعا کر لیا کرے: اللہ لطیفٌ بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز (پ ۲۵) انشاء اللہ حاکم مہربان ہو جاوے گا۔

○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۸۰۰ بار ہر روز پڑھنا عجیب کیمیا ہے تمام ظاہری و باطنی فتوحات اس کی برکت سے کھل جاتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں اس ورد کو بہت

مجرب لکھا ہے۔ بعض کا قول اس کے اسم اعظم ہونے کے متعلق بھی ہے۔

○ دشمنوں اور ظالموں کے شر سے بچنے کیلئے تین سو اکتالیس بار حسبنا اللہ ونعم الوکیل اوّل آخر تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھنا اور دعا مانگنا اکسیر اعظم اور عجیب التاثیر کیمیا ہے، میں ظالموں کے مقابلے کے لئے مظلومین کے مقدمات وغیرہ میں اسی کو پڑھنے کیلئے بتا دیا کرتا ہوں۔ بفضلہ تعالےٰ تخلف نہیں ہوتا۔

○ روزی کی تنگی کیلئے تین سو آٹھ بار حسبنا اللہ ونعم الوکیل اول آخر درود شریف تین تین بار پڑھ کر روز دعا کر لینا تنگی کیلئے عجیب النفع ہے اگر اس کو زندگی بھر ہمیشہ پڑھتا رہے تو انشاء اللہ غیب سے روزی کے دروازے کھلتے رہیں اور رزق کی پریشانی کبھی نہ ہو، بزرگوں کے معمولات سے ہے اور قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس وقت حضرات صحابہ کی جماعت کو کسی نے یہ سنایا کہ ہوشیار ہو جاؤ تمہارے دشمن کفار بڑی تعداد میں آرہے ہیں۔ تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ہمارا اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ ہمارا بہترین کارساز ہے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں فانقلبوا بنعمۃٍ من اللہ یعنی حسبنا اللہ ونعم الوکیل کی برکت اور خدا پر بھروسہ کامل کا ثمرہ کیا ملا اور کس قدر جلد ملا کہ اللہ کی نعمت لے کر لوٹے فانقلبوا میں فا تعقیب کے لئے ہے جس سے اشارۃً پتہ چلتا ہے کہ حسبنا اللہ ونعم وکیل کا اثر بہت جلد ظاہر ہوا فتح بھی نصیب ہوئی اور مالِ غنیمت بھی لے کر لوٹے۔

آہ و نالوں سے مٹ گئے ظلمات

آہ و نالوں سے مٹ گئے ظلمات
ان کی یادوں سے مل گئے نغمات

ہر نفس میرا ان سے باتیں ہیں
ان کے عاشق کے ہیں یہی درجات

غیر فانی بہار عشرت ہے
تلخ حسرت کے ہیں یہی ثمرات

میر کہتے ہیں سرد آہوں پر
گرمی وصل کی ملی سوغات

کس قدر تلخیاں ہیں غیروں میں
کاش اپنوں میں رہتے ہم ہیہات

مرنے والوں پہ مرنے والوں پر
سینکڑوں غم ہیں سینکڑوں آفات

کاش مرتے ہم اپنے خالق پر
اور پاتے ہم ان سے انعامات

نار شہوت کو نور حق سے بجھا
پیر رومی کے ہیں یہ ارشادات

زم زم بک ڈپو کی چند اہم مطبوعات

- خطبات حکیم الامت ۹ جلدیں
- دعوت و تبلیغ
- آداب انسانیت
- جزاوسزا
- حقوق الزوجین
- برکات رمضان
- سنت ابراہیم
- دنیاو آخرت
- محاسن اسلام
- رحمت دوعالمؐ
- تدبیر و توکل
- بوادر النوادر دو جلدیں
- جہاں دیدہ
- تراشے
- نقوش رفتگاں
- فقہی مقالات دو جلدیں
- اکابر دیوبند کیا تھے؟
- ہمارا تعلیمی نظام

- بڑوں کا بچپن
- بیس۲۰ بڑے اولیاء
- مجالس ابرار
- مجالس حکیم الاسلام
- دنیا کی حقیقت
- زبان کی حفاظت
- مبادیات حدیث
- فیوض ربانی
- خطبات مدنی
- ملفوظات شاہ عبدالغنی پھولپوری
- عصر حاضر کے سلگتے مسائل
- حقانی تقریریں
- کشکول معرفت
- رسول اکرمؐ کی مسکراہٹیں
- رسول اکرمؐ کے آنسو
- صحابہؓ کے آنسو
- صالحین کے آنسو
- ہمارا معاشی نظام

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں

Printed at : Print Plus, Delhi-6 Ph. 3269095